معروفی کتب خانہ جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا نندوربار

إن جاء كم فاسق بنبأ فتبينوا (القرآن)

عمدة الأقاويل في تحقيق الأباطيل

(غیر معتبر احادیث کی تحقیق)

مع مقدمه مبسوطه

(۱)

مؤلف

مولانا محمد رضوان الدین معروفی

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا

ضلع نندوربار، مہاراشٹر

ناشر

معروفی کتب خانہ، جامعہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندوربار، مہاراشٹر

تفصیلات

نام کتاب	:	عمدة الأقاويل فی تحقیق الأباطیل مع مقدمة مبسوطة
مصنف	:	مولانا محمد رضوان الدین معروفی جامعہ اکل کوا
نظر ثانی	:	حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب (محدث: دارالعلوم دیوبند) حضرت مولانا زین العابدین صاحب (محدث: مظاہر علوم سہارنپور)
کمپوزنگ	:	مولانا ادریس پشور، مولانا اسلم ناندیڑ، مولانا عبید اللہ ومولانا شفیق الرحمٰن (فضلاء جامعہ)
سیٹنگ	:	محمد جہانگیر دیوبند (یوپی) +91-9045293126
پروف ریڈنگ	:	جماعة من العلماء والطلباء
دوسرا ایڈیشن	:	رجب المرجب ۱۴۳۴ھ مطابق جون ۲۰۱۳ء
تیسرا ایڈیشن	:	ربیع الاول ۱۴۳۵ھ مطابق جنوری ۲۰۱۴ء
صفحات	:	۴۱۰
تعداد	:	۱۱۰۰
قیمت	:	

ملنے کے پتے:

۞ معروفی کتب خانہ، جامعہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندوربار، مہاراشٹر، فون: 09326675070

۞ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند ۞ دارالکتاب، دیوبند

۞ مکتبۃ التفہیم، صدر بازار، چوک، مئو (یوپی)

قال اللّٰه تعالیٰ:

یا ایھا الذین اٰمنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا. (حجرات)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق فاجر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کرلو۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

(الف) من یقل علیّ ما لم اقل فلیتبوأ مقعدہ من النار.

(رواہ البخاری)

ترجمہ: جس نے میری جانب ایسے قول کی نسبت کی جو میں نے نہیں کہا تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

(ب) ایاکم و کثرۃ الحدیث عنی فمن قال علی فلا یقل إلا حقًا و صدقًا. (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: میرے حوالہ سے بہت زیادہ احادیث بیان کرنے سے بچو۔ جو میری کوئی حدیث بیان کرے تو صرف اور صرف حق اور سچ ہی بیان کرے۔

فہرست مقدمہ "عمدة الأقاويل في تحقيق الأباطيل"

باب چہارم

باب پنجم

فہرس الکتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مؤلف

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم۔ اما بعد!

یہ کتاب کیا اور کیوں؟:

”الإنسان مرکب من الخطأ و النسیان“ انسان خطا ونسیان سے مرکب ہے، اور خطا ونسیان ایک ایسی صفت ہے، جو ہر آدمی کے ساتھ لگی ہوئی ہے، مگر اسی کے ساتھ اس کی ایک بہت حسین صفت یہ بھی ہے کہ وہ فطرۃً حق پسند، حق جو، حق گو واقع ہوا ہے۔

اور سچ تو یہ ہے کہ انسان اگر باہر کی ہوا سے متاثر نہ ہو تو اپنے اندر کی آواز کو ہی راہ حق کا ترجمان اور اپنی منزل کا نشان پاتا ہے، اور بغیر کسی خارجی ذریعہ ہدایت کے بھی محض اپنے قلب سلیم کی رہبری سے وہ اپنی منزل سے ہمکنار ہوتا جاتا ہے، اور تمام طوفانی تھپیڑوں سے بچ بچا کر وہ اپنی کشتی کو ساحل سے لگا لیتا ہے، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کو بھول لگ جاتی ہے، یا کسی حق کی حقانیت کے سمجھنے میں دھوکہ کھا جاتا ہے، مگر جب اسے کوئی متنبہ کرتا ہے، اور کسی طرح اس کو چوک پر اطلاع ہو جاتی ہے تو پہلے اس تنبیہ اور ضلال ونسیان سے بچنے پر شکر کرتا ہوا کہتا ہے: ”الحمد لله الذی هدانا لهذا وما کنا لنهتدی لو لا ان هدانا الله“.

اور اپنے باپ آدم علیہ السلام کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے اقرار واعتراف کے ساتھ کہتا ہے: ”ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین“.

پھر تصفیہ کاملہ کے لیے مزید کہتا ہے” ربنا لاتؤاخذنا ان نسینا او أخطأنا“ پھر مزید مترقی ہو کر مستقبل کے تحفظ کی لیے بارگاہِ الٰہی میں ایک اور آواز لگاتا ہے” ربنا لا تزغ

قلوبنا بعد اذ ھدیتنا الخ" یہ ہے ایک اچھے انسان کی کہانی اس کی فطری زندگی کی زبانی۔

آمدم برسر مطلب:

اسی مقیاس ومعیار پر سمجھنا چاہئے کہ اسلام تو ایک ابدی، آفاقی، فطری، بے عیب وعوج اور بے داغ وبے غبار مذہب ہے، اپنی اصلی ذاتی دائمی اور ابدی صفائی، خوبی چمک دمک، کمالات ومحاسن کے سبب جب ابھرا تو ابھرتا ہی گیا "لَبَنًا سَائِغًا لِلشّٰرِبِینَ" کے بمصداق ہر ایک کی پیاس بجھاتا ہوا انسانی روحانی قوت کا سبب بنتا گیا، مگر بقول قائل ۔

ستیزہ کار رہاہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

یہاں بھی باطل نے انگڑائیاں لینا شروع کیں، اور حق کے خلاف اپنی توانائیاں جمع کرنا شروع کردیا یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ دشمنان اسلام نے اسلام کے چہرۂ پُر نور کو بے نور وداغدار بنانے کے لیے اسلامی اصولوں (قرآن وسنت) کو مشکوک کرنے کا بہت ہی مضبوط پلان بنایا، قرآن میں تو وہ کچھ کرنے سے رہے احادیث کو انہوں نے اپنی کوشش کا میدان بنایا، اور بہت سی غیر واقعی، غیر ثابت، من گھڑت باتیں احادیث ثابتہ صحیحہ کے ذخیرہ میں ملانے کی کوشش کی، مگر فیصلہ الٰہی کے مطابق محافظین اسلام نے تفریق بین الحق والباطل اور تمیز بین الحدیث والخبیث کا پورا پورا حق ادا کیا، اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ کرکے دکھادیا۔

ہاں حق دشمنوں کی اس ناپاک مہم کی یہ زہر افشانی اتنا ضرور اپنا اثر چھوڑ گئی کہ امت کے اہل نظر واہل بصیرت طبقہ کے علاوہ دوسرے حضرات نے جنہیں احادیث کے شہ پاروں اور اباطیل ناس کے خرف ریزوں کے درمیان تمیز کی اہلیت یا فرصت یا دلچسپی نہیں تھی، وہ ان

کنکروں کو ہیرے اور کانٹوں کو پھول تصور کر کے اپنی تقریر وتحریر میں ان سے استفادہ کرنے لگے، اور رفتہ رفتہ یہ سلسلہ اس قدر دراز ہوا کہ روایت پرستی کی فضاء بن گئی، بالخصوص وہ روایات جن میں غرائب وعجائب کا ذکر تھا اس کو بھوکے کی حلق کا لقمہ تر سمجھا جانے لگا۔

شاید ایسے ہی ذہن وخیال والوں سے متعلق پیشین گوئی کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: ''علیکم بکتاب اللّٰہ وسترجعون الی قوم یحبون الحدیث عنی فمن قال علی مالم اقل فلیتبوأ مقعدہ من النار ومن حفظ شیئا فلیحدث بہ''. (رواہ احمد والبزار طبرانی)

یعنی: اللہ کی کتاب ''قرآن'' کو مضبوطی سے تھام لو عنقریب تمہارا سابقہ ایسے لوگوں سے ہوگا جن کو ہماری احادیث سنانے کا شوق بہت زیادہ ہوگا، پس سن لو کہ جو شخص میری طرف وہ بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی ہے تو اس کو اپنا ٹھکانا جہنم میں تلاش کر لینا چاہیے۔

نیز آپ نے فرمایا ''سیکون فی آخر زمان اناس من امتی یحدثونکم بما لم تسمعوا انتم ولا آبائکم فایاکم وایاھم'' (اخرجہ مسلم)

آخری زمانہ میں میری امت میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو تم کو ایسی ایسی احادیث سنائیں گے جن کو تم نے اور تمہارے آباء واجداد نے کبھی نہ سنا ہوگا، لہٰذا تم ان سے خود کو بچا کر رکھنا۔

اور شدہ شدہ نوبت بایں جا رسید کہ ہمارے درمیان پائی جانے والی بہت سی اصلاحی تذکیری کتابیں بالخصوص تقریر وموعظت پر مشتمل تصنیفات اس کی سب سے زیادہ شکار ہوئیں، اور ان کا چلن اس قدر پر شور اور پر جوش ہوا اور ہر کس وناکس کی زبان پر ایسا مسلسل تواتر رہا کہ اس کے غلط ہونے کا خیال بھی نہیں گزرتا تھا، تحقیق کی جستجو وتلاش تو بہت دور کی بات! یہی وجہ ہوئی کہ بہت سے مستند علماء ومحققین کی وہ کتابیں جو اصلاحیات وخطابیات کے عنوان

سے آئی ہیں، ان میں بھی یہ روایات در آئی ہیں، جب کہ ان کا تحقیقی ذوق، نبوغ علمی، ان کی حق پسندی، حق شناسی، اور حق گوئی ہرگز ہرگز اس کی روادار نہیں ہو سکتی تھی، چناں چہ ان کے اسی علمی و تحقیقی مقام کی بناء پر ان مقتدر شخصیات سے ان روایات کا انتساب ہی ان کے ثبوت وصداقت کی دلیل سمجھا جاتا تھا، جبکہ واقع میں وہ روایات بے سند تھیں یا باسند مگر غیر معتبر۔

اب ایسی صورت حال میں ضرورت محسوس ہوئی کہ محدثین کرام اور محققین عظام کی تحقیقات اور ان کے اصول وقواعد کی روشنی میں ان روایات کی صحیح حیثیت واضح کردی جائے، چناں چہ اسی بنیاد پر اس عاجز نے یہ ہمت کی اور اللہ کا نام لے کر قلم کو حرکت دی اور ان اوراق و سطور کو جمع کیا جن کا مقصد صرف یہ ہے کہ کھرے کھوٹے کا فرق اور شہ پارے وخزف ریزے یعنی حدیث اور غیر حدیث کی تمیز ہو جائے، تاکہ امت اپنے اصلی وفطری ذوق کے کے مطابق غیر حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ کرے، اور دانستہ یا نا دانستہ ہو جانے والی اب تک کی غفلتوں وغلطیوں اور بے احتیاطیوں پر ندامت ہو اور آئندہ اس کی تلافی کی کوشش کرے، کیوں کہ اس جرم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی ناراضگی اور سخت وعید سنائی ہے، ارشاد نبوی ہے "من کذب علی متعمدًا فلیتبوأ مقعده من النار". (رواہ البخاری)

اور آپ نے ارشاد فرمایا: "کفیٰ بالمرء ان یحدث بکل ما سمع".

(رواہ مسلم)

نیز آپ نے ارشاد فرمایا: "اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم فإنه من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار". (مسند احمد)

ایک جگہ ارشاد نبوی ہے: "من کذب علی فی حدیث جاء یوم القیامة مع

الخاسرين" ۔ (رواه ابن شاهين عن انسؓ)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ " **ثلاثة لایریحون رائحة الجنة رجل ادعی إلی غیر ابیه ورجل کذب علی نبیه ورجل کذب علی عینیه**".

(وراه البزار وابن عدی عن ابی هریرةؓ مرفوعا)

یہ وہ روایات ہیں جن کی بنیاد پر علماء امت نے حدیث کے نقل میں انتہائی درجہ صحت کا اہتمام والتزام ضروری قرار دیا ہے اور جھوٹ بلکہ شائبہ جھوٹ کی بھی کوئی گنجائش روا نہیں رکھی نیز کسی قسم کی لاپرواہی کو بھی گوارا نہیں کیا۔

مگر افسوس کہ جس قدر احادیث میں احتیاط مطلوب ہے، اسی قدر بے احتیاطی برتی جارہی ہے چناں چہ عوام وخواص کی زبانوں اور ان کی کتابوں میں بڑی کثرت سے ایسی احادیث پائی جارہی ہیں جن کی یا تو کوئی سند اور اصل نہیں یا اس کی سند تو ہے مگر محدثین کے نزدیک وہ سند معتبر نہیں، اس کتاب میں اسی قسم کی احادیث کو جمع کرکے محدثینِ کرام کی تحقیقات پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تعارف کتاب:

بنیادی طور پر اس کتاب میں چند کام کئے گئے ہیں۔

(۱) سب سے پہلے اس روایت کو لکھا گیا اور اگر وہ روایت مختلف الفاظ میں پائی جاتی ہے تو ان الفاظ مختلفہ کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) ترجمہ یا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

(۳) اقوال محدثین کی روشنی میں اس روایت کا حکم لکھا گیا ہے۔

(۴) محدثین کے اقوال وآراء اور ان کی تحقیقات ان کی کتابوں کے حوالے کے ساتھ جمع

کردی گئی ہیں۔

(۵) بعض روایات ایسی ہیں جو حدیث کی حیثیت سے تو ثابت نہیں ہیں مگر ان کا مضمون فی نفسہٖ صحیح ہے، قرآن کی کسی آیت یا کسی دوسری حدیث یا مجموعی طور پر مزاج شرع سے میل کھاتا ہے، یا یہ روایت کسی بزرگ وغیرہ کا کلام ہے تو ان باتوں کی وہاں پر وضاحت کردی گئی ہے۔

(۶) اصل کتاب چوں کہ احادیث موضوعہ کی تحقیق پر مشتمل ہے، اور دوران تحقیق بکثرت راویوں پر جرح وتعدیل کی گئی ہے۔

اس لیے اس کی مناسبت سے وضع، واضع، موضوع، زمانہ وضع، اسباب وضع، نتائج وضع اور پھر ائمہ محدثین وعلماء محققین کی طرف سے دفاع اور اس کے لیے علم اسماء رجال، علم جرح وتعدیل کی تدوین وغیرہ پر مشتمل ایک مبسوط مقدمہ لکھ دیا گیا تا کہ اس موضوع پر قاری کو یک گونہ بصیرت حاصل ہوجائے۔

تشکر وامتنان:

ع اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں

ان حروف وکلمات اور سطور ونقول کا جمع ہوکر ایک کتابی شکل میں آجانا یہ صرف اور صرف حق تعالیٰ شانہ کا فضل واحسان ہے، اس مالک حقیقی اور محسن حقیقی سے دعاء ہے کہ اے مولیٰ جس طرح تو نے حرف کشی کی توفیق دی ہے تو ان جمع شدہ حروف کو پسند بھی کرلے؛ اور اس عاجز کے حق میں اپنی رضا وخوشنودی کا ذریعہ بنادے؛ اور نافع خلائق بنا کر احادیث نبویہ علی صاحبہا التحیۃ کے خدام میں اس حقیر کو شمار فرمالے۔

نیز ان تمام حضرات اساطین علم وجیال فن علماء کرام کا بھی شکر گذار ہوں جنہوں نے

اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ان اوراق پر نظرِ اصلاح ڈالی اور تائید وتقویت پر مشتمل گراں قدر تقریظات اور کلمات دعائیہ وتہنیت سے نواز کر اس کتاب میں وزن پیدا کیا موضوعِ کتاب اس قدر نازک اور علمی وتحقیقی تھا کہ قلم اٹھانے پھر ترتیب پا جانے کے بعد منظر عام پر لانے کی ہمت کرنا مجھ جیسے بے بضاعت اور ظلوم وجہول کے لیے انتہائی مشکل امر تھا، مگر ان ہی بزرگوں کی حوصلہ افزائیوں، اور دعاؤں سے یہ قدم اٹھ رہا ہے، حتی المقدور صحت و صواب کا اہتمام کیا گیا ہے، پھر بھی نہ معلوم کتنی جگہوں پر خطا ونسیان اور غفلت وزلت واقع ہوئی ہوگی؛ اہل علم واہل نظر سے گذارش ہے کہ جہاں کہیں کوئی سقم وخطا محسوس ہو "الدین النصیحۃ" کے تحت ضرور اطلاع فرمائیں، انشاء اللہ وضوحِ حق کے بعد اس کو ضرور قبول کیا جائے گا۔

اخیر میں ہم اپنے ان تمام معاونین کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں جنھوں نے اس کتاب کی ترتیب میں، کمپوزنگ، پروف ریڈنگ، اور بعض مواقع پر جمع مواد کے سلسلے میں کسی بھی نوعیت کی ہماری مدد کی ہے، اسی طرح جن کے مالی تعاون سے طباعت کی مشکل آسان ہوئی وہ بھی شکریہ کے مستحق ہیں، سچ یہ ہے کہ یہ کتاب کسی ایک تنہا شخص کی کاوش کا ثمرہ نہیں ہے بلکہ کئی مخلصین کے تعاون، دعاء، فکر، مشورہ، حوصلہ افزائی، وغیرہ کی برکات کا مجموعہ ہے، اللہ تعالیٰ ان تمام مخلصین ومعاونین کو دارین میں نیک بدلہ عطاء فرمائیں، اور ان کو اور ان کی نسلوں کو علمی ودینی شادابی سے آباد رکھے۔ آمین!

معروفی

كلمة الدعاء

از

فضيلة الشيخ مولانا خير محمد الحجازی المكی المدرس و الخطيب
بالمسجد الحرام بمكة المكرمة

(ایسے علمی نوادرات پر میں تقریظ کا اہل نہیں)

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبی بعده

سرزمینِ حرم میں کتاب اور مقدمہ کتاب "عمدة الأقاويل في تحقيق الأباطيل" مؤلفہ سماحۃ الشیخ رضوان الدین معروفی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا مہاراشٹرا الہند ملا عاجز روسیاہ اپنے افرادخانہ کی بیماری کی بنا پر محزون و مشغول اور ایسے علمی نوادرات پر تقریظ کا اہل بھی نہیں ہے۔ عربی زبان میں تو ایسے موضوع پر متعدد کتب موجود ہیں؛ اردو زبان اور سہل اسلوب کے ساتھ ایسی کتاب عاجز کی نظر سے نہیں گذری اس دورِ پُرفتن میں دفاع عن الباطل اور احقاقِ حق تو جہادِ اکبر ہے۔

خداوند کریم سماحۃ الشیخ کی اس عظیم محنت کو قبول فرما کر قبولیتِ عامہ تامہ سے نوازیں اور ذریعۂ نجات اخروی بنائیں۔ آمین ثم آمین!

والسلام

محمد مکی حجازی خادم العلم بالحرم المکی الشریف

۱۴۳۴/۴/۲۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمات دعاء و تہنیت

از

حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی دامت برکاتہم

رئیس جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، نندوربار مہاراشٹرا

(ماشاء اللہ مؤلف نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔

اردو زبان میں اپنے موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے۔)

حامدا و مصليا و مسلما.

امابعد! اللہ جل جلالہ نے ہر دور میں ہر زمانہ میں ایسے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے جو اپنے آپ کو دین اسلام کی ترویج و اشاعت، دعوت و تبلیغ اور تربیت و تزکیہ میں لگائے رہے۔

ماضی قریب میں ہمارے اکابرین میں حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے تلامذہ کی ایک بہت بڑی جماعت گذری ہے، جنہوں نے مدارس اسلامیہ سے وابستہ رہکر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کی لائن سے ناقابل فراموش خدمات انجام دیں، جنہیں قیامت تک یاد رکھا جائے گا۔

خدائے پاک ان مرحومین کی قبروں کو جنت نشان بنائے اور شبانہ روز بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ آمین!

اس وقت آپ کے سامنے جو کتاب ہے (عمدة الاقاويل في تحقيق الاباطيل) اسی سلسلہ تصنیف و تالیف کی ایک سنہری کڑی ہے جس کو جامعہ اکل کوا کے نوجوان شیخ الحدیث مولانا محمد رضوان الدین صاحب معروفی نے بڑی تحقیق و تدقیق اور عرق ریزی

سے مرتب فرمایا ہے، ماشاء اللہ ہمارے شیخ الحدیث صاحب ایک کامل مدرس ماہر فن شیخ الحدیث اور صاحبِ بصیرت، عالم دین ہیں، درس وتدریس کے ساتھ لوح وقلم کا بھی پاکیزہ مشغلہ رکھتے ہیں، قبل ازیں ان کے گوہر بار قلم سے کئی مستند کتابیں وجود پذیر ہوکر عوام وخواص کی نظر میں قبولیت حاصل کرچکی ہیں مولانا موصوف نے جب پیش نظر کتاب کے بارے میں مجھ سے ذکر کیا تو میں نے دلی مسرت کا اظہار کیا، تہہ دل سے مبارکباد دی اور جلد از جلد اس کی تکمیل کی خواہش ظاہر کی، اور یہ بھی مشورہ دیا کہ تکمیل کے بعد محدث کبیر حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری مدظلہ کی خدمت میں پیش کر کے ان کی رائے لیکر کتاب کی اشاعت فرمائیں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، اور حضرت مولانا تقی الدین صاحب مدظلہ نے کتاب کو دیکھ کر اپنے بڑے وقیع کلمات سے توثیق فرمائی، محدث وقت کی تحریر آنے کے بعد میری تحریر کی بالکل ضرورت نہ تھی لیکن مولانا کے اصرار کے پیش نظر چند سطریں سپرد قرطاس کی ہیں میرے خیال میں اس موضوع پر یہ سب سے پہلی کتاب ہے، کتنی باتیں ایسی رائج ہوچکی ہیں، جنہیں عام طور پر حدیث سمجھا جاتا ہے حالانکہ وہ حدیث نہیں ہیں، مولانا نے ایک نہایت ضرورت اور اہم موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور ماشاء اللہ اسکا حق ادا کردیا ہے اور سب سے بڑی خوبی کی بات یہ ہے کہ، جو کچھ لکھا ہے حوالوں کے ساتھ لکھا ہے تاکہ رجوع اور استصواب میں سہولت ہو میں دست بدعا ہوں کہ خدائے پاک ان کی دیگر کتابوں کی طرح اسے بھی قبولیت عامہ وتامہ سے نوازے، قارئین کو استفادے کی زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرمائے، اور مؤلف کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین ثم آمین!

غلام محمد وستانوی

دفتر اہتمام جامعہ اکل کوا/۱۰/ جمادی الاولی ۳۴ھ بوقت ۱۱ ربجے دن

تقریظات وتأثرات

از

حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم

صدر شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند

(یہ کتاب ضرورت کی بروقت تکمیل ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ ربّ العٰلمین، والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ سیّد المرسلین وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین. امابعد!

قرآن کریم ہر دور میں تواتر کے ساتھ منقول ہوتا چلا آرہا ہے، جس کی وجہ سے کسی کے لیے قرآن میں کمی زیادتی اور تحریف وتبدل کرنا ممکن نہیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث زیادہ تر اخبار وآحاد کے قبیل سے ہیں، جس کی وجہ سے مختلف طرح کے لوگوں نے مختلف اغراض کے لیے حدثیں وضع کیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان باتوں کو منسوب کیا جو آپ نے نہیں فرمائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کے ضمن میں حدیث کی حفاظت کا بھی وعدہ فرمایا ہے، اس بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ایسے علماء، وحفاظ حدیث اور جرح وتعدیل کے ائمہ کو پیدا فرمایا، جنہوں نے تحقیق وتفتیش اور بحث وتمحیص کر کے تمام موضوع حدیثوں کو الگ کر دیا، اور پھر ان کو کتابوں میں مدون کر دیا، حدیث کو وضع کرنے والے لوگ مختلف اغراض کے لیے

وضع کیا کرتے تھے، جن میں ایک طبقہ واعظین ومقررین کا بھی تھا، وعظ ونصیحت دار آخرت کی تذکیر یقیناً لوگوں کی اصلاح کے واسطے ایک مطلوب اور پسندیدہ عمل ہے، لیکن اس کو انجام دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر علم بھی ہو، اسی کے ساتھ ساتھ تقویٰ، نیز صالحین، زاہدین اور اسلاف کے واقعات سے آگاہی بھی ہو، اور کیا چیز بیان کی جائے اور کیا چیز بیان نہ کی جائے اس کے بارے میں اس کو بصیرت بھی ہو تو یہ وعظ مفید ہوتا ہے، لیکن افسوس کہ ہر دور میں بیشتر واعظین ان صفات سے خالی رہے، اور اس دور میں تو واعظین کی کثرت، جلسے جلوس کی زیادتی، اور "قليل فقهاؤهم وكثير خطباؤهم" کا منظر ہے، اس طرح کے واعظین گھڑی ہوئی حدیثیں اور عجیب وغریب حکایات بیان کرنے لگے، جس کی وجہ سے بروقت ضرورت محسوس ہوئی کہ موضوع احادیث کو کتابوں سے نقل کرکے پوری تحقیق کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔

مولانا رضوان الدین صاحب معروفی استاذِ حدیث اشاعت العلوم اکل کوا مہاراشٹرا نے اسی احساس کے تحت سو۱۰۰ سے زائد احادیث کو "عمدة الأقاويل في تحقيق الأباطيل" کے نام سے ترتیب دی ہے، اور اس میں ہر حدیث کے سلسلہ میں تفصیل کے ساتھ علماء کی تحقیقات کو ان کی کتابوں کے حوالہ کے ساتھ نقل کیا ہے، اسی طرح جو مضمون فی نفسہ صحیح ہے اور اس کو حدیث کے عنوان سے بیان کرنا صحیح نہیں ہے، اس کو بھی وضاحت کے ساتھ نقل کردیا ہے، جس سے اس کی افادیت میں اضافہ ہوگیا ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ موضوع حدیثوں کے بیان کرنے اور سننے سے اجتناب وپرہیز کی توفیق عطاء فرمائے، اور مولانا موصوف کو اس کا اجر عطاء فرمائے۔

نعمت اللہ اعظمی

از

حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی (نورہ اللہ مرقدہٗ)

صدر شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور

(مؤلف محقق کی یہ کتاب اپنے مقصد میں مایۂ ناز کتاب ہے)

حامدًا و مصليًا و سلمًا!

زیر نظر کتاب "عمدة الأقاويل في تحقيق الأباطيل" (غیر معتبر احادیث کی تحقیق) کو میں نے حرف بحرف پڑھا، پورہ معروف ضلع مئو کے ایک علمی خانوادہ کے ممتاز فرد عزیزم مولوی محمد رضوان الدین ولد مولانا محمد نعمان ولد مولانا ہدایت اللہ المعروفی سلمہ اللہ کی مایہ ناز کتاب اس مقصد سے لکھی گئی ہے کہ امت باخبر ہو جائے کہ وہ روایات جو عام طور پر اصلاحی پند و نصائح پر مشتمل کتابوں میں موجود ہیں، یا غیر محتاط واعظین کے بیانات وخطابات میں پائی جاتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نہیں ہیں بلکہ بالارادہ یا بلا ارادہ دوسروں کی باتیں احادیث کے نام سے مشہور ہوگئی ہیں۔

مؤلف محقق نے اس کتاب میں پہلے قرآن وحدیث کی حفاظت کے سلسلے میں امتِ مرحومہ کی کوششوں کا ذکر کیا ہے، پھر جعلی اور بناوٹی احادیثوں کا کیسے چلن ہوا، اور اس کے کیا کیا اسباب تھے، اس پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے امت مرحومہ کے رجال کار نے وضع اور تخلیق کے گھناؤنے اعمال کو کس طرح فرامین رسالت سے الگ فرمایا ہے، اور اس سلسلے میں علم اسماء الرجال، علم جرح وتعدیل کی بنیاد کس طرح پڑی یہ سب تفصیلات اس کتاب میں ہیں، آخر میں مصطلح الحدیث کی جزئیات کو بھی تفصیل سے ذکر کر دیا، کہ حدیث کسے کہتے ہیں، حدیث، سنت، خبر اور اثر کے درمیان کیا فرق ہے؛ اور خبر متواتر کے بعد خبر واحد کی کتنی اقسام

آتی ہیں، پھر مقبول حدیثوں کی کتنی قسمیں ہیں؛ اور مردود حدیثوں کی کتنی قسمیں ہیں، یہ سب تفصیلات اس مقدمہ میں آپ کو ملیں گی، جس کی ضرورت علم حدیث کے طلبہ کو ہمیشہ پڑتی ہیں، پھر اصل کتاب میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی موضوعات کبیر کی طرح الف بائی ترتیب سے موضوع احادیث کو ذکر کر کے علامہ سیوطی کے طرز پر مختلف الفاظ میں منقول شدہ روایات کو جمع کر کے حکم لگایا ہے، اس کی تعداد اگرچہ بظاہر ایک سو ایک ہیں مگر وہ جلی احادیث ہیں، یا جلی عنوانات ہیں، ورنہ کتاب میں اس سے بہت زیادہ حدیثیں آپ کو ملیں گی مثلاً حدیث نمبر ۵۹ چاول سے متعلق اس ایک نمبر کے ماتحت آٹھ حدیثیں ہیں؛ اور جیسے حدیث نمبر ۶۳ گلاب کے پھول سے متعلق ہے اس ایک نمبر کے ماتحت چار حدیثیں ہیں۔ اسی طرح اور بھی نمبرات کا حال ہے، کتاب کے یہ سب مشمولات ومحتویات طبقۂ اہل علم اور طالبان علوم نبوت کے لیے انشاء اللہ بہت مفید ثابت ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کو مزید علمی خدمات کرنے کی توفیق بخشے، اور حاسدین کی نگاہِ حسد سے عزیز موصوف کو محفوظ رکھے۔ والسلام فقط۔ زین العابدین الاعظمی

صدر شعبہ تخصص فی الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور ساکن پورہ معروف ضلع مئو/ (سابق اعظم گڑھ)

۱۹/ جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۱/ مارچ ۲۰۱۳ء

☆ حضرت والا نے سخت علالت کی حالت میں کتاب کے پورے مسودے پر نظر اصلاح ڈالی، اور کلمات دعاء وحوصلہ افزائی پر مشتمل گراں قدر تقریظ سے اس کتاب کی استنادی حیثیت کو وزن بخشا، مگر افسوس کہ آج جب یہ کتاب پریس کے حوالہ کی جارہی ہے، حضرت والا ہمارے درمیان نہیں رہے بلکہ بتاریخ ۱۷/ جمادی الاخریٰ ۳۴ھ بروز یکشنبہ بوقت ظہر تقریباً دو بجے ہم تشنگانِ علم وفن کو پیاسا اور یتیم چھوڑ کر اپنے رب حقیقی سے جاملے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون - اللّٰہم اغفر لہ و ارحمہ و اسکنہ الجنۃ!

از

حضرت مولانا عبداللہ صاحب معروفی مدظلہ العالی

استاد شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند

(صحت واستناد کی ضمانت کے لیے مصنف کا نام ہی کافی ہے)

الحمد للہ رب العلمین، و الصلاۃ و السلام علی رسولہ محمد، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین. وبعد!

زیر نظر کتاب " عمدۃ الأقاویل فی تحقیق الأباطیل "(غیر معتبر احادیث کی تحقیق) کے مؤلف محترم حضرت مولانا رضوان الدین صاحب معروفی زید مجدہ، ایک مستند اور صاحب بصیرت عالم دین ہیں، مطالعہ کتب، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف ہی ان کی غذا اور شب وروز کا مشغلہ ہے، ملک کے مشہور ادارہ جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا مہاراشٹرا کے شیخ الحدیث ہیں، بندہ ان سے نہ صرف واقف ہے، بلکہ "معروفیت" میں اشتراک کے ساتھ " منتدی المتأدبین" کے ایک رکن کی حیثیت سے عمر کا ایک معتد بہ حصہ مولانا کی رفاقت میں گزرا، اس دوران بہت سے مسائل میں مولانا موصوف سے تبادلۂ خیالات ہوئے اور ہمیں اس اعتراف میں کوئی تأمل نہیں کہ مولانا اپنی اصابت فہم، وسعت مطالعہ اور ذوق تحقیق میں قابل رشک شخصیت کے مالک ہیں۔

کسی کتاب کی صحت واستناد کی ضمانت کے طور پر مولانا موصوف کا نام ہی بحیثیت مؤلف کافی ہے، کتاب کا موضوع جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، ان نصوص یا عبارتوں کی تحقیق ہے جو حدیث کے عنوان سے طبقۂ علماء یا عوام میں زبان زد ہیں، اور ثبوت واستناد سے عاری

ہیں، اس طرح کی احادیث کی تحقیق کا کام ہر دور کے علماء ومحدثین نے اپنے اپنے زمانے کے حالات اور تقاضوں کے مطابق انجام دیا ہے، جس کی تفصیل زیر نظر کتاب کے مقدمہ میں قارئین ملاحظہ فرمائیں گے۔

اس میں شبہ نہیں کہ دشمنان اسلام یا مسلم نما غیر مسلم جعل سازوں نے جہاں دین اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ خراب کرنے کی غرض سے حدیثیں گھڑ کر مسلمانوں میں پھیلانے کی کوشش کی ہیں، وہیں بھولے بھالے بعض صالحین یا واعظین بھی شعوری یا غیر شعوری طور سے بزعم خود اس کار ثواب میں شریک ہو گئے ہیں، چناں چہ بعضوں نے یا تو خود ترغیب وترہیب اور زہد ورقاق سے متعلق احادیث وضع کیں، یا دوسروں کی وضع کردہ احادیث کو کار ثواب سمجھتے ہوئے عام لوگوں میں پھیلانے کا کارنامہ انجام دیا۔

موجودہ زمانہ میں بھی بعض بھولے بھالے مسلمان شعوری یا غیر شعوری طور سے اس بلاء کے شکار ہو رہے ہیں، خاص طور سے دعوت وتبلیغ میں نکلنے والے وہ احباب جو صاحب علم نہیں ہوتے، اور بعض مصالح کی بناء پر انہیں ''دین کی بات'' کرنی پڑتی ہے، علم نہ ہونے کی وجہ سے بعض حکمت آمیز اقوال، یا تعجب خیز مضامین جو انہوں نے کبھی اپنے بڑوں سے سنے ہوتے ہیں بطور خوش گمانی انہیں حدیث شریف یا ''ایک حدیث جس کا مفہوم یہ ہے...'' کے عنوان سے بیان کر ڈالتے ہیں، جب کہ روایات میں دور دور تک ان کا نام ونشان نہیں ہوتا، اسی طرح بعض پیشہ ور قسم کے مقررین حضرات بھی بے سروپا باتیں اسٹیج پر بیان کر ڈالتے ہیں جو عوام کے لیے موجب فتنہ ہوتی ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ ان بے سروپا باتوں میں سے بہت کچھ اس ذخیرہ سے ماخوذ ہوتی ہیں جو پہلے سے نقل ہوتا ہوا چلا آیا ہے، اور ماضی میں تصنیف شدہ ''کتب موضوعات'' یا''

زباں زد احادیث کے مجموعوں“ میں اس کی تحقیق کر کے اس کا کھوٹا کھرا ہونا واضح کر دیا گیا ہے، اور بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں کہ کتب سابقین میں بھی ان کا کہیں ذکر نہیں ہوتا وہ نئے سرے سے بحث وتحقیق کی محتاج ہیں، اور پیش رو محدثین وناقدین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان پر حکم لگانے کی ضرورت ہے، جو یقیناً ایک وقت طلب اور دیر طلب کام ہے۔

مؤلف محترم زید مجدہ نے پیش نظر کتاب کا جب تذکرہ کیا تو بندہ کو گمان ہوا کہ شاید موجودہ وقت کے تقاضے کے مطابق مذکورہ بالا دونوں قسموں پر مشتمل یہ کتاب ہو، مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ صرف پہلی قسم کی احادیث کا ایک مختصر مگر مفید انتخاب ہے، اور دوسری قسم کی احادیث شاید کسی اور موقع یا کسی اور مؤلف کے لیے رکھ چھوڑی گئی ہیں۔

اس مجموعہ میں جن موضوعات یا غیر معتبر احادیث کا مؤلف محترم نے انتخاب فرمایا ہے وہ اگر چہ ان عربی تصنیفات میں آچکی ہیں، جو ماضی میں اس طرح کی زباں زد باتوں کی تحقیق کے لیے تصنیف کی گئی تھیں، تاہم برصغیر کے اردو خواں طبقہ میں آج بھی عموماً بعض غیر محتاط علماء اور واعظین کے بیانوں، یا مضامین ورسائل میں ان کا ذکر ہو جایا کرتا ہے، جن کے متعلق لوگ اہل علم کی جانب رجوع ہوتے ہیں، اور وقتاً فوقتاً دریافت کرتے رہتے ہیں، اس ضرورت کے پیش نظر مؤلف زید مجدہ نے اردو زبان میں یہ دل آویز مرقع ترتیب دیا ہے جو یقیناً لائق تحسین اور قابل استفادہ ہے۔

بہ خلوص دل یہ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف محترم کی اس سعیِ جمیل کو اپنی بارگاہ میں حسن قبول اور علمی وعوامی طبقہ میں عام مقبولیت نصیب فرمائے اور اپنی رضا کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

مفتی عبداللہ صاحب معروفی

خادم طلبہ شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند

از

حضرت الاستاذ مولانا قاری ظفر الاسلام صاحب صدیقی مدظلہ العالی

شیخ الحدیث دار العلوم مئو

(یہ کتاب مؤلف کی وسعتِ علم وقلم کی پختگی کا مظہر ہے)

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبي بعده. و بعد!

مولانا رضوان الدین صاحب معروفی زید فضلہ (شیخ الحدیث مدرسہ اشاعت العلوم اکل کوا) جن کے تبحر علمی پر عباقر علماء کی تقاریظ موصوف کی تالیف "اللؤلؤ و المرجان فی لطائف القرآن" و"الاکسیر فی قواعد التفسیر" پر موجود ہیں، ان کتب کے مطالعہ سے مولانا کی وسعت علمی وقلم کی پختگی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، آں محترم نے "عمدة الاقاويل في تحقيق الاباطيل" (جس کا موضوع کتاب کے نام سے واضح ہے) ۲۱۰ صفحات پر محیط ۱۰۱ ران مرویات کا جو یا تو موضوع ہیں یا ان الفاظ سے ثابت نہیں ہیں مستند مراجع وماً خذ سے جائزہ لے کر ایک عظیم علمی خدمت انجام دی، بلاشبہ آپ کی یہ خدمت لائق تحسین ہے، امید ہے کہ دیگر تالیفات کی طرح یہ کاوش بھی بنظر استحسان دیکھی جائے گی، دعا ہے کہ اللہ العالمین اپنی شان کے اعتبار سے مؤلف کو اجر نصیب فرمائے اور اسے ذخیرۂ آخرت بنائے "اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه، اللهم وفقنا لما تحب وترضى". آمین آمین یارب العالمین!

ظفر الاسلام صدیقی

دار العلوم مئو یوپی

از

حضرت الاستاذ مولانا مفتی انور علی صاحب اعظمی مدظلہ العالی

مفتی واستاد حدیث دارالعلوم مئو

(یہ کتاب اہل علم کی آنکھوں کا سرمہ بنے گی)

حمدًا و سلامًا. امابعد!

حدیث کا فن بے انتہا وسیع ہے، حدیث کے اصول وفنون پر دسترس حاصل کرنا محنت شاقہ، طویل تدریسی تجربہ، اور وسیع مطالعہ کا متقاضی ہے، حدیث بیان کرنا بہت نازک کام ہے، اور بے حد احتیاط کو چاہتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بلا تحقیق کسی بات کی نسبت کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص جان بوجھ کر میر طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔ (مقدمہ مسلم: ص۷)

بہت سے مقررین اور مؤرخین نادانستہ طور پر ایسی غلطیاں کرتے ہیں، اور بے بنیاد باتیں حدیث کے نام پر لوگوں میں رواج پا جاتی ہیں، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مشہور حدیث کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کی زبان پر مشہور ہو اور اس کی کوئی بنیاد ہی نہ ہو۔ (نخبۃ الفکر: ص۱۳)

ایسی بہت سی باتیں عوام الناس میں بلکہ خواص میں بھی حدیث کے نام سے جاری و ساری ہیں لیکن تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث رسول نہیں ہیں۔

عزیز فاضل مولانا رضوان الدین معروفی شیخ الحدیث اشاعت العلوم اکل کوا نے ایسی ہی احادیث پر ایک وقیع اور تحقیقی کام کیا ہے، موصوف کی یہ کتاب جو "عمدة الأقاويل في تحقيق الأباطيل" کے نام سے شائع ہو رہی ہے انشاء اللہ العزیز اہل علم کی آنکھوں کا سرمہ بنے گی، اور حدیث سے تعلق رکھنے والے حضرات اسے انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے، اصل کتاب اور اس کا مقدمہ دونوں بہت شاندار ہیں اور مفید معلومات سے بھرپور ہیں، اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ عزیز محترم کو حدیث شریف کی بڑی بڑی خدمت کے لیے شرف قبول عطا فرمائیں اور ان کی تصانیف کو قبول عام بخشیں۔

فقط والسلام

مفتی انور علی الاعظمی

خادم الحدیث الشریف و مفتی دار العلوم مئو (یوپی)

از

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی

مفتی و شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات

(ایک کامیاب تالیف کی ساری خوبیاں اس کتاب میں موجود ہیں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا

احادیث مبارکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مقدس روزنامچہ ہے، اس کی اولین حفاظت کے لیے ایک ایسی جماعت کا انتخاب ہوا جو قوت حفظ، حب رسولؐ، ہمت و حوصلہ میں سب سے ممتاز تھی، وہ صحابہ کرامؓ کا گروہ عادل ہے، جو قمر نبوتؐ کے ارد گرد ہالہ لگائے رہا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک قول و فعل، عمل و کردار، نقل و حرکت، اخلاق و عادات، حتی کہ حلیہ شریفہ کو محفوظ رکھا، اور بے کم و کاست بعد میں آنے والوں کو اس قدر دیانت و امانت سے حوالہ کیا کہ "عدالت" ان کی شناخت اور پہچان بن گئی۔

ان کے بعد حافظہ و ذکاوت میں بے نظیر صدہا ایسے باہمت تازہ دم افراد پیدا ہو گئے جنہوں نے دنیا کا چپہ چپہ چھان مارا اور احادیث کو اپنے سینوں میں محفوظ کرلیا۔

اس جماعت نے حفاظت حدیث اور اشاعت حدیث کے لیے سفر کی وہ طرح ڈالی کہ جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، ایک حدیث کے لیے میلوں کا سفر ان کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا، اس جفاکش گروہ نے صرف احادیث کی روایت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ درمیانی کڑیوں اور واسطوں کی بھی تحقیق کی، اور ان کی زندگی کو محفوظ کرلیا، ان

کے حالات زندگی میں عادات واخلاق، قوت وضعف، احتیاط وبے احتیاطی، دیانت وتقویٰ، علم وحافظہ کے متعلق مقدور بھر صحیح معلومات جمع کرلیں۔

محدثین کی اس معلومات نے قیامت تک کے لیے احادیث مقبولہ اور مردودہ کو علیحدہ کرنا آسان کردیا، چناں چہ امام دار قطنیؒ اس علم رجال اور موہوبہ ملکہ اور فراست ایمانی کے بل بوتے پر کس قدر وثوق سے فرماتے ہیں۔ " یا اهل بغداد لا تظنوا ان احدا یقدر ان یکذب علی رسول الله صلی الله علیه وسلم وانا حی"۔

(حاشیه شرح نخبه: ص ٥٦)

وضاع بھی ایک سے بڑھ کر ایک پیدا ہوئے، ملا علی قاریؒ " شرح نخبة الفکر: ص ۴۴۹" پر جعفر بن محمد الطیالسی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے رصافہ کی مسجد میں نماز پڑھی، اور نماز کے بعد ایک قصہ گو کھڑا ہوا، اور کئی اوراق پر مشتمل حدیث اس سند سے سنائی: "حدثنا احمد بن حنبل ویحییٰ بن معین قال حدثنا عبد الرزاق قال حدثنامعمر عن قتادة عن انس قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من قال لا اله الا الله یخلق الله من کل کلمة منها طائراً منقاره من ذهب وریشه من مرجان..... الخ" ادھر احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معین سراپہ تعجب بنے ہوئے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ: آپ نے اس شخص سے یہ بات بیان کی؟ دونوں نفی میں جواب دیتے ہیں، جب وہ شخص قصہ سنا کر تحفہ لے چکا تو یحییٰ بن معین نے اس کو بلایا، اور اپنا اور امام احمد کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ میں یحییٰ بن معین ہوں، اور یہ احمد بن حنبل ہیں، ہم نے تو اس قسم کی حدیث نہ سنی نہ بیان کی، تو اس نے کہا میں سنا کرتا تھا کہ یحییٰ بن معین احمق ہیں، واقعی وہ احمق ہیں، کیا تم دونوں کے علاوہ دنیا میں یحییٰ بن

معین اور احمد بن حنبلؒ کوئی اور نہیں ہیں؟ میں نے سترہ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین سے حدیثیں نقل کی ہیں، وہ شخص ان دونوں کا ٹھٹھا کرتا ہوا نکل گیا، علم رجال شناسی ہی کی وجہ سے حدیث کی درجہ بندی ہوئی، اور موضوع روایتوں کا پتہ لگایا جا سکا، اور اس قسم کے وضاعین حدیث کھل کر سامنے آگئے، الغرض محدثین کرام کا بڑا احسان ہے کہ انہوں نے بادیہ پیمائی کرتے ہوئے لوگوں کے احوال کی جستجو کر کے ان کو قلم بند فرما دیا۔

واضعین اور احادیث موضوعہ اور اس کے متعلق ضروری معلومات عربی زبان میں پوری شرح وبسط کے ساتھ موجود ہیں، البتہ اردو زبان میں اس کتاب "عمدة الأقاويل في تحقيق الأباطيل" جیسی کوئی مفصل کتاب اب تک سامنے نہیں آئی۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائے مولانا محمد رضوان الدین صاحب معروفی مدظلہ (شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا) کو، کہ انہوں نے بعض غیر معتبر احادیث کی تحقیق علماء وخطباء، مبلغین وواعظین کے سامنے پیش فرمائی، اور اس پر ایک معلومات سے پر مبسوط ومرتب مقدمہ تحریر فرمایا، جس میں قارئین کے سامنے احادیث موضوعہ کے موضوع پر اور ضروری چیزیں یکجا پیش کر دیں۔

ایک کامیاب تالیف کے لیے جو چیزیں درکار ہوتی ہیں مواد، حسن ترتیب، حوالجات وغیرہ بحمد اللہ وہ اس میں موجود ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کی اس خدمت کو حسن قبول عطا فرما کر دیگر کتابوں کی طرح اس کتاب کو بھی علماء وطلباء اور دیگر قارئین کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید بنائے۔ آمین!

العبد احمد عفی عنہ خانپوری

۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

از

حضرت مولانا اعجاز صاحب اعظمی مدظلہ العالی

صدر المدرسین شیخ الاسلام اعظم گڑھ مئو و مدیر مجلّہ ''المآثر'' مئو

(اردو زبان میں اتنا مفصل اور جامع مقالہ شاید کہیں موجود ہو)

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين و على اله وصحبه اجمعين. اما بعد

دین اسلام کا آغاز اور اس کا ظہور عربی زبان میں ہوا، قرآن کریم عربی مبین میں نازل ہوا، اور ایسے اسلوب میں اور ایسی معنویت، اور داخلی و خارجی کمالات کے ساتھ نازل ہوا؛ نیز فصاحت و بلاغت کا وہ بلند مقام اسے حاصل ہوا کہ دنیا آج تک انگشت بدنداں اور سرگریباں ہے، اور کیوں نہ ہو، اللہ کا کلام ہے، اللہ کی صفت ہے، تو جس طرح اللہ وحدہ لاشریک لہٗ ہے، ایسے ہی اس کا کلام بھی یکتا اور بے نظیر ہے۔

اسلامی علوم و معارف کا تمام تر ذخیرہ عربی زبان میں ہے، فرامین و ارشاداتِ رسول عربی زبان میں ہیں، آثارِ صحابہ و تابعین عربی زبان میں ہیں، تفسیری کنوز و ذخائر عربی زبان میں ہے، حدیث رسول کے متعلقہ تمام علوم و فنون عربی زبان میں ہیں، علوم فقہ کے تمام شعبے عربی زبان میں ہیں، عربی زبان اسلام کی بنیادی زبان ہے، اس لیے فطری بات ہے کہ اسلام کے علوم و فنون کا تمام تر ذخیرہ عربی زبان میں ہوں۔

پھر جوں جوں اسلام کا حلقہ وسیع ہوتا گیا، دوسری زبانیں بھی اسلامی سرمایہ سے مالا مال ہوتی رہیں، بالخصوص فارسی زبان میں اس کا بڑا سرمایہ منتقل ہوا، مگر اردو زبان کی خوش بختی دیکھئے کہ اس کا وجود بہت بعد میں ہوا، ابھی چند ہی صدیاں گزری ہیں کہ یہ زبان

عہد طفولیت سے نکل کر نشو ونما پاتے ہوئے عہد شباب تک پہونچی ہے، مگر دیکھا جائے تو عربی زبان کے بعد، اسلامی علوم ومعارف کی سب سے زیادہ سرمایہ دار یہی اردو زبان معلوم ہوتی ہے، ہر علم وفن کا ذخیرہ اردو زبان میں موجود ہے، تفسیر قرآن سے متعلق احادیث رسول سے متعلق، فقہ اسلامی سے متعلق جو دین کے بنیادی علوم ہیں، اردو زبان میں ہر ایک کا معتد بہ ذخیرہ جگمگا رہا ہے، کسی کا بہت زیادہ کسی کا قدرے کم۔

تفسیر قرآن پر نظر کیجئے تو حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی کی تفسیر موضح القرآن سے شروع ہو کر موجودہ دور کے متعدد علامہ ومشائخ کی تفسیری کاوشوں، بالخصوص حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، اور حضرت مولانا ادریس کاندھلوی کی معارف القرآن اور مولانا عاشق الٰہی بلند شہری کی تفسیر انوار البیان تک ایک زبردست تفسیری سرمایہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے، لیکن بعض تفسیری نکات ودقائق جن کا تعلق زبان وبیان کی گہرائیوں سے ہے، حضرت علماء نے انہیں عربی زبان کے سفینوں میں ہی باقی رکھا اردو ایک اجنبی زبان ہے، ان نکات ودقائق کو اس زبان میں منتقل کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی کیوں کہ اس کے مخاطب علماء ہیں، اور وہ عربی زبان میں دسترس رکھتے ہیں۔

اسی طرح حدیث کے متعلق بہت سے فنون اردو میں آچکے ہیں، مگر کچھ فنی چیزیں جن کا تعلق خاص اہل علم سے ہے، انھیں بھی عموماً اردو زبان میں منتقل نہیں کیا گیا، مثلاً اسماء رجال کا وسیع وعریض علم، عربی زبان کی ابھی تک امانت ہے، احادیث رسول کے بحر ناپید اکنار میں ایک بڑا علم احادیث کی مختلف حیثیات کی معرفت ہے، جب کسی حدیث کا ذکر ہوتا ہے تو ذہن میں یہی بات راسخ ہوتی ہے کہ وہ ارشاد رسول ہے، مگر جاننے والے جانتے کہ کتنی ہی باتیں، لوگوں کی زبانوں پر، کتابوں کے دفاتر میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو کر چل پڑی ہیں، حالانکہ تحقیق کے بعد پتہ چلتا ہے کہ وہ ارشاد رسول نہیں ہے، ایسی

باتوں کا جاننا اہل علم کے لیے؛ بالخصوص عام اہل اسلام کے لیے بالعموم ضروری ہے، کیوں کہ جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو، اس کو آپ کی طرف منسوب کرنا سخت گناہ کبیرہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فرمان دین ہے، اور جو کچھ آپ نے نہیں فرمایا ہے اس کو آپ کی طرف منسوب کرنا گویا دین میں اضافہ کرنا ہے، اور یہ درحقیقت افتراء علی اللہ وعلی الرسول ہے، اردو زبان میں اس کی طرف پیش رفت کم ہوئی ہے، کیوں کہ اہل علم عربی زبان میں مہارت کی وجہ سے اصل بنیادی مراجع سے اس کو دریافت کر سکتے ہیں، لیکن اب جب کہ حدیث کا ایک بڑا ذخیرہ اردو میں آچکا ہے، ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اردو خواں طبقہ کو بھی اس کی واقفیت بہم پہونچائی جائے، تاکہ تمام اہل اسلام ایک بڑی غلطی سے محفوظ رہ سکیں۔

مولانا رضوان الدین معروفی سلمہ اللہ تعالیٰ شیخ الحدیث جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا کو تفسیر وحدیث کے ان خاص موضوعات کی طرف پیش رفت کی خصوصی توفیق اللہ کی جانب سے مرحمت ہوئی، انہوں نے تفسیری نکات ومعارف اور اس کے حقائق ودقائق جن سے اردو زبان کا دامن خالی تھا بڑی خوبصورتی کے ساتھ اور عام فہم انداز میں "اللؤلؤ و المرجان فی لطائف القرآن" نامی کتاب میں اردو زبان میں انہیں تحریر فرمایا ہے، ایسے ایسے علوم ومعارف جن سے علم ومعرفت کی دنیا روشن ہوتی ہے، دل شاد ہوتا ہے، آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔

اس خدمت کے بعد وہ احادیث رسول کے اس خاص عنوان کی طرف متوجہ ہوئے جس کا اوپر ذکر کیا گیا، اور انہوں نے ان احادیث کی تحقیق کا بیڑا اٹھایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو کر رائج ہو گئی ہیں، حالاں کہ وہ کلام نبوت نہیں ہیں، انہوں نے اپنی اس تحقیق کے آغاز میں ایک مفصل اور مبسوط مقدمہ لکھا ہے جو بہت ہی معلومات افزا ہے، اس میں انہوں نے حفاظت حدیث پر مفصل گفتگو کی ہے، پھر حدیثیں گھڑنے کے آغاز، اس کے اسباب ومحرکات پر تفصیلی کلام کیا ہے، پھر موضوع حدیثوں کی شناخت اور ان کی علامات پر بڑی جامع

بحث کی ہے، اردو زبان میں اس موضوع پر اتنا مفصل اور جامع مقالہ شاید کہیں موجود ہو۔

اس مفصل مقدمہ کے بعد ایک سو سے زائد ایسی روایتوں کی تحقیق کی ہے، جو حدیثوں کے نام سے رائج ہیں، مگر وہ حقیقت میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں، ہر ایک کی مکمل تحقیق کی ہے، اگلے پچھلے علماء ومحدثین اور نقاد واہل تحقیق کے حوالے سے کلام کو مدلل کیا ہے۔

یہ ایک بڑی محققانہ علمی ودینی خدمت ہے، مولانا موصوف قابل مبارک باد ہیں، اور حق تعالیٰ کا ان پر بڑا احسان ہے کہ انہوں نے حدیث پاک کی تدریس کے ساتھ اس اہم موضوع کو تحقیق وتنقید کا ہدف بنایا اور ماشاء اللہ ان سے یہ عظیم اور مفید خدمت کمال حسن وخوبی کے ساتھ لی گئی، اور کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دانستہ یا نادانستہ ایسی باتیں منسوب کی ہیں، جن سے آپؐ بری ہیں، تو حق تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو کھڑا کردیا اور انہیں توفیق دی کہ اس غلط نسبت کی غلطی ظاہر کر کے آپ کی برأت کو واضح کریں۔

خلیفہ ہارون رشید کے دربار میں ایک زندیق کو قتل کے لیے لایا گیا وہ کہنے لگا تم مجھے تو قتل کردو گے، لیکن ان ایک ہزار حدیثوں کا کیا کرو گے جو میں نے وضع کر کے امت مین رائج کردی ہیں، ہارون رشید نے جواب دیا اے دشمن خدا! تو ابواسحٰق فزاری اور عبداللہ بن مبارکؒ سے بچ کر کہاں جاسکتا ہے، جو انہیں تحقیق کی چھلنی میں چھان کر ایک ایک حرف الگ کردیں گے۔

غلط روایات کی غلطی واضح کردینا ایک بڑی علمی دینی خدمت ہے، جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے مولانا رضوان الدین صاحب سلمہ کو عطاء فرمائی۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائیں اور انہیں علم وعمل اور روحانیت کے بلند درجات پر فائز کریں؛ اور امت کو ان کی خدمات سے بیش از بیش فائدہ پہنچائیں۔ آمین!

مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

از

حضرت مولانا مفتی کوثر علی سبحانی صاحب مدظلہ العالی

استاذ حدیث مظاہر علوم قدیم سہارنپور

(اہلِ علم کے دل کو چھو لینے والا اور علمی تسکین پہنچانے والا قیمتی خزانہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکا فیه والصلاۃ و السلام علی سیدنا و مولانا محمد سید الأولین والآخرین وعلی اله الاطهار و اصحابه الاخیار و اتباعهم الابدار إلی یوم الدین. امابعد!

اللہ تعالیٰ خالق الکائنات ہیں انسان تمام مخلوقات میں مکلّف مخلوق ہے کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی مرضیات پر چلے اس کے لیے ہر دور ہر زمانہ میں مختلف انبیاء مبعوث کئے گئے اور ان کو کتاب شریعت دی گئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی اور آپ کی کتاب قرآن تمام کتب سماویہ کے لیے ناسخ ہے، آپ کا دین اسلام آخری ابدی اور سرمدی دین قرار پایا، اس دین کا اصل مأخذ قرآن ہے مگر اس میں اجمال ہے اس کی تفسیر و تشریح حدیث ہے، زیادہ تر شریعت اسلامیہ کے احکام احادیث ہی سے ثابت ہیں، اسلئے حدیث دین اسلام کا بنیادی مصدر، حجت شرعیہ اور معیار حق ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس فن کے ساتھ افراط وتفریط کا معاملہ برتا گیا، تفریط یہ ہے کہ اس کی حجیت کا انکار کیا گیا، مگر حضور کے بعد بارہ سو سال تک مطلقا انکار حدیث کا نظریہ کبھی بھی امت میں نہیں رہا، یہ صرف تیرویں صدی کی پیداوار ہے، جس کا بیج ہندوستان میں سرسید احمد نے مصر میں طہٰ حسین ترکی میں ضیاء گوک الپ نے ڈالی

غلام احمد قادیانی اور مولوی چراغ علی اسی بیج کی پیداوار ہیں، اور بعد میں عبداللہ چکرالوی نے اس میں پانی ڈالا، بعدہٗ اسلم جے راج پوری نے کھاد ڈال کر اس درخت کو سبزہ زار اور پائیدار بنا دیا، اور اخیر میں غلام احمد پرویز نے اس نظریہ کی باغبانی کی، اور اس فتنہ کی باگ ڈور سنبھال کر مکمل طور پر کام کو آگے بڑھایا۔

لیکن ہمارے علماء نے ان کے نظریہ کی تردید کی اور ان کے اشکالات وتلبیسات کے جوابات میں مستقل کتابیں لکھیں، جیسے شیخ مصطفیٰ السباعی کی "السنة و مكانتها في التشريع الإسلامي" (عربی) اور محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نے "نصرة الحديث" کے نام سے اس موضوع پر عمدہ اور مستند کتاب تصنیف کی، الحمدللہ ان مخلصین حضرات کے کام کی برکت سے یہ فتنہ بہت جلد دب گیا، چند عصری تعلیم یافتہ لوگوں کے علاوہ اس نظریہ کو کوئی جانتا بھی نہیں بلکہ یہ فتنہ پاکستان کے بعض علاقوں میں رہ گیا۔

افراط یہ ہے کہ اصل حدیث میں غیر حدیث کا اختلاط کر دیا گیا، اصل وجہ یہ ہے کہ ہر زمانہ کا دستور ہے کہ جب کسی چیز کا چلن ہوتا ہے اور اس مال کا بازار گرم ہو جاتا ہے، تو بہت سارے دھوکہ باز کاروباری مارکیٹ میں آ جاتے ہیں، اور نقلی مال کے اوپر اصلی مال کا لیبل لگا کر نقل کو اصل کیساتھ ملا کر سپلائی شروع کر دیتے ہیں، اور اپنے غلط ایجنٹوں کے ذریعہ اتنا اڈور ٹائز کرتے ہیں کہ اصل ونقل میں امتیاز ختم ہو جاتا ہے، اور اس سے صرف دنیوی معاملات متأثر نہیں ہوتے ہیں بلکہ دینی روایات وحکایات بھی اس سے دوچار ہوتے ہیں، مگر یہ شنیع کام پہلی صدی کے تقریباً نصف تک نہیں پایا گیا، کیوں کہ یہ دور صحابہؓ یا کبار تابعین کا ہے، (الصحابة كلهم عدول) اور حضرات صحابہ بڑی دیانت داری وامانت داری اور تیقظ وتیقن کے ساتھ روایت کرتے اور لیتے تھے بعض صحابہ خصوصاً حضرت عمرؓ تو روایت حدیث پر استحلاف کرتے

تھے،ابن ماجہ صفحہ۴ باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عمرو بن میمون کی روایت ہے کہتے ہیں " ما اخطاني ابن مسعود عشية خميس الا اتيته فيه قال فما سمعته يقول بشيء قط قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما كان ذات عشية قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فنكس قال فنظرت اليه فهو قائم محللة ازار قميصة قد اغرورقت عيناه وانتفخت اوداجه قال او دون ذالك او فوق ذالك او قريبا من ذالك او شبيها بذالك".

ترجمہ: کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے یہاں ہر جمعرات کی شام کو حاضر ہوتا ،اس میں کبھی ناغہ نہ ہوا میں نے کبھی اس کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دفع کا واقعہ ہے کہ آپ کہنے لگے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ ابن مسعود سر جھکائے کہتے ہیں کہ پھر میں نے ان کو دیکھا کہ کھڑے تھے کرتے کی گھنڈیاں کھلی ہوئی تھیں، ان کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی اور گردن کی رگیں پھولی ہوئی تھیں اور کہہ رہے تھے آیا اس سے کم یا اس سے زائد یا اس کے قریب یا اس کے مشابہ۔

اور کبار تابعین کا حال صحابہ سے کچھ کم تر ہے مگر صحابہ کے تربیت یافتہ دین وایمان کی صیانت کا داعیہ ان کے اندر اسی انداز سے کارفرما تھا، جو صحابہ میں تھا، اس لیے یہ طبقہ بھی وضع اور کذب حدیث سے محفوظ رہا۔

تیسرا طبقہ اوساط تابعین اور تبع تابعین کا ہے اس میں تھوڑا کذب کا ظہور ہوا اور مختلف اغراض کی بناء پر حدیث وضع کی گئی، جس کی وضاحت مؤلف گرامی قدر حضرت معروفی نے اس کتاب کے مقدمہ میں تفصیل سے کردی ہے، البتہ صحابہ اور تابعین کے دور میں جو حدیث کی وضع کا قصہ پیش آیا ہے وہ مسلمانوں کی طرف سے نہیں بلکہ دشمنان اسلام کی ہرزہ سرائی ہے۔

چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت تک یہ پاکیزہ دور وضع اور کذب سے سلامت رہا، جب حضرت علی کا دور خلافت آیا تو صحابہ کے درمیان مشاجرات واختلاف پائے گئے تاریخ سے واقفین حضرات جانتے ہیں کہ اس کا اصل محرک اور فتنہ کا بانی عبداللہ بن سباء یہودی تھا، چنانچہ اس نے تمام فتنہ انگیزیوں میں ایک فتنہ یہ بھی کھڑا کیا کہ حدیث گھڑنے کا کام شروع کردیا چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں "اول من کذب عبداللہ بن سبا" پراس نے وضع حدیث کے لیے مختلف جماعت تشکیل دی، اور مختلف ممالک میں جاکر حدیثیں گھڑنے کا کام بڑی جرأت مندی سے انجام دیا خاص کر فرقۂ روافض اس معاملہ میں پیش پیش تھے، خلیل کا بیان ہے کہ روافض نے حضرت علی اور ان کے اہل خانہ کے مناقب میں تقریباً تین لاکھ احادیث گھڑی تھیں۔

پھر اس کے بعد خوارج وشیعہ ودیگر فرقہ ضالہ نے بھی حدیث گھڑنے کا بازار گرم کردیا، اور لاکھوں کی تعداد میں حدیثیں گھڑی گئیں، اور مسلمانوں میں کچھ بددین اور بے عقل دینداروں نے غلط اغراض کے لیے حدیثوں کو گڑھا۔

ایسے نازک اور پرفتن دور میں اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسے رجال کار پیدا کیے جنہوں نے لاکھوں کی تعداد میں غیر صحیح احادیث یاد رکھیں، نقادفن پیدا ہوئے جنہوں نے صحیح احادیث لاکھوں کی تعداد میں یاد کیے، جیسے ابوزرعہ رازی امام بخاری سات لاکھ احادیث مع سند ومتن کے یاد کرلیے تھے، حضرت امام احمد بن حنبل وامام مسلم تقریباً تین لاکھ احادیث مع سند ومتن کے ازبر یاد کرلیے تھے، اور فتنۂ سبائیہ کے بعد محدثین نے سند کی کڑی شرطیں لگادیں چنانچہ امام مسلم مقدمۂ مسلم میں فرماتے ہیں "عن ابن سیرین قال لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة، قالوا سموا لنا رجالکم" اسی طرح ابن مبارک کا قول

نقل فرماتے ہیں کہ "الاسناد من الدین ولو لاالاسناد لقال من شاء ماشاء"

اور علماء محدثین نے علوم الحدیث میں ایک علم وفن فن اسماء الرجال کی بنیاد ڈالی، اس فن کا مقصد راویان حدیث کے تدین وتقوی اور تعدیل وتسقیم کے اعتبار سے ان کی زندگی کے حالات کی تحقیق کی جائے، تاکہ اس کی روشنی میں حدیث کی صحت وسقم اور حدیث کے مقبول ومردود ہونے کا درجہ متعین کیا جائے، اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور قدرت الٰہی کا ایک بڑا معجزہ ہے کہ ہمارے علماء ومحققین ومحدثین اور ناقدین فن نے ان گھڑی ہوئی حدیثوں کو یکسر نظرانداز نہیں کیا، بلکہ ان احادیث موضوعہ بھی تلاش کرکے ضخیم کتابوں کی شکل میں جمع کردیا، تاکہ عام اہل علم جسکو تیقظ وبیداری کا وافر مقدار میں حصہ نہیں ملا، ان سے باخبر ہوکر دھوکہ میں آنے سے بچیں، چناں چہ علامہ ابن الجوزیؒ کی " الموضوعات الکبری " اس سلسلہ میں سب سے بڑی کتاب ہے، علامہ سیوطیؒ کی " اللآلي المصنوعة في الاحادیث الموضوعة " ملاعلی قاریؒ کی اس سلسلہ میں دو کتابیں " الموضوعات الکبری " اور "المصنوع في معرفة الموضوع " ہے، شیخ محمد بن طاہر پٹنی گجراتی کی "تذکرة الموضوعات" علامہ ابن عراق کی" تنزیه الشریعة عن الاخبار الشنیعة" علامہ شوکانیؒ کی "الفوائد المجموعة" اور علامہ قزوینی کی "موضوعات المصابیح" ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہمارے کرم فرما روح رواں مخدوم المکرّم شیخ الجلیل محدث ذی شان حضرت مولانا محمد رضوان الدین المعروفی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا مہارشٹر کی زیر نظر کتاب "عمدة الاقاویل في تحقیق الا باطیل" جس کا اردو نام "غیر معتبر احادیث کی تحقیق" ہے، کتاب سے قبل حضرت مولانا مؤلف محقق نے ڈیڑھ سو صفحات میں ایک مبسوط مقدمہ تحریر فرمایا ہے یوں تو علم حدیث مختلف الجہات علم ہے بلکہ

یہ صرف ایک علم نہیں بلکہ علوم الحدیث ہے، علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں انواع علوم الحدیث کی تعداد اکیانوے (۹۱) تک پہونچائی ہے، ظاہر ہے کہ اس بحر بیکراں کو اس چھوٹے سے رسالہ میں کیسے لایا جا سکتا تھا، مگر اہل علم حضرات بنظر تفکر وتدبر اور چشم عدل سے اس مقدمہ پر نظر ڈالیں گے تو اس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ سمندر کو کوزہ میں بھرا گیا ہے، فاضل گرامی القدر حضرت معروفی نے اس فن کی تقریباً ہر بحث کو چھیڑا ہے، تفصیل نہیں تو اجمال کو بڑے مدلل ومستند اور محقق انداز میں بیان فرمایا ہے اور اصل کتاب میں ایک سو ایک (۱۰۱) احادیث موضوعہ کو جمع کر کے ان تمام روایات کا حکم تحریر فرمایا ہے، اور اس حکم کو علماء محققین کی تحقیقات سے پیش فرما کر فاضلانہ ومحققانہ دوٹوک فیصلہ فرمایا ہے، ان احادیث کے مقابلہ میں اگر کوئی ان جیسی روایات صحیحہ ثابت شدہ ہیں تو انکی نشاندہی فرما کر ثابت وغیر ثابت میں خط امتیاز فرمایا ہے، اگر وہ حدیث موضوع کسی بزرگ کا مقولہ ہے تو اقاویل بزرگان کی نشاندہی فرما کر اس جعلی عنصر کو سنت نبوی سے اس طرح ممتاز کر دیا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگیا، الغرض یہ کتاب علوم الحدیث کے اتھاہ ٹھاٹیں مارتا سمندر کے تہہ سے نکالا ہوا انمول موتی وبیش بہا خزانہ ہے طویل ابحاث سے نچوڑا ہوا خالص مغز ہی مغز ہے، مضمون کی شوکت، مرتب عناوین کی صولت، الفاظ کی بندش، جملوں کی ترتیب، محدثانہ تعبیرات کی برجستگی حشو وزوائد سے دور ہمہ جہتی جامعیت ہر موضوع کے مناسب موزوں ومستند حوالہ جات ہر اہل علم کے دل کو چھو لینے والا اور قارئین کو تسکین پہونچانے والا بیش بہا قیمتی خزانہ ہے، جی چاہتا ہے کہ کتاب کے ہر گوشہ پر تبصرہ کروں مگر بات سے بتنگر ہوتے ہوتے بہت دور نکل گیا مڑ کر دیکھا تو مقالہ لمبا ہوگیا اصل بات لکھنے کی رہ گئی۔

حضرت مولانا معروفی صاحب نے اپنے مسودہ کا یہ نسخہ مظاہر علوم سہارنپور ارسال

فرمایا تھا، ایک حضرت مولانا زین العابدین صاحب کی خدمت میں، دوسرا میرے واسطے سے میرے مربی و مرشد شیخ الدنیا حضرت مولانا یونس صاحب جونپور دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کرنے سے قبل اس ناچیز کو بھی فرمایا تھا کہ تم بھی دیکھ لینا اور کچھ لکھ دینا۔

حضرت شیخ کی خدمت میں میں نے پہلی مرتبہ پیش کیا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ہاں رضوان کے اندر اس طرح کی اچھی صلاحیت ہے، اس پر میں نے کہا کہ حضرت کام میں تحقیق ہے، تو مسکرا کر فرمایا کیوں نہیں اس سلسلے کا اس کے اندر بہت اچھا ذوق ہے، ہاتھ میں لیکر الٹ پلٹ کر دیکھا اور خوش ہو کر فرمایا کہ اس کو اپنے پاس محفوظ رکھو جب نشاط ہوگا لکھ دوں گا، پھر جب میں نے دوبارہ پیش کیا تو فرمانے لگے کہ میں کیا لکھوں مجھے مضمون نگاری نہیں آتی، میں نے کہا کہ حضرت دعائیہ کلمات ہی تحریر فرمادیں، اس پر فرمایا بس کر میں اٹھ کر چلا آیا، پھر تیسری مرتبہ دو چار روز کے بعد مسودہ لے کر حاضر ہوا ہمت کر کے عرض کیا کہ حضرت مولانا معروفی صاحب کی کتاب ہے حضرت نے فرمایا ان سے کہہ دینا کہ اولاً تو میری طبیعت خراب ہے، لکھنے کی سکت نہیں، ثانیاً وقت نہیں ہے، مجھے چوں کہ سب سے زیادہ حضرت شیخ ہی سے ڈر لگتا ہے اسلئے کچھ مزید کہے بغیر واپس کمرہ میں آکر مولانا معروفی صاحب کو فون پر تفصیل سے بتادیا۔

حضرت مولانا نے کہا کہ تم ہی کچھ لکھ دو میں نے کہا کہ بڑے بڑے حضرات کی تائیدات سے کتاب کا وزن بڑھے گا اور مستند قرار پائے گی مجھ جیسے ظلوم وجہول ناکارہ کی بات کتاب میں شامل کرنے سے کتاب کی اہمیت گھٹ جائے گی، لیکن مولانا نے فرمایا کہ تم بھی بزرگوں کی مسند پر ہو، میرے دل میں اہمیت ہے جب ہی تو کہہ رہا ہوں لکھ دو، اس جملہ سے

حقیقت میں مولانا کی میرے دل میں بڑی قدر پیدا ہوگئی کہ بڑوں کا انداز ایسا ہی ہوتا ہے، یہ حضرات مخلصین اپنے چھوٹوں کو اسی انداز سے سراہتے ہیں، اور بڑھاتے ہیں۔

بہر حال حضرت مجھ سے علم وعمل اور عمر میں بھی بڑے ہیں، اسلئے میں ان کو استاذ جیسا سمجھتا ہوں اور حضرت کی تواضع ہے کہ وہ مجھے دوست بنا کر بے تکلفی سے رہتے ہیں (کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل نسیم صبح تیری مہربانی)

اسی طرح حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی صدر شعبہ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم دار جدید سہارن پور نے فاضل گرامی مؤلف مدظلہ کے متعلق یہ تأثراتی ارشاد فرمایا کہ ہمارے پورہ معروف کے اچھے علماء میں ان کا نام نمایاں ہے، اور وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں، اسی طرح دو سال قبل جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے ختم بخاری شریف کی تقریب کے موقع پر حضرت مولانا معروفی مدعو تھے، دیگر علماء کا بھی بیان ہوا تھا، مگر یہاں کے طلبہ نے تأثرات پیش کیا کہ سب سے زیادہ وقیع اور تحقیقی کلام معروفی صاحب ہی کا تھا۔

ہمیشہ دل سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا معروفی صاحب کو صحت و عافیت کیساتھ زینہ بہ زینہ ترقی عطاء فرمائے، اور آپ کا سایہ تادیر امت مسلمہ پر بہمہ فیوض و برکات قائم ودائم رکھے۔

اور آپکے اس علمی مجموعہ کو اور آپ کی دیگر تصنیفی وتدریسی وتقریری اور تحقیقی خدمات کو امت کے لیے نفع بخش اور فیض رساں اور آنجناب معروفی کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔

(آمین ثم آمین) وما توفیق الا باللہ!

العبد محمد کوثر علی سبحانی

خادم الحدیث جامعہ مظاہر علوم قدیم سہارنپور یوپی / ۲۵؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

پیش لفظ

از

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی رئیس المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد

(اس کتاب نے ایک علمی خلاء کو پُر کر دیا)

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب (نساء: ۱۰۵) انسانیت کے لیے دستور حیات (لقمان: ۳،۵) اور کامیابی کی کلید (اعراف: ۱۵۷) ہے، اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے رکھی ہے، (حجر: ۹) البتہ قرآن مجید کی تشریح وتفسیر، اس کے اسرار و رموز کی تفہیم، اس کے اصول وکلیات کی وضاحت اور اس کے معانی ومراد کا بیان جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ رکھا گیا ہے، (النحل: ۴۴) اس طرح خالق کائنات نے قرآن مجید کے ضمن میں خود حدیث وسنت کی حفاظت کی بھی ذمہ داری لے لی ہے، یہی وجہ ہے کہ من جانب اللہ اس کی حفاظت کے لیے ایسے قدرتی عوامل اور طبعی اسباب ومحرکات وجود میں آئے کہ انسانی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، چناں چہ فن کتابت اور اس کے اصول وضوابط، الفاظ کے درست تلفظ وضبط کے قاعدے، کسی خبر کے قبول ورد کیے جانے کے معیارات، تنقید نگاری کی خدوخال، سوانح نگاری کی طریقے وغیرہ، کتنے ہی علوم وفنون ہیں، جو دراصل حدیث نبوی کی رہین منت ہیں۔

اسی طرح اسماء الرجال کے ذریعہ ہزاروں راویوں کے اخلاق وکردار، تعلیم وتربیت، فہم وفراست اور ذہانت وذکاوت سے متعلق تفصیلات اس دقت نظر اور باریک بینی کے ساتھ جمع

کردی گئی ہیں، کہ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں حکومتیں بھی اپنے شہریوں کے حالات اس طرح جمع نہیں کرسکتیں، اعداء اسلام بھی اس عظیم خدمت پر حیرت زدہ اور انگشت بدنداں ہیں، اوران کی یہ حیرت بجا ہے، کیوں کہ دیگر مذاہب میں تو ان کے بنیادی صحائف کی بھی کوئی سند نہیں ہے۔

احادیث کی حفاظت وصیانت کے لیے دینی شرعی ہدایات بھی دی گئیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "انما یفتری الکذب الذین لایؤمنون بآیات اللہ وأولئک ھم الکاذبون" (النحل : ۱۰۵) بہ زبان رسالت بھی اس جانب متوجہ کیا گیا، ارشاد ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات منسوب کرنا عام لوگوں کی طرف منسوب کیے جانے کے برابر نہیں ہے " ان کذبا علی لیس ککذب علی أحد" (مسند ابی یعلی ج ۲ ص ۲۵۷/ حدیث نمبر: ۹۶۶) اس جرم کی سنگینی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ مجھ پر جھوٹ باندھنے والے کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم تلاش کرلے" من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار" (مسند احمد ج ۳/ص ۱۷۲؛ حدیث نمبر ۲۰۹) اسی تعلیم وتربیت کا نتیجہ تھا کہ درسگاہ نبوت کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ حدیث کی نقل وروایت میں بہت ہی محتاط اور نہایت ہی بیدار مغز تھے، امام ابن عدی (متوفی: ۳۶۵ھ) نے الکامل میں باضابطہ ایک عنوان: "ابواب جامعۃ فی الکذب وتشدید العقوبۃ فیہ" لگایا ہے اس کے تحت ۱۳۰ ابواب ذکر کیے ہیں، جس میں اس بابت روایات اوران کے مضامین کو یکجا کردیا ہے۔

ان سب کے باوجود عہد رسالت کے کچھ ہی سال بعد سے یہ ناروا کوشش کی گئی کہ نئی باتیں گھڑ کر ذخیرۂ احادیث کو مشتبہ کردیا جائے، ظاہر ہے اس کی زد براہ راست قرآن مجید پر بھی پڑتی تھی، چناں چہ محدثین نے روز اول ہی سے حدیث میں حددرجہ احتیاط برتی، رواۃ کے عقیدہ اور فکر ونظر پر بھی نگاہ رکھی، ان کے اخلاقی حالات کا بھی ریکارڈ جمع کیا، ان کے

اساتذہ وتلامذہ کی فہرست بنائی، تاکہ روایت میں تسلسل کو جانا جاسکے، ہر لحاظ سے تحقیق وتفتیش کی اور جرح وتعدیل کے ضوابط کی روشنی میں ان کے قبول ورد کے پیمانے متعین کیے، خاص طور پر احادیث گھڑنے کے سلسلہ میں محدثین نے بہت سختی برتی، امام ابو محمد الجوینی (امام الحرمین کے والد) نے جان بوجھ کر حدیث وضع کرنے والے کو کافر اور سزاء قتل کا مستحق قرار دیا ہے، یہی رائے مالکیہ میں ابن عربی اور حنابلہ میں ابوالفضل ہمدانی کی ہے، حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اگر کوئی وضع حدیث کو جائز سمجھ کر وضع کرے تو وہ بلا شبہ کفر کا مرتکب ہے، یہ جمہور کی رائے ہے، اسی طرح اگر کسی راوی نے صرف ایک حدیث بھی وضع کی ہو تو محدثین توبہ کرنے باوجود اس کی روایت قبول نہیں کرتے، عبد اللہ بن مبارک کہتے ہیں "من عقوبة الكذاب ان يرد عليه صدقه" امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں "توبته فيما بينه وبين الله تعالىٰ، ولا يكتب حديثه ابداً" اس سے محدثین کے منہج اور محتاط روش کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حدیث کے مختلف ضمنی گوشوں اور انواع پر اہل علم نے قلم اٹھایا ہے، اور ایسا قیمتی سرمایہ پیش کیا ہے کہ نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور احساس ہوتا ہے کہ گویا یہ خود ایک مستقل فن ہے، ان ہی انواع الحدیث میں سے ایک نوع "الوضع والوضاعون" بھی ہے، محدثین نے اس موضوع پر پورا کتب خانہ تیار کر دیا ہے، بنیادی طور پر یہ دو طرح کی کتابیں ہیں، پہلی قسم وہ ہے جس میں محض کذاب اور وضع حدیث کرنے والے افراد کے تراجم وحالات ذکر کیے گئے ہیں، نیز بعض مصنفین نے ان کے ذیل میں چند وضع کردہ احادیث کی بھی نشاندہی کردی ہے، امام بخاری کی کتاب "الضعفاء" امام نسائی کی "الضعفاء والمتروکون" اور ابو علی سعید بن عثمان بن السکن کی "الضعفاء والمتروکون" کا تعلق اسی قسم سے ہے، اگرچہ کہ ان حضرات نے موضوع روایات کا ذکر نہیں کیا ہے، اسی طرح ابو حاتم البستی (متوفی ۳۵۴ھ) کی کتاب "

الضعفاء'' اور عقیلی (متوفی: ۳۲۲ھ) کی کتاب ''الضعفاء'' بھی اس موضوع پر اہم کتابیں شمار کی جاتی ہیں، الکامل لابن عدی ہے تو بنیادی مأخذ میں لیکن مؤلف نے اس میں کذاب و وضاع راویوں کے پہلو بہ پہلو متکلم فیہ راویوں کو ذکر کیا ہے۔

دوسری قسم ان کتابوں کی ہے جن میں موضوع روایات کو جمع کیا گیا ہے، محققین کا خیال ہے کہ اس موضوع پر سب سے پہلی کاوش امام حافظ ابوسعید محمد بن علی الاصبہانی الحنبلی (متوفی: ۴۱۴ھ) کی ہے، جو ''موضوعات النقاش'' سے مشہور ہے، علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے، مگر یہ کتاب اب مفقود کے درجہ میں ہے، دوسری اہم کتاب ابوعبداللہ حسین بن ابراہیم جوزقانی (متوفی: ۵۴۳ھ) کی ''الاباطیل والمناکیر'' ہے، جو جامعہ سلفیہ بنارس سے تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے، نیز اس موضوع پر سب سے جامع کتاب ''الموضوعات من الاحادیث المرفوعات'' ہے، یہ ابوالفرج ابن الجوزی کی مایا ناز تالیف ہے، اگر چہ اہل علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ابن الجوزی نے اس کتاب میں تساہل سے کام لیا ہے اور بہت سی صحیح وحسن روایات کو بھی موضوع کے دائرے میں داخل کر دیا ہے، ان کے علاوہ دیگر اہم کتابیں حسب ذیل ہیں:

☆اللآلي المصنوعة في الاحاديث لموضوعة :

حافظ جلال الدین سیوطی (متوفی: ۹۱۱ھ)

☆تنزيه الشريعة المرفوعة عن الاخبار الشنيعةا لموضوعة :

ابوالحسن علی بن محمد الکنانی (متوفی: ۹۶۳ھ)

☆المصنوع في معرفة الحديث الموضوع:

ملاعلی قاری (متوفی: ۱۰۱۴ھ)

☆الفوائد المجموعة فی الأحادیث الموضوعة :

علامہ شوکانی (متوفی: ۱۲۵۵ھ)

اردو زبان اپنے تحریری ذخیرہ، لیٹریچر کے تنوع اور اسلام کی ترجمانی کے اعتبار سے دوسری یا تیسری اہم زبان کہلانے کی مستحق ہے، لیکن احادیث موضوعہ اور روایات نامعتبرہ پر اس زبان میں بہت کم قلم اٹھایا گیا ہے، ضرورت تھی کہ حدیث کے اس اہم گوشہ پر بھی توجہ کی جاتی اور اس تشنگی کو دور کیا جاتا، اللہ کا شکر ہے کہ سن وسال کے لحاظ جوان اور علم وفکر کے اعتبار سے بزرگ عالم دین محب فی اللہ حضرت مولانا رضوان الدین معروفی زیدت حسناتہ نے اس جانب توجہ کی اور منتخب موضوع روایات جو عوام تو کجا خود علماء کی بھی زباں زد ہیں، کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور اسے اردو کا پیرہن عطا کرتے ہوئے بڑی سلیقہ مندی کے ساتھ ایک خلاء کو پر کیا ہے، نیز مؤلف نے کتاب کے آغاز میں ایک وقیع مقدمہ تحریر کر کے اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کا عمدہ تعارف کرایا ہے، اور وضع حدیث کے پس منظر اور اس سلسلہ میں اصول پر روشنی ڈالی ہے، جو بجائے خود اہل علم کے لیے ایک قیمتی سوغات ہے۔

شاید یہ شکوہ بیجا نہ ہو کہ موجودہ دور میں ضعیف اور نامعتبر احادیث کا موضوع افراط و تفریط کا شکار رہے، ایک گروہ احادیث کو اس نظر سے دیکھتا ہے کہ گویا اصل روایات کا نامعتبر ہونا ہی ہے، چناں چہ جن روایات کو بعض متشدد علماء رجال نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن بہت سے علماء نے مقبول و معتبر مانا ہے، یہ حضرات ان پر بھی ضعیف ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں، بلکہ ایک ذہن یہ پیدا ہو رہا ہے کہ جو روایات صحیحین میں نہ ہوں، یا کم سے کم صحاح ستہ میں نہ ہو ں، وہ قابل عمل نہیں ہیں، اسی طرح جس درجہ کا ضعف محدثین کے نزدیک فضائل کے باب میں برداشت کرلیا جاتا ہے، ان کو بھی موضوع کا درجہ دے دیا جاتا ہے، نیز حسن، ضعیف، اور

موضوع کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔

دوسری طرف یہ بھی ایک سچائی ہے کہ اچھے خاصے علم دین سے آراستہ، مسند ارشاد کو زینت دینے والے، مجالس وعظ کی آبرو رکھنے والے، یہاں تک کہ کتب حدیث کے اساتذہ بھی فضائل ورذائل کے ذکر میں ایسی روایات نقل کر دیتے ہیں، جو موضوع یا حد درجہ ضعیف ہیں، اور ان کے ضعف کی طرف اشارہ تک نہیں کرتے، بلکہ اس بات کو کافی سمجھتے ہیں کہ فلاں بزرگ سے سنا ہے اور فلاں بزرگ کی کتاب میں پڑھا ہے، یہ نہایت غیر محتاط اور مزاج شریعت سے ناآہنگ طریقہ ہے، محدثین کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے اساتذہ سے بے حد محبت کرتے اور اپنے مشائخ کا حد درجہ احترام کرتے، لیکن اس کے باوجود جہاں ان کی روایت میں سقم ہوتا وہ اس کے اظہار میں کبھی تکلف سے کام نہیں لیتے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تمام بزرگوں کی محبت سے مقدم ہے اور آپ کی عظمت تمام بزرگوں کی عظمت سے بڑھی ہوئی ہے، اور اس محبت واحترام کا تقاضہ ہے کہ ''موضوع'' ہی نہیں کوئی مشکوک بات بھی آپ کی طرف منسوب نہ کی جائے، نیز اس لیے بھی کہ آدمی کے جھوٹے ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بلا تحقیق نقل کر دے '' **كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ما سمع** ''(مقدمہ مسلم، حدیث نمبر ۷)۔

مصنف کی یہ کاوش ہو سکتا ہے کہ بعض ایسے لوگوں کو گراں گذرے جو اس طرح مواعظ و مجالس میں روایتیں نقل کرتے رہتے ہیں، لیکن دیانت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ مؤلف کی اس کوشش کو اپنے لیے نصح وخیر خواہی سمجھیں اور اسے اپنے لیے آئینہ بنائیں، یہ بات بھی بہتر ہے کہ مؤلف گرامی نے جہاں کسی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، وہیں اگر اس مفہوم کی حامل کوئی مقبول ومعتبر روایت موجود ہے تو اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔

مولانا معروفی نے اس سے پہلے بھی کئی اہم موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، خاص کر قرآن مجید کی مشکل التفسیر آیات پر ان کا کام بہت قابل قدر ہے، ان کی تحریریں یوں تو تمام لوگوں کے لیے افادیت کی حامل ہیں، لیکن خاص طور سے علوم اسلامی کے اساتذہ و طلبہ کے لیے بڑی ہی مفید اور نافع ہیں، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس تازہ کوشش کو بھی قبول فرمائے، اس کے نفع کو عام و تام فرمائے اور مؤلف کے علم و تحقیق کا سفر ہمیشہ تعب و تھکن سے نا آشنا رہے۔

واللّٰہ ھو المستعان!

۷ جمادی الاول ۱۴۳۴ھ

خالد سیف اللہ رحمانی

(ناظم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد و جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

۲۰ر مارچ ۲۰۱۳ء

تقدیم

از

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری دامت برکاتہم

سابق استاذ حدیث جامعۃ الامارات العربیۃ المتحدہ، العین ابوظہبی

(اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب)

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم. امابعد!

اس وقت ہمارے سامنے مولانا محمد رضوان الدین صاحب معروفی کی کتاب "**عمدة الأقاويل في تحقيق الأباطيل**" (غیر معتبر احادیث کی تحقیق) ہے، اللہ تعالیٰ نے غیبی نظام کے تحت قرآن پاک کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، ارشاد باری ہے: "**انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون**". (الحجر:۹) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث قرآن مجید کی شرح و بیان ہے، علامہ شاطبی فرماتے ہیں: "**فكان السنة بمنزلة التفسير و الشرح لمعاني أحكام الكتاب**". (الموافقات:۴/۱۰)

سنت کتاب اللہ کے احکام کی معانی کے لیے تفسیر وشرح کا درجہ رکھتی ہے، اس لیے حدیث کی حفاظت وصیانت کے لیے وہ سارے وسائل واسباب اختیار کیے گئے جو اس عالم میں ممکن ہو سکتے تھے، اس کی حفاظت کے لیے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں انسانوں کی کوششیں صرف ہوئی ہیں، حافظ ابن حزم تحریر فرماتے ہیں کہ: "پہلی امتوں میں کسی کو یہ توفیق نہیں ہوئی

کہ اپنے رسول کے کلمات کو صحیح صحیح ثبوت کے ساتھ محفوظ کر سکے، یہ صرف اس امت کا طغرائے امتیاز ہے کہ اس کو اپنے رسول کے ایک ایک کلمہ کی صحت و اتصال کے ساتھ جمع کرنے کی توفیق عطا ہوئی"۔ (الملل و النحل: ۲/ ۲۱)

اس عظیم کارنامہ کا اعتراف غیروں کو بھی ہے ڈاکٹر اسپنگر کہتا ہے کہ "مسلمانوں نے علم حدیث کی حفاظت کے لیے اسماء الرجال کا فن ایجاد کیا، جس سے پانچ لاکھ انسانوں کے حالات محفوظ ہو گئے"۔ (محدثین عظام، ص ۴۸)

پوری دنیا کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں نے اپنے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی حیات طیبہ بلکہ ہر اس چیز اور ہر اس شخص کے حالات کا جس کا ادنی تعلق بھی آپ کی ذات مبارک سے تھا، جس طرح حفاظت کی وہ انسانی تاریخ کا ایک عجوبہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی روایت کرنے والے (یعنی راویان حدیث) کے پورے حالات قلم بند کیے گئے، اس طرح ہزار ہا ہزار راویان حدیث کے بارے میں تحقیق و تفتیش کا اتنا زبردست رکارڈ جمع کیا گیا کہ دنیائے قدیم وجدید کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ہے۔

لیکن تقدیر الٰہی سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اخیر دور خلافت میں کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ فتنوں نے سر نکالا، حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ "دور صحابہ میں بعد کے ادوار کے مقابل میں بہت کم فتنے تھے، لیکن جتنا زمانہ عہد نبوت سے دور ہوتا گیا، اختلاف و گروہ بندی کی کثرت ہوتی چلی گئی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کوئی بدعت کھل کر سامنے نہیں آئی، مگر ان کی شہادت کے بعد لوگ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے، اور دو مقابل کی بدعتوں کا ظہور ہوا، ایک خوارج کی بدعت، جو (معاذ اللہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرتے تھے، دوسرے روافض کی بدعت جو حضرت علی کی امامت و عصمت کے مدعی

تھے، بلکہ روافض میں سے بعض ان کی نبوت کے اور بعض الوہیت تک کے قائل تھے"۔

(المنتقی فی منہاج الاعتدال: ص ۳۸۶)

اس کے بعد اسلام میں مختلف فرقوں کا ظہور ہوا، اور ان فرق ضالہ میں سب سے زیادہ وضع حدیث کا کام روافض نے انجام دیا، اس لیے محدثین نے فن اسماء الرجال ایجاد کیا، جرح وتعدیل کے درجات مقرر کئے گئے، اور حدیثوں کے جانچنے اور پرکھنے کے ایسے اصول بنائے کہ جس کی مثال دیگر پیغمبروں کی تاریخ میں نہیں ملتی، اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کی حفاظت کے لیے اصحاب بصیرت ائمہ وعلماء کی ایک بڑی جماعت کو کھڑا کردیا، جنہوں نے بتائید الٰہی کھرے اور کھوٹ کو الگ الگ کردیا، خلیفہ ہارون رشید کے دربار میں ایک زندیق کو لایا گیا، وہ کہنے لگا کہ: تم مجھے تو قتل کردو گے، لیکن ان ایک ہزار حدیثوں کا کیا کرو گے جو میں نے وضع کرکے عام کردی ہے، ہارون رشید نے فوراً جواب دیا "فاین انت یا عدو اللّٰہ عن ابی اسحاق الفزاری و ابن المبارک؟ ینخلانها فیخرجانها حرفًا حرفًا"

(معرفۃ علوم الحدیث ص: ۳٦)

اے دشمن خدا، تو ابواسحاق فزاری اور ابن مبارک سے بچ کر کہاں جاسکتا ہے، جو ان کو چھلنی کی طرح چھان کر ایک ایک حرف نکال پھینکیں گے۔

آگے چل کر علمائے حدیث نے تاریخ، رجال حدیث اور جرح وتعدیل اور اس کے اصول وضوابط پر مستقل کتابیں تالیف کیں، اسی طرح احادیث موضوعہ کے عنوان پر بھی بہت سی کتابیں تالیف کی گئیں، لیکن ضرورت تھی کہ اردو زبان میں ایک ایسی کتاب تالیف کی جائے جس میں اسناد کی اہمیت، رواۃ حدیث کے درجات، جرح وتعدیل کے اصول وضابطے، احادیث موضوعہ کے پرکھنے کی علامات وغیرہ کو تفصیل سے بیان کیا جائے، اور ان کتابوں

سے احادیث موضوعہ کے ایک مجموعے کو اردو زبان میں منتقل کیا جائے، ان کے موضوع ہونے کا سبب بیان کردیا جائے، اوران رواۃ کا بھی ذکر کردیا جائے جو موضوع حدیث بیان کرنے کے لیے مشہور ومعروف ہیں، تاکہ اس سے ہمارے مدارس عربیہ کے طلباء کو پوری طرح روشناس ہونے کا موقع مل سکے، اوراس فن کی اہم کتابوں سے وہ متعارف ہوسکیں۔

اس ضرورت کے تحت فاضل گرامی مولانا رضوان الدین صاحب معروفی (جو جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا کے شیخ الحدیث ہیں) نے یہ کتاب تالیف کی ہے، مولانا ایک مدت سے تدریس وتالیف کے میدان میں کام کررہے ہیں، اس لیے ان کو طلباء کی ضروریات کا پورا علم ہے، اس کتاب پر ایک نظر ڈال کر یہ اندازہ ہوا کہ مولانا نے اس موضوع پر پوری محنت ومستعدی کے ساتھ مواد اکٹھا کیا ہے، اور غالباً اردو زبان میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی کتاب ہوگی جو وہ پیش کررہے ہیں، ان شاء اللہ علماء وطلباء کے طبقہ میں یہ کتاب مقبول ہوگی، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا موصوف کو دنیا وآخرت میں بہترین جزائے خیر عطا فرمائے، اورحدیث شریف کی خدمت کی سعادت کے شرف سے نوازے۔

و ما ذلک علی اللہ بعزیز!

ا۔ د۔ تقی الدین ندوی مظاہری

بانی وسرپرست جامعہ اسلامیہ، ومرکز الشیخ ابی الحسن الندوی

مظفرپور، اعظم گڈھ، یوپی

سابق استاذ حدیث جامعۃ الامارات العربیۃ المتحدہ، العین

تاریخ: ۲۳؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ مطابق ۶؍مارچ ۲۰۱۳ء

مقدمہ

عمدة الأقاويل فی تحقيق الأباطيل

(غیر معتبر احادیث کی تحقیق)

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين، و على آله واصحابه الطيبين.

تمہید:

دین اسلام اللہ رب العزت کا آخری اور سرمدی دین ہے، جو قیامت تک آنے والی نوع انسانی کی ہدایت کے لیے اتارا گیا ہے، اس دین کے احکامات وہدایات کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو سرچشمے عطا فرمائے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اس دین کو چوں کہ تا قیامت باقی اور محفوظ رکھنا تھا، اس لیے اللہ رب العزت نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود لے لی چناں چہ فرمایا"انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون" (ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) احادیث نبویہ قرآن کریم کی تشریح وتفسیر ہیں اس لیے قرآن کی حفاظت، حدیث کی حفاظت کو بھی متضمن ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کی حفاظت کی نوعیت الگ الگ رکھی۔

قرآن کریم کو خداوند تعالیٰ نے اس طرح محفوظ رکھا کہ اس کے الفاظ ومعانی، حروف وکلمات، حرکات وسکنات میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

احادیث کی حفاظت رجال ورواۃ کے ذریعہ فرمائی، اس لیے اس کے الفاظ اگرچہ بعینہ محفوظ نہ رہے، تاہم اس کا مفہوم ومضمون مکمل طور پر محفوظ رکھا ہے۔

باب اول

قرآن کی طرح احادیث کی حفاظت بھی نظامِ غیبی کے سائے میں

یہ بالکل بدیہی امر ہے کہ اگر کسی کو مکلّف کیا جائے کہ دودھ پیو، کرسی پر بیٹھو تو وہاں دودھ اور کرسی کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ یہ حکم لغو قرار پائے گا، بل کہ اگر کسی ذی عقل وباشعور شخص کا حکم ہوگا تو اس کا حکم کرنا ہی دلیل ہے کہ وہ شی موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے جب "لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ، اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول" اور "ما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھا کم عنہ فانتھوا" جیسی آیات میں پوری انسانیت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کی اتباع کا حکم دیا ہے، تو یہی دلیل ہے کہ آخری انسان تک اور آخری زمانہ تک، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور آپ کا ہر قول وفعل محفوظ ہوگا۔

آیت کریمہ "انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون" میں "الذکر" سے صرف الفاظِ قرآنی ہی نہیں مراد ہیں بل کہ الفاظ ومعانی دونوں مراد ہیں، اور قرآن کے معانی کا ہی دوسرا نام "حدیث" ہے۔

کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی آیاتِ قرآنیہ کی تبیین وتذکیر ہی میں

صرف فرمائی ہے اور یہی آپ کا فرض منصبی تھا، ارشاد ربانی ہے "وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل إلیهم" بل کہ اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ الفاظ کی حفاظت سے زیادہ اہمیت معانی کی حفاظت کو حاصل ہے، کیوں کہ الفاظ کا تحفظ تو معانی کے تحفظ کے لیے ہوا کرتا ہے۔

اب اگر معانی کے تحفظ کی ضمانت نہ ہو تو یقیناً معنوی تحریفات کو قرآن مجید میں راہ مل جائے گی، اور مرادِ الٰہی کو جاننا پھر اس پر عمل کرنا ناممکن ہو جائے گا، پس اس عقلی پہلو سے بھی معانیٔ قرآن (یعنی احادیث) کا تحفظ ضروری ہوا۔

حافظ ابن حزمؒ م ۴۵۷ھ لکھتے ہیں:

اہل لغت اور تمام علماء شریعت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو بھی وحی (خواہ متلو ہو یا غیر متلو جیسا کہ "انزل اللّٰه علیک الکتب والحکمة" میں دونوں کو ذکر فرمایا) اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی وہ اللہ کی طرف سے اتارا ہوا ذکر ہے، اور یہ پوری وحی الٰہی اللہ کی حفاظت میں ہے..... جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آیت حفاظت میں الذکر کا مصداق صرف قرآن کریم ہے اور وہ بھی الفاظ کی حد تک ان کا یہ دعوی بالکل غلط ہے جس پر کوئی دلیل نہیں..... لفظ الذکر کا مصداق ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی، خواہ وہ الفاظ ہوں یا معانیٔ قرآن ہوں یا سنت، دونوں وحی الٰہی ہیں۔ قرآن کی مراد سنت ہی سے تو واضح ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ آیتِ کریمہ کے مصداق میں احادیث کا تحفظ بھی داخل ہے، رہ گئی یہ بات کہ احادیث کس طرح محفوظ رہیں تو امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ "سنت کا ذخیرہ مجموعی طور پر محدثین کے پاس موجود ہے گو بعض محدثین کے ہاں زیادہ اور بعض کے ہاں کم، لیکن اگر تمام محدثین کی حدیثوں کو یکجا کیا جائے تو سنت کا پورا ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے، ہاں ہر محدث کی جمع

کردہ احادیث کو الگ الگ لیا جائے تو ہر محدث سے کچھ نہ کچھ حدیثیں رہ گئی ہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ جو حدیثیں ایک محدث سے رہ جاتی ہیں وہ دوسرے کے ہاں مل جاتی ہیں۔

(الرسالہ: ۴۳)

حفاظت حدیث کے بعض اہم اسباب وعوامل

پھر اللہ نے احادیث کی حفاظت کے اسباب وعوامل بھی اس کے شایانِ شان مقدر فرمایا مثلاً:

(۱) قرآن مجید نے مختلف آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کو اپنانے کا حکم دیا جو خود حفاظت حدیث کا ایک بڑا اہم اور مستقل ذریعہ ہے "**لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ**" (سورۃ الاحزاب: آیت ۲۱)

ترجمہ: تم لوگوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے۔

"**ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا**"(سورۃ الحشر: آیت ۷)

ترجمہ: رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم کو جو کچھ دیدیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو۔

(۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث کو محفوظ رکھنے، دوسروں تک پہنچانے کی ذمہ داری دی مثلاً فرمایا "**بلغوا عنی ولو آیۃ**"(رواہ الترمذی)

ترجمہ: میری ایک بات بھی تم کو معلوم ہو تو اس کو دوسروں تک پہنچاؤ۔

وقال ایضاً" ان الناس لکم تبع وان رجالًا یاتونکم من اقطار الأرض یتفقھون فی الدین فاذا اتوکم فاستوصوا بھم خیرا". (جامع ترمذی)

ترجمہ: لوگ تمہارے پیچھے آئیں گے بلاشبہ تمہارے پاس اطرافِ عالم سے دین سیکھنے کے لیے آئیں گے، یہ لوگ تمہارے پاس آئیں تو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

(۳) کتمان علم کی وعیدوں کے ذریعہ سے اس کی حفاظت اور تبلیغ کی طرف متوجہ کیا گیا، مثلاً ارشاد نبوی ہے "من سئل عن علمه ثم كتمه ألجم يوم القيامة بلجام من نار". (جامع ترمذی: ۲/۳۹)

ترجمہ: جس آدمی سے کوئی علمی بات پوچھی جائے پھر وہ اسکو چھپائے، تو قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام لگائی جائے گی۔

اس لیے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے تھے "لو وضعتم الصمصامة على هذه (واشار الى قفاه) ثم ظننت انى انفذ كلمة سمعتها من النبى صلى الله عليه وسلم قبل ان تجيزوا على لا نفذتها"۔ (صحیح بخاری)

ترجمہ: کہ اگر تم میری گردن پر یہ تلوار رکھ دو اور اس وقت مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنی ہوئی حدیث یاد آجائے اور مجھے یہ خیال ہو کہ تمہاری تلوار چلنے سے پہلے ہی میں یہ حدیث سنا سکوں گا تو ضرور سنا دوں گا۔

(۴) کذب فی الحدیث کی وعید سے ڈرایا گیا مثلاً "من كذب على متعمدا فليتبوا مقعده من النار"۔ (صحیح بخاری)

(۵) صحابہ میں (جو احادیث کے اولین محافظین ہیں) عدالتِ تامہ اور ضبط و اتقان کی قوت کاملہ کا ہونا۔

(۶) پھر بعد کے اولین محدثین کو بھی حیرت انگیز بے مثال قوت حافظہ کا نصیب ہونا۔

(آثار الحدیث)

حفاظت حدیث کے تین بنیادی ذرائع

عہد رسالت اور عہد صحابہ میں حفاظت حدیث کے لیے تین طریقے استعمال کیے گئے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حفظ روایت

حفاظت حدیث کا پہلا طریقہ احادیث کو یاد کرنا ہے، اور یہ طریقہ اس دور کے لحاظ سے انتہائی قابل اعتماد تھا: اہل عرب کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حافظے عطاء فرمائے تھے، وہ صرف اپنے ہی نہیں بلکہ اپنے گھوڑوں تک کے نسب نامے ازبر یاد کرلیا کرتے تھے، ایک ایک شخص کو ہزاروں اشعار حفظ ہوتے تھے، اور بسا اوقات کسی بات کو صرف ایک بار سن کر یا دیکھ کر پوری طرح یاد کرلیتے تھے، تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جن میں سے دو یہاں بیان کی جاتی ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت جعفر بن عمرو الضمری بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ عبید اللہ بن عدی بن الخیار کے ساتھ حضرت وحشیؓ سے ملنے گیا، عبید اللہؓ نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ تو حضرت وحشیؓ نے فرمایا کہ میں آپ کو پہچانتا تو نہیں البتہ مجھے اتنا یاد ہے کہ آج سے سالہا سال پہلے میں ایک دن عدی بن الخیار نامی ایک شخص کے یہاں گیا تھا، اس دن عدی کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا تھا، میں اس بچہ کو چادر میں لپیٹ کر اس کی مرضعہ کے پاس لے گیا تھا، بچہ کا سارا جسم ڈھکا ہوا تھا، صرف پاؤں میں نے دیکھے تھے تمہارے پاؤں اس بچہ کے پاؤں کے ساتھ بہت مشابہ ہیں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جو قوم اتنی معمولی باتوں کو اتنے وثوق کے ساتھ یاد رکھتی ہو وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال یاد رکھنے کا کتنا اہتمام کرے گی، جب کہ وہ انہیں اپنے لیے راہ نجات سمجھتے ہوں، خاص طور سے جب کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ان کے سامنے آچکا تھا کہ " نضرا للّٰہ عبدًا سمع مقالتي فحفظها و وعاها و اداها... الخ" (رواہ الشافعي والبیهقي في المدخل ورواه احمد والترمذي و ابو داؤد وابن ماجه والدارمي عن زيد بن ثابت مشكاة المصابيح كتاب العلم الفصل الثاني ج ۱، ص ۳۵) چناں چہ یہ بات واضح ہے کہ صحابہؓ نے اس کا حیرت انگیز طور پر اہتمام کیا۔

حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب "الاصابة" میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان نے حضرت ابو ہریرہؓ کے حافظہ کا امتحان لینا چاہا اور انہیں بلا کر احادیث بیان کرنے کی درخواست کی، حضرت ابو ہریرہؓ نے بہت سی احادیث سنائیں ایک کاتب ان کو لکھتا رہا، یہاں تک کہ حضرت ابو ہریرہؓ چلے گئے، عبدالملک نے اگلے سال انہیں بلوایا، اور ان سے کہا کہ جو احادیث آپ نے پچھلے سال لکھوائی تھیں وہی احادیث اسی ترتیب کے ساتھ سنائیں، حضرت ابو ہریرہؓ نے پھر احادیث سنانی شروع کیں، کاتب اپنی کتاب سے ان کا مقابلہ کرتا رہا، کسی جگہ ایک حرف ایک نقطہ ایک شوشہ کی تبدیلی نہیں کی، انتہاء یہ کہ ترتیب بالکل وہی تھی، اور کوئی حدیث مقدم ومؤخر نہیں ہوئی۔

اس قسم کے حیرت انگیز واقعات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو غیر معمولی حافظے صرف حفاظت حدیث کے لیے عطاء فرمائے تھے، بلاشبہ ایسے حافظے حدیث کے لیے اتنے ہی قابل اعتماد ذرائع ہیں جیسے کتابت۔

(۲) تعامل بالروایۃ:

حفاظتِ حدیث کا دوسرا طریقہ جو صحابہؓ نے اختیار کیا تھا وہ تعامل تھا، یعنی وہ آپ ﷺ کے اقوال وافعال پر بجنسہٖ عمل کر کے اسے یاد کرتے تھے، بہت سے صحابہؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے کوئی عمل کیا اور اس کے بعد فرمایا "ھکذا رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل" یہ طریقہ نہایت قابل اعتماد طریقہ ہے، اس لیے کہ جس بات پر انسان خود عمل کرے وہ ذہن میں "کالنقش علی الحجر" ہوتی ہے۔

(۳) کتابت روایت:

احادیث کی حفاظت کتابت کے ذریعہ سے بھی کی گئی، اور تاریخی طور پر کتابتِ حدیث کو چار مراحل پر تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) متفرق طور سے احادیث کو قلمبند کرنا۔

(۲) کسی ایک شخصی صحیفہ میں احادیث کو جمع کرنا، جس کی حیثیت ذاتی یادداشت کی ہو۔

(۳) احادیث کو کتابی صورت میں بغیر تبویب کے جمع کرنا۔

(۴) احادیث کو کتابی صورت میں تبویب کے ساتھ جمع کرنا۔

عہد رسالتؐ اور عہد صحابہؓ میں کتابت کی پہلی دو قسمیں اچھی طرح رائج ہو چکی تھیں اسی لیے عہد صحابہ میں مجموعۂ احادیث کے کئی صحیفے پائے جاتے تھے، مثلاً:

(۱) الصحیفۃ الصادقۃ: یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی احادیث کا مجموعہ تھا۔

(۲) صحیفۃ علیؓ: حضرت علیؓ کا یہ صحیفہ ان کے تلوار کی نیام میں رہتا تھا، اس میں دیات اور معاقل، فدیہ اور قصاص، احکام اہل ذمہ، نصاب زکاۃ اور مدینۂ طیبہ کے حرم ہونے

سے متعلق ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم درج تھے۔

(۳) کتاب الصدقة : یہ ان احادیث کا مجموعہ تھا جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود املاء کرائیں تھیں اس میں زکاۃ وصدقات اور عشر وغیرہ کے احکام تھے۔

(۴) صحف انس بن مالکؓ

(۵) صحیفۂ عمرو بن حزم : جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو نجران کا عامل بنا کر بھیجا تو ایک صحیفہ ان کے حوالہ کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر مشتمل تھا، اور اسے حضرت ابی بن کعبؓ نے لکھا تھا۔

(۶) صحیفۂ ابن عباس : طبقات ابن سعد میں حضرت کریب بن ابی مسلم کا (جو ابن عباس کے مولی تھے) یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ انہیں حضرت ابن عباسؓ کی کتابوں کا اتنا ذخیرہ ملا تھا، جو پورے ایک اونٹ کا بوجھ تھا۔

(۷) صحیفۂ ابن مسعود : علامہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب "جامع بیان العلم و فضلہ" میں نقل کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن مسعودؓ نے ایک کتاب نکالی اور فرمایا میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ عبداللہ بن مسعود کی لکھی ہوئی ہے۔

(۸) صحیفۂ جابر بن عبد اللہ

(۹) صحیفۂ سمرہ بن جندب

(۱۰) صحیفۂ سعد بن عبادہ

(۱۱) صحف أبو ھریرہ، وغیرہ.

(مقدمۂ درس ترمذی)

عہد نبوی اور حفاظت حدیث

احادیث کے اولین رواۃ صحابہ کرامؓ کا مقدس گروہ ہے، جن کی عدالت کی گواہی قرآن کریم اور نصوص قطعیہ سے ثابت ہے "الصحابة کلهم عدول" امت کا اجماعی عقیدہ ہے صحابہ کرامؓ احادیث کے تعلق سے بہت ہی محتاط تھے، ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک "من كذب علی متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار" نے انہیں اور ہی زیادہ محتاط بنادیا تھا، یہ حدیث صحابہ کرامؓ کے درمیان بہت مشہور تھی، بقول حافظ عراقی ستر سے زائد صحابہ اس کو نقل کرنے والے ہیں۔ (تدریب)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہؓ حدیثیں سنتے اور اسے دوسروں تک پہونچادیتے، اور کبھی زید اطمینان وتقویت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کی تحقیق بھی کرلیتے تھے، کہ فلاں بات کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے؟

حجۃ الوداع کے موقع پر جب حضرت علیؓ یمن سے ھدی کے اونٹ لے کر آئے تو دیکھا کہ حضرت فاطمہؓ نے احرام کھول دیا اور رنگین کپڑے پہن رکھے ہیں اور آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا ہے، پوچھا یہ سب کیوں کر رکھا ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ میرے ابا جان نے مجھے اس کا حکم دیا ہے، حضرت علیؓ فوراً اس کی تحقیق کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے فرمایا "صدقت صدقت"۔ (مسلم الحج، حجة النبي صلى الله عليه وسلم: ۱۲۲۷)

اس طرح کی اور بھی مثالیں موجود ہیں۔ صحابہ عادل ہونے اور ایک دوسرے پر اعتماد کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مراجعت کیا کرتے تھے۔

عہد صحابہ اور حفاظت حدیث

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی صحابہؓ احادیث کے تعلق سے نہایت محتاط رہے، اس دور میں کذب بیانی نہیں تھی، پھر بھی صحابہ کرامؓ حدیث کے باب میں بہت پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے، ابن حبانؒ نے کتاب المجروحین کے مقدمہ میں اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابودرداءؓ، اور ابومسعود انصاریؓ کو بلا بھیجا، اور ان کو سرزنش کرتے ہوئے کہا "ما ھذا الحدیث الذی تکثرون عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (کہ تم اتنی کثرت سے حدیثیں کیوں بیان کرتے ہو) چناں چہ ان حدیثوں کی تحقیق ہونے تک (یعنی گواہ ملنے تک) ان کو مدینے ہی میں روکے رکھا۔ (المجروحین: ج ۱/ص ۳۵)

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ ابوموسیٰؓ اشعری حضرت عمرؓ کے مکان پر گئے، طلب اجازت کے لیے دروازے کے باہر سے تین بار سلام کیا لیکن کوئی جواب نہیں ملا تو آپ لوٹ آئے، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ ابوموسیٰؓ اشعری آئے تھے اور لوٹ گئے، آپ نے ایک شخص کے ذریعہ ان کو بلوایا، آنے کے بعد آپ نے پوچھا کہ تم کیوں لوٹ گئے تو ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا "سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا سلم أحدکم ثلثًا فلم یجب فلیرجع" یعنی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب کسی کے پاس جاؤ اور تین مرتبہ سلام کرنے کے بعد جواب نہ ملے تو واپس ہو جاؤ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے سخت لب ولہجہ میں فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے تو اس پر کوئی شہادت لاؤ ورنہ نتیجہ بھگتنے کے لیے تیار رہو، روایت کے الفاظ ہیں:

"قال لتاتینی علی ذالک بینة او لافعلن بک" یعنی کوئی دلیل لاؤ ورنہ جو کچھ کروں گا دیکھو گے۔

ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ابو موسیٰؓ ہمارے پاس اس حال میں آئے کہ ان کا چہرہ فق تھا، رنگ اڑا ہوا تھا، ہم کئی افراد بیٹھے ہوئے مصروفِ گفتگو تھے، ہم نے ان سے پوچھا ابو موسیٰ! خیریت تو ہے، کیا پریشانی ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ لوگوں میں سے کسی نے رسول اللہ کی یہ حدیث سنی ہے، اتفاق سے جتنے لوگ بیٹھے ہوئے تھے سب نے کہا کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے، اور جب حضرت ابو سعید خدریؓ نے حضرت عمر کے پاس جا کر شہادت دی تب حضرت عمرؓ مطمئن ہوئے اور فرمایا " لم اتهمک لکن احببت ان اتثبت " یعنی میں تم پر غلط بیانی کا الزام نہیں لگاتا، میں نے چاہا کہ بات بالکل پختہ ہو جائے۔

(بخاری کتاب الاستیذان باب التسلیم والاستیذان ثلثا)

ابن ماجہ اور مستدرک حاکم وغیرہ کی روایت ہے قرظہ بن کعبؓ فرماتے ہیں، ہم عراق کے لیے روانہ ہوئے تو امیر المومنین حضرت عمرؓ مقام "صرار" تک ہمارے ساتھ چلے پھر کہا تم جانتے ہو میں تمہارے ساتھ کیوں آیا ہوں؟ ہم نے کہا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب وانصار ہیں اس لیے آئے ہیں، آپؓ نے فرمایا: میں تمہارے ساتھ ایک بات بتانے کے لیے آیا ہوں تا کہ تم میرے آنے کی وجہ سے اسے محفوظ رکھو، اور بھول نہ جاؤ وہ یہ ہے کہ تم ایک ایسی قوم کے پاس جارہے ہو جنہیں قرآن سے تعلق ہے، تم جا کر پہلے حدیثیں مت بیان کرنے لگنا کہ وہ تمہیں اسی میں مشغول رکھیں گے، تم انہیں اچھی طرح سے قرآن پڑھنا سکھانا، جاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں، قرظہ بن کعبؓ کہتے ہیں کہ وہاں جانے کے بعد جب لوگوں نے حدیثیں بیان کرنے کی درخواست کی تو ہم نے کہا امیر المؤمنین نے منع کیا ہے۔

(سنن ابن ماجہ مقدمہ لتوقی فی الحدیث ۳۸؛ مستدرک حاکم: ۱/ ۲۳۹/ رقم الحدیث ۳۱۹ و قال صحیح الاسناد)

اسی طرح حضرت علیؓ کا معمول تھا کہ حدیث بیان کرنے پر قسم لیا کرتے تھے۔

(کتاب المجروحین: ج۱/ص ۳۷)

اسی احتیاط کے پیشِ نظر بعض صحابہؓ نے حدیث بیان کرنا ہی چھوڑ دیا تھا، حضرت زید بن ارقمؓ سے لوگوں نے حدیث بیان کرنے کی درخواست کی تو کہا "کبرنا ونسینا والحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید" (ہم بوڑھے ہوگئے اور بھول گئے اور حدیث رسول کا معاملہ نازک ہے)۔

شعبیؒ فرماتے ہیں میں حضرت ابن عمرؓ کے یہاں ایک سال تک رہا، مگر ایک حدیث بھی بیان کرتے ہوئے ان سے نہیں سنا۔

(ابن ماجه مقدمه التوقی فی الحدیث ۲٦؛ سنن الدارمی مقدمه / من هاب الفتیا: ۲۷۹)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر باش خادم تھے اور ذہانت وفطانت میں بے مثال تھے، صحابہ کرامؓ کے درمیان ان کا علمی مقام تھا ان کے بارے میں عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ میں ان کے پاس ہر جمعرات کی شام کو آتا تھا، میں نے کبھی ان کو قال رسول اللہ کہتے ہوئے نہیں سنا، ایک مرتبہ آپ کے منہ سے قال رسول اللہ نکل گیا تو سر نیچے ڈال لیا، میں نے دیکھا کہ آپ کھڑے تھے، آپ کے کرتے کی بٹنیں کھلی ہوئی تھیں، آنکھیں ڈبڈبا گئیں رگیں پھول گئیں پھر فرمایا "أو دون ذالک أو فوق ذالک أو قریبًا من ذالک أو شبهًا بذالک" (یعنی آپ نے اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ یا اس سے قریب یا اس سے ملتی جلتی بات ارشاد فرمائی)۔ (سنن ابن ماجه مقدمه؛ التوقی فی الحدیث ۲۳؛ مصنف ابن ابی شیبه الأدب؛ فی هیبة الحدیث عن رسول الله ۲٦۷٤٦)

حضرت انس بن مالکؓ کا معمول تھا کہ کسی حدیث کو بیان کرکے فارغ ہوتے تو "أو کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہا کرتے تھے۔

(ابن ماجه مقدمه؛ التوقی فی الحدیث ۲٤؛ مسند احمد: ۱۲٦٥۰؛ مستدرک حاکم: ٦٥۳۳)

فرماتے تھے" انہ لیمنعنی أن أحدثکم حدیثًا کثیرًا ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من تعمد علی کذبًا فلیتبوأ مقعدہ من النار" مجھے کثرت سے حدیثیں بیان کرنے سے جو چیز مانع ہورہی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان من کذب ... الخ ہے، جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلی فرماتے ہیں "ادرکت فی ھذا المسجد عشرین ومئة من الانصار ومامنھم من یحدث بحدیث الا ودان أخاہ کفاہ"

(سنن الدارمی مقدمه / من هاب الفتيا: ۱۳۷)

ترجمہ: میں نے اس مسجد (کوفہ) میں ایک سو بیس انصار صحابیؓ ایسے دیکھے ہیں جو حدیث بیان نہیں کرتے اور ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ دوسرا بیان کردے۔

عہد تابعین وائمہ محدثین اور حفاظت حدیث

صحابہ کی طرح تابعین بھی حدیث کے سلسلے میں غایت درجہ محتاط رہتے تھے، اور احادیث کو بڑی تحقیق وتثبت کے بعد ہی بیان فرماتے تھے، ابن حبان فرماتے ہیں " ثم أخذ مسلکھم، واستن بسنتھم، واھتدی بھدیھم، فیما استنوا من التیقظ من الروایات جماعة من أھل المدینة من سادات التابعین منھم، سعید بن المسیب، والقاسم بن محمد بن أبی بکر، وسالم بن عبد اللہ بن عمر، و علی بن الحسین بن علی، وأبو سلمة بن عبد الرحمن بن عوف، وعبید اللہ بن عبد اللہ ابن عتبہ، وخارجة بن زید بن ثابت، وعروة بن الزبیر بن العوام

و ابوبكر بن عبدالرحمن بن الحارث بن هشام، وسليمان بن يسار فجدوا في حفظ السنن والرحلة فيها، والتفتيش عنها، والتفقه فيها، ولزموا الدين و دعوة المسلمين. (المجروحين: ج۱/ص۳۹)

ترجمہ: پھر صحابہ کے بعد حدیث کے باب میں احتیاط وتثبت میں مدینہ میں تابعین کی ایک جماعت صحابہ کے طرز پر قائم رہی جن میں سعید بن المسیب، قاسم بن محمد بن ابی بکر، سالم بن عبداللہ بن عمر، علی بن الحسین بن علی، ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوف، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، خارجہ بن زید بن ثابت، عروۃ بن الزبیر بن العوام، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ھشام اور سلیمان بن یسار رحمہم اللہ، ان لوگوں نے حدیث کی حفاظت اس کی تحقیق وتفتیش، حدیث کو سمجھنے، اور اس کے لیے سفر کرنے میں بڑی محنت وجانفشانی سے کام لیا، اور دین ودعوۃ المسلمین کو لازم پکڑا۔

اس کے بعد کے دور میں بھی تحقیق وتفتیش کا سلسلہ جاری رہا۔

" ثم أخذ عنهم العلم، وتتبع الطرق، وانتقاء الرجال، و رحل في السنن جماعة بعدهم منهم الزهري ويحي بن سعيد الانصاري، وهشام بن عروة، وسعد بن إبراهيم في جماعة معهم من أهل المدينة. (حوالہ بالا)

ترجمہ: پھر ان کے بعد ایک جماعت نے ان سے علم حدیث سیکھا، حدیث کے طرق کی تحقیق اور رجال کی چھان بین کی، اور سنن کو جمع کرنے کے لیے اسفار کیے جن میں امام زہری، یحی بن سعید الانصاری، ہشام بن عروہ، سعد بن ابرہیم اور ان کے علاوہ اہل مدینہ کی ایک جماعت۔

الحاصل! صحابہ کرامؓ کے یہاں نیز بعد کے دور میں ائمہ محدثین کے یہاں حدیث کے تعلق سے بڑی تحقیق وتفتیش اور احتیاط سے کام لیا جاتا تھا۔

باب دوم

شہ پاروں میں خزف ریزوں کی ملاوٹ

تفصیلات مذکورہ سے بخوبی معلوم ہوگیا کہ دورنبوی سے ہی حفاظت حدیث کا عہد بہ عہد کس قدر اہتمام تھا، اور حدیث کے اخذ ونقل میں کس قدر تحقیق وتفتیش اور چھان پھٹک کی جاتی تھی، مگر تاریخ کی اس تلخ حقیقت سے بھی انکارنہیں کیا جاسکتا کہ اسلام دشمنوں نے ذخیرۂ احادیث میں زہرافشانی اورفکری جولانی کے گل بھی بہت کچھ کھلائے، اوراحایث موضوعہ مکذوبہ کواحادیث صحیحہ ثابتہ کے نام پر رائج کردیا، اور کذب ووضع کا بازارگرم کردیا، اس لیے اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کذب فی الروایۃ کے متعلقات مثلاً وضع، واضع، موضوع کی حقیقت اوراس کے احکام وغیرہ پر کسی قدرروشنی لیتے چلیں، تاکہ اگلے مباحث میں بصیرت پیدا ہو۔

حدیث موضوع

تعریف/حکم

موضوع کی تعریف: امام نوویؒ نے کہا کہ "الموضوع هو المختلق المصنوع وهو شرّ الضعيف". (تدریب: ج۱/ص۲۷۴)

یعنی موضوع، من گھڑت بناوٹی روایت کا نام ہے اور یہ ضعیف کی بدترین شکل ہے۔

فائدہ: کسی راوی سے روایت حدیث میں جھوٹ بولنا ثابت ہوجائے، خواہ زندگی میں ایک بار ہی جھوٹ ثابت ہو، مگراس کی ساری حدیثیں موضوع کہی جائیں گی، اگرچہ اس کی

روایت کا موضوع ہونا قطعی نہیں "لانّ الکذوب قد یصدق" جھوٹا آدمی بھی کبھی سچ بولتا ہے، مگر ظن غالب کی وجہ سے اس کی روایتوں کو موضوع کہا جائے گا اور اس کی روایتیں عندالمحدثین قابل اعتبار نہ ہوں گی، البتہ ماہرین فن کو من جانب اللہ وہ نور اور ملکۂ راسخہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ موضوع کو غیر موضوع سے ممتاز کر لیتے ہیں۔

وجہ تسمیہ: علامہ ابن عراقؒ لکھتے ہیں لفظ "موضوع" کا مادہ وضع ہے، اس کے دو معنی آتے ہیں:

(۱) کسی شئ کو اس کے مقام سے نیچے کر دینا۔

(۲) ایک شئ کو دوسری شئ کیساتھ چپکا دینا۔

موضوع، حدیث چوں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہوتی اسلئے ظاہر ہے کہ وہ حدیث کے مقام سے گری ہوئی ہے، اور وہ حدیث کسی اور کی بات ہوتی ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے احادیث ثابتہ کے ساتھ چپکا دی جاتی ہے۔

الغرض! موضوع درحقیقت وہ روایت ہے جو واقع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہ ہو، لیکن اس کو راوی نے عمداً بطور کذب حضور اقدس ﷺ کی جانب منسوب کر دیا ہو۔

وضع حدیث کی صورتیں:

(الف) وضاع حضور ﷺ کی طرف کسی چیز کی جھوٹی نسبت کرنے والا اپنی طرف سے کوئی بات گڑھ کر اس کے لیے کوئی سند تجویز کر کے اس سند کے ساتھ اس کو روایت کرے۔

(ب) حکماء، یا اسلاف وصلحاء سے، یا اسرائیلیات میں سے کسی چیز کو لے کر اسے کسی سند کے ساتھ جوڑے۔

(ج) کسی ضعیف حدیث کے ساتھ سند قوی لگادے (اس صورت میں اصل نسبت تو جھوٹی نہیں ہوتی مگر قوی سند لگا کر اس کی قطعی نسبت کی جو صورت اختیار کر لی جاتی ہے وہ جھوٹ و کذب ہوتی ہے)

کیا موضوع حدیث کو حدیث کہا جا سکتا ہے؟

''موضوع'' درحقیقت حدیث کی فہرست میں شامل ہی نہیں، اسی لیے بہت سے محدثین نے انواع حدیث میں اس کو ذکر نہیں فرمایا، اور جن علماء نے اس کو اقسام حدیث میں شمار کیا ہے، یا اطلاقاً حدیث موضوع جیسے الفاظ کا استعمال کیا ہے، تو اس کی دو وجہ ہے۔

اول یہ کہ اس حدیث کا واضع اس کو حدیث میں شامل کرتا ہے۔

دوم یہ کہ جب تک تحقیق سے اس کا موضوع ہونا ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک حدیث کے نام پر مروی ہونے کی وجہ سے حدیث ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔

حدیث موضوع کی روایت کا حکم:

امام نوویؒ لکھتے ہیں " تحرم روایته مع العلم به فی ای معنی کان الامبیناً".

ترجمہ: اس کا بیان کرنا دانستہ حرام ہے خواہ کسی بھی معنی میں مگر یہ کہ اس کا موضوع ہونا بیان کر دیا جائے۔

ابن صلاحؒ لکھتے ہیں " ولا تحل روایته لاحد علم حاله فی ای معنی کان الامقرونا ببیان وضعه".

جو کوئی موضوع روایت کے موضوع ہونے کو جانتا ہے اس کے لیے اس کا بیان کرنا جائز نہیں الا یہ کہ وہ اس کا موضوع ہونا واضح کر دے۔

علامہ شریف جرجانیؒ کہتے ہیں " لایحل روایة الموضوع للعالم بحاله فی

ای معنی کان الا مقرونا ببیان الوضع"۔

ترجمہ: موضوع روایت کے واقف حال کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی بھی معنی میں اس کو بیان کرے الا یہ کہ اس کا من گھڑت ہونا واضح کرے۔

ان اقوال وکلیات سے یہ معلوم ہوگیا کہ روایت کا نہ صرف وضع کرنا حرام ہے، بلکہ ایسی جھوٹی حدیث کا بیان کرنا بھی حرام ہے اور یہ کہ بیان کرنے والا بھی گھڑنے والے کے زمرہ میں داخل ہے، یہ محدثین اور اصولین کی اپنی اختراع نہیں، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے، بروایت سمرہ بن جندبؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" من حدث عنی بحدیث یری انه کذب فهو أحد الکاذبین"۔ (مسلم باب تغلیظ الکذب)

جس نے میری طرف منسوب کرکے کوئی حدیث بیان کی حالاں کہ وہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے، تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک ہے۔

یہی نہیں بلکہ اگر صحیح حدیث بھی محض سنی سنائی یا ظن وتخمین کی بناء پر بیان کی جائے گی تو بیان کرنے والا گنہ گار ہوگا، حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں" و ان اتفق انه نقل حدیثًا صحیحًا کان اثمًا فی ذالک ینقل ما لا علم به و ان صادف الواقع کا ن اثمًا با قدامه علی مالم یعلم"۔

ترجمہ: اگر حدیث بیان کرنے والے نے اتفاقاً صحیح حدیث روایت کی تو اس میں بھی گنہ گار ہوگا کیوں کہ اس نے ایسی روایت نقل کی جس کا اسے علم نہ تھا اگر چہ وہ روایت واقعہ کے مطابق ہی ہو اس نے ایسی حدیث بیان کرنے کا اقدام کیا جس کا اسے علم نہ تھا، اور جس روایت کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ یہ موضوع ہے تو اس کو بیان کرنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں بلکہ حرام ہے اور بیان کرنے والا گنہ گار ہوگا۔

وضع حدیث پر وعید:

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار — رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ مع زیادۃ"۔

ترجمہ: جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے۔

علامہ نووی، حافظ ابن حجر، علامہ عینی، علامہ قسطلانی وغیرہ بہت سے حضرات نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث نہایت صحیح اور بے حد قوی ہے "و ھو فی غایۃ الصحۃ و نھایۃ القوۃ" اس پر تو اتفاق ہے کہ یہ روایت معناً متواتر ہے اور محدثین کی ایک جماعت نے اس کو لفظاً متواتر کہا ہے اس لیے کہ یہ روایت صحابۂ کرامؓ کی بڑی جماعت سے مروی ہے۔

امام ابوبکر صیرفی نے رسالۃ الشافعی کی شرح میں لکھا کہ ساٹھ سے زیادہ صحابہ سے یہ روایت مرفوعاً منقول ہے اور بعض حفاظ نے کہا ہے کہ باسٹھ صحابہ اس کے راوی ہیں، جن میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں۔

اور ابوالقاسم بن مندہ نے فرمایا: "رواہ اکثر من ثمانین نفسا و قال النووی سبعۃ و ثمانین و جمع طرقہ ابن الجوزی فی مقدمۃ کتاب الموضوعات فجاوز التسعین و بذالک جزم ابن دحیہ ثم جمعھا الحافظان یوسف ابن خلیل الدمشقی و ابو علی البکری و ھما متعصران فوقع لکل منھما مالیس عند الآخر و تحصل من مجموع ذالک کلہ روایۃ مائۃ من الصحابۃ رضی اللہ عنھم"۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۵۷، فتح الباری ج ۱ ص ۱۸۱)۔

ترجمہ: یہ روایت اسی سے زائد حضرات نے نقل فرمائی ہے امام نووی نے فرمایا کہ ستاسی حضرات نے ابن الجوزی نے اپنی کتاب "الموضوعات" کے مقدمہ میں اس

روایت کے تما طرق کو جمع کیا، تو اس کی تعداد نوے سے بھی متجاوز ہوگئی اور اسی پر ابن دحیہ نے اعتماد کیا ہے اور حافظ یوسف بن خلیل دمشقی اور ابوعلی البکری نے اپنی اپنی روایات کو اکٹھا کیا تو مجموعہ سو تک پہونچ گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت سو صحابہؓ سے منقول ہے، پھر عینیؒ اور حافظؒ نے صحاح حسان وغیرہ کی تفصیلات اور صحابہ کرامؓ کے اسماء گرامی کو بھی بیان کیا ہے، علامہ نوویؒ فرماتے ہیں " وقال بعضهم رواه مائتان من الصحابةؓ ". (حاشية مسلم ج ۱ /ص ۸)

یعنی: بعض محدثین کی تحقیق ہے کہ اس حدیث کو دو سو صحابہ کرامؓ نے نقل کیا ہے۔

علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں" من تعمد علي كذبًا عام في جميع أنواع الكذب لان النكرة في سياق الشرط كالنكرة في افادة العموم" وقال ايضًا "الامر ـ ههنا معناه الخبر اى ان الله تعالى يبوئه مقعده من النار أو امر على سبيل التهكم والتغليظ أو امر تهديد او دعاء على معنى بوئه".

ترجمہ: "من تعمد عليّ كذبًا" میں کذب کی تمام انواع داخل ہیں، کیوں کہ اس میں نکرہ تحت الشرط پایا جاتا ہے جو نکرہ تحت النفی کی طرح عموم کا معنی دیتا ہے، اور اس حدیث میں " فليتبوأ" میں صیغۂ امر خبر کے معنی میں ہے، یا امر کے ہی معنی میں ہے، لیکن امر تہکم، تغلیظ، تہدید یا بددعاء کے لیے ہے۔

نتیجۂ مجموعۂ روایات سے ثابت ہے کہ حضورؐ پر جھوٹ بولنا اور تہمت لگانا، یا کسی قول یا فعل کی نسبت آپ کی جانب کرنا جو حضورؐ نے نہیں فرمایا یا نہیں کیا، اشد کبائر میں سے ہے۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ "إذا كذب عليه بانه رآه في المنام فهوا يضًا داخل تحت الوعيد، و قال ايضًا ثم

ختم الأربعة بحديث أبي هريرة لما فيه من الاشارة إلى إستواء تحريم الكذب عليه في كل حال سواء كان في اليقظة أو في المنام".

(عمدة القاری ج۲/ص ۱۷۵؛ فتح الباری ج۱ ص ۱۸۱)

یعنی آپ ﷺ پر جھوٹ باندھنا بیداری کے واقعات و معاملات سے متعلق ہو یا عالم خواب سے، دونوں حرام اور وعید مذکور میں داخل ہیں۔

وضع حدیث اور واضعین حدیث کا شرعی حکم

کیا اسلام میں وضع حدیث کی کوئی گنجائش ہے؟

اس مسئلہ کو محقق کرتے ہوئے محدث شہیر حضرت مولانا عبدالجبار معروفی اعظمیؒ نے لکھا ہے کہ اس سلسلے میں دو مذہب پائے جاتے ہیں:

(۱) مذہب اہل سنت والجماعت۔

(۲) مذہب فرقۂ کرامیہ۔

(۱) مذہب اہل سنت والجماعت

مذہب اہل سنت والجماعت کے تقریباً تمام علماء کا اجماع ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جن علماء کا اجماع میں اعتبار ہے ان کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ متعمداً کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً حرام ہے اور اکبر الکبائر میں سے ہے، چاہے احکام میں ہو یا ترغیب وترہیب میں۔

لیکن جمہور کے نزدیک کفر نہیں، البتہ اشد کبائر میں سے ہے، مگر امام الحرمین کے والد ابو محمد جوینی جو بہت بڑے عالم تھے اور اپنے زمانہ میں اجتہاد مطلق کے مدعی تھے، ان کا

فتویٰ یہ ہے کہ جان بوجھ کرایسا کرنے والا کافر ہے، کیوں کہ یہ افتراءعلی اللہ ہےاور غیر دین کو دین بنانا ہے، ابومحمد جوینی درس میں بکثرت فرماتے تھے: "من كذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم عمدًا كفروا ريق دمه" اورمتاخرین میں سے شیخ ناصرالدین بن المنیر مالکیؒ اوران کے چھوٹے بھائی شیخ زین الدین بن المنیر بھی اس کے مؤید ہیں۔

(فیض الباری: ج ۱/ص ۲۰۱)

لیکن جمہور، ان کے قول کو تسلیم نہیں کرتے، یہاں تک کہ ابومحمد جوینی کے صاحبزادے امام الحرمین نے بھی اپنے والد کے قول کی تردید کی ہے، اسلئے کہ ان کا قول اصول اسلام کے خلاف ہے۔

شیخ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ جس سے ایک مرتبہ بھی کذب علی النبی ثابت ہوجائے اس کی کوئی روایت کبھی بھی قبول نہیں ہوگی، علماء کرام کی ایک جماعت کی تحقیق یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے مجروح ہوگیا، توبہ کے بعد بھی اسکی روایت قبول نہ ہوگی، اگرچہ خالص توبہ سے امید ہے کہ گناہ معاف ہوجائیں گے، لیکن قبول روایت کے بارے میں اس کی توبہ بالکل مؤثر نہ ہوگی، امام احمد بن حنبلؒ اور امام بخاریؒ کے شیخ ابوبکر حمیدی اور فقہاء شافعیہ میں سے ابوبکر صیرفی کا مسلک یہی ہے، تدریب میں علامہ سیوطیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

(عمدۃ القاری: ص ۱۴۹)

(۲) مذہب فرقۂ کرامیہ اوران کے دو استدلال

فرقۂ کرامیہ کا مسلک یہ ہے کہ ترغیب وترہیب میں احادیث کا وضع کرنا جائز ہے، اس لیے کہ احادیث میں "من كذب علي" کا لفظ ہے اور "علی" ضرر کے لیے آتا ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں احادیث کا وضع کرنا تو حرام ہے، ترغیب و

ترہیب اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں وضع احادیث میں کوئی مضائقہ نہیں۔

کرامیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مسند بزار میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے:

"من كذب علي ليضل به الناس". (فتح الباری: ج ۱/ص ۱۷۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اضلال اور گمراہ کرنے کے ارادہ سے وضع ممنوع ہے اور جہاں نیکی کی ترغیب اور برائی سے ترہیب کے ذریعہ اصلاح مقصود ہو، اس میں کوئی حرج نہیں۔

اہل حق کی جانب سے دس جوابات:

(۱) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ " لاتكذبوا علي " کے معنی " لا تنسبوا الیّ الكذب " اور یہ حدیث ہر قسم کے کذب کے لیے عام ہے خواہ بظاہر آپ کی تائید کے لیے ہو یا مخالف، اور لفظ علی کا مفہوم یہاں معتبر نہیں، کیوں کہ جب حضور اکرمؐ نے مطلق کذب سے منع فرمایا ہے تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی کذب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوگا، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں علی اور لہ کا فرق بیان کرنا غلط اور اہل حل وعقد کے اجماع کے خلاف ہے، لسان عرب اور خطاب شرع سے جہالت پر مبنی ہے اس لیے کہ تائید میں ہو یا تردید میں بہر صورت یہ کذب ہے، اور حضورؐ نے مطلق کذب سے منع فرمایا ہے نیز ان کا یہ قول آیات قطعیہ اور احادیث صحیحہ کے بھی مخالف ہے۔

(۲) مسلم شریف کی روایت میں تو علی کا لفظ ہی نہیں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "من حدث عني بحديث يرى انه كذب فهو احد الكاذبين".

ترجمہ: جس نے میری طرف سے کوئی ایسی حدیث بیان کی جس کے متعلق اس کا ظن غالب یہ ہے کہ جھوٹی ہے تو ایسا شخص بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔

"قال النووی، الرواية المشهورة ضم الياء في يرى و الكاذبين

بكسر الباء على الجمع"۔ (عینی)

مشہورروایت تو یہی ہے کہ " یری" مجہول کا صیغہ ہے" یظن" کے معنی میں ہے اورکاذبین کالفظ جمع ہے باءمکسورہے،نون مفتوح ہے،بعض لوگوں نے" یــری" کومعروف بتایاہے" یعلم" کے معنی میں اورکاذبین کوتثنیہ کہاہے،باءمفتوح ہےاورنون تثنیہ مکسورہوتا ہی ہے،اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگاکہ دوجھوٹوں میں سے ایک،موضوع حدیث کو بیان کرنے کے بعد یہ ظاہرکردے کہ یہ موضوع ہے تاکہ اس کو بیان کرنے والا دوسرا جھوٹا،البتہ موضوع حدیث کو بیان کرنے کے بعد یہ ظاہر کردے کہ یہ موضوع ہے تاکہ اس پر اعتماد نہ کریں تو یہ جائز ہے بلکہ موجب اجر ہے،اس روایت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ علی اورلہ کا فرق لغو ہے۔

(۳)اللہ تعالیٰ کاارشادہے:" و لا تقف مالیس لک به علم ان السمع و البصر و الفؤاد کل اولٰئک کان عنه مسئولاً"

ترجمہ:اوراس بات کے پیچھے نہ پڑوجس کاتم کوعلم نہیں،بیشک کان اورآنکھ اوردل سب سے پوچھ گچھ ہونی ہے۔

یعنی جس چیزکودیکھانہ ہواس کی نسبت یہ نہ کہوکہ میں نے دیکھاہے،اورجس کوسنانہ ہواس کی نسبت نہ کہوکہ میں نے سناہے،اورجس بات کایقینی علم نہ ہو،اٹکل پچھواس کے پیچھے ہولینااوربلاتحقیق اس پرعمل درآمدکرنایادعوی کرناکہ یہ بات تویوں ہی ہےٹھیک نہیں،یادل سے کسی بات کو،گھڑکرکسی بات کی طرف منسوب کرناوغیرہ کسی طرح درست نہیں،کیوں کہ قیامت کے دن،کان،آنکھ،دل سب سے سوال ہوگا،علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس فرقہ ضالہ نے آیت مذکورہ اورصریح احادیث متواترہ کی مخالفت کی"و خـالـفـوا اجماع اهل

الحل والعقد و غير ذالک من الدلائل القطعيات في تحريم الكذب على احاديث الناس فكيف بمن قوله شرع وكلامه وحي الخ".

(شرح مسلم شریف: ج۱/ص۸)

(۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحي يوحى فكان من قال كذبًا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كذا ادعى ان الله تعالى اوحى اليه بكذا. كذا قال السنوسي". (فتح الملہم: ج۱/ص۱۲۳)

پس کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت کذب علی اللہ ہے جس کو کوئی بھی جائز نہیں سمجھتا، کرامیہ بھی جائز نہیں کہتے۔

(۵) "ليضل به الناس" کی زیادتی کا مختصر اور بہترین جواب یہ ہے کہ "هذه زيادة باطلة اتفق الحفاظ على ابطالها وانها لاتعرف صحيحة بحال". (نووی)

علامہ عینی بھی یہی فرماتے ہیں: "هذه الزيادة باطلة اتفق الحفاظ على بطلانها".

حافظ فرماتے ہیں "وتمسك بعضهم بما ورد في بعض طرق الحديث من زيادة لم تثبت".

حاصل یہ ہے کہ " ليضل به الناس" کی زیادتی ثابت نہیں لہٰذا اس سے استدلال بھی درست نہیں۔

(۶) اگر اس زیادتی کو صحیح بھی مان لیا جائے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن عزیز میں بھی ہے " فمن اظلم ممن افترى على الله كذبًا ليضل الناس" لیکن اجماع ہے افتراء علی اللہ کسی صورت میں بھی جائز نہیں، چاہے کسی آیت کے مضمون کی تائید میں ہو یا

تردید ومخالفت میں، پس حدیث میں بھی یہی معنی مناسب ہے اور کذب علی الرسولؐ مطلقاً ممنوع ہونا چاہیے۔

(۷) امام طحاویؒ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ قید احترازی نہیں بلکہ یہ قید واقعی ہے، عموماً وضاعین کا مقصد اضلال ہی ہوتا ہے، جیسے "لاتقتلوا أولادکم خشیة املاق" میں خشیۃ املاق کی قید احترازی نہیں بلکہ قید واقعی ہے کہ تنگدستی وغیرہ کے ڈر سے لوگ قتل اولاد کے مرتکب ہوتے تھے، اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کردیا کرتے تھے، اس لیے اس کی قباحت وشناعت ظاہر کرنے کے لیے یہ عنوان اختیار فرمایا، کیوں کہ اس میں قطع رحمی بھی ہے، انتہائی دنائت بھی، کہ مجبور محض کو قتل کرنا کمینہ پن اور حد درجہ کا ظلم ہے کہ اس سے اب تک کسی قسم کا نقصان نہ پہونچا، پھر خدا کی رزاقیت پر اعتماد نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔

علی ہذا القیاس "لاتأکلوا الربوٰ أضعافاً مضاعفة" میں "اضعافاً مضاعفة" کی قید واقعی ہے، اس لیے کہ جہال عرب سود در سود لیا کرتے تھے، اس لیے اس آیت میں سود کی ممانعت کی گئی، اس زیادتی پر توبیخ کرتے ہوئے جو اس زمانہ میں معمول ورائج تھی، حاشا وکلا اس کا یہ مطلب نہیں کہ سود در سود نہ ہو تو جائز ہے، پس آیت وحدیث میں "لیضل" کا لفظ بھی اس امر قبیح کی شدت وخطرناکی پر متوجہ کرنے کے لیے ہے۔

(۸) "لیضل" میں اگر لام تعلیل کے لیے ہوتا تو کرامیہ کے استدلال کی گنجائش ہوتی اور لام تعلیل کے لیے کوئی دلیل نہیں، بلکہ نصوص قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ لام عاقبت کے لیے ہے، یعنی رسول اللہؐ کی جانب جھوٹی نسبت کا انجام ونتیجہ ضلال ہے، جیسے آیت کریمہ: "فالتقطه آل فرعون لیکون لهم عدوًا وحزنًا" میں مصیرورت وعاقبت کے لیے ہونا ہی ضروری ہے اور اس کے نظائر قرآن وحدیث میں

بکثرت موجود ہیں۔

(۹) یہ تو مسلمات میں سے ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق سے زیادہ فصیح و بلیغ تھے، مرضیات ربانی اور مزاج امت سے بھی سب سے زیادہ واقف تھے، رحمۃ للعالمین اور بالمؤمنین رؤف رحیم تھے، اس لیے ترغیب و ترہیب کے مضامین کو بھی باحسن وجوہ بیان فرما گئے، لہٰذا ترغیب و ترہیب اور اصلاح امت میں بھی کسی جدید عنوان کا لانا عبث ہے اور اس کی ضرورت محسوس کرنا اللہ تعالیٰ کے حبیب کی توہین ہے، نیز ادعاء تفوق اور فساد عقیدہ ہے، کیوں کہ اسکا منشا تو یہ ہوا کہ (العیاذ باللہ) حضور اقدس ترغیب و ترہیب کے جو مضامین فرما گئے وہ انسانوں کی رہبری کے لیے کافی نہیں اور اس کمی کو یہ واضعین پورا کر رہے ہیں" ولا یقول به الا زندیق جاهل " اس لیے اگر بالفرض والتقدیر " علی " کو ضرر ہی کے لیے تسلیم کیا جائے، تب بھی کذب علی النبی کسی عنوان سے جائز نہیں ہوسکتا، کیوں کہ کوئی صورت ضرر سے خالی نہیں۔

(۱۰) ترغیب و ترہیب میں وضع احادیث کا نتیجہ بسا اوقات بڑا خطرناک ہوتا ہے، کیوں کہ چھوٹے عمل پر بہت زیادہ ثواب بتا دیا جائے تو انسان اسی پر اعتماد کر کے فرائض و واجبات و سنن کا اہتمام ترک کر دیتا ہے، اسی طرح کسی چھوٹے یا بڑے گناہ پر بہت زیادہ وعیدیں وضع کر کے بتا دی جائیں تو انسان مایوس ہو جاتا ہے، اور خیال کرتا ہے کہ ہماری بخشش تو ہو نہیں سکتی، پھر کسی نیکی سے کیا فائدہ! اجتناب عن السیئات اور خواہشات نفسانی کے ترک سے کیا حاصل! اور یہ صرف احتمال ہی نہیں بلکہ واقعات ہیں جن کو لکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا، اس لحاظ سے بھی وضع کی اجازت نہیں ہوسکتی۔ (امداد الباری: ج ۲/ص ۴۸ تا ۵۰ بتغییر یسیر)

ایک اہم فائدہ:

اس عنوان پر ایک سوال کے جواب میں محدث عصر حضرت مولانا شیخ یونس صاحب جونپوری دامت برکاتہم نے بہت بنیادی مراجع کے حوالوں سے محقق اور بصیرت افروز کلام فرمایا ہے کہ موضوع یعنی جعلی روایات بنانا حرام ہے کرامیہ اور بعض جاہل صوفیوں سے جو اس کا جواز نقل کیا جاتا ہے یہ ان کی جہالت ہے، وضع روایت بہر حال حرام ہے "قال النبي صلى الله عليه وسلم من كذب علي متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار" رواه الشيخان وهذ الحديث قدروی عن جماعة كثيرة تزيد على ثمانين نفسًا و أحاديثهم موجودة بل يبلغون المأة) اور احادیث موضوعہ کو نقل کرنا بھی ناجائز ہے، الا یہ کہ بیان کرتے وقت تصریح کردے تو کوئی حرج نہیں ہے " قال النبي صلى الله عليه وسلم من حدث عني بحديث يرى انه كذب فهو أحد الكاذبين" (رواه مسلم في المقدمة: ص ٦ ؛ والترمذي: ص ٩١) وابن ماجه وابن حبان و البيهقي في المدخل ص ٣٢. عن المغيرة بن شعبة ومسلم في المقدمة و ابن حبان والبيهقي في المدخل عن سمرة بن جندب وابن ماجه عن علي قال السندي في حاشية ابن ماجه: ص ١٠) قوله فهو أحد الكاذبين قال النووي المشهور رواية بصيغة الجمع أي فهو واحد من جملة الواضعين و المقصود ان الرواية مع العلم بوضع الحديث كوضعه قالوا هذا اذا لم يبين وضعه، وقد جاء بصيغة التثنية والمقصود ان الراوي له يشارك الواضع في الاثم. اهـ.

وقول السندي إن الرواية مع العلم بوضع الحديث يبنى على رواية يرى بفتح المثناه التحتية وقد روى بضمها ومعناه يظن وكذا على رواية الفتح

اذا كان ماخوذا من الراى لا من الرؤ ية، وأخرج أحمد و الترمذى (٢/ ١٩١) و عن ابن عبا س قال : قال رسو ل اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم اتقوا الحديث عني الا ما علمتم فانه من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار قال النووى فى شرح المسلم (١/ ٨) تحرم رواية الحديث الموضوع على من عرف كونه موضوعاً او غلب على ظنه وضعه فمن روى حديثاً علم او ظن وضعه ولم يبين حال روايته وضعه فهو داخل فى هذ الوعيد مندرج فى جملة الكاذبين على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، و يدل عليه الحديث السابق من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين و قال أبو عمرو ابن الصلاح فى علو م الحديث (ص ٨٩) اعلم أن الحديث الموضوع شر الاحاديث الضعيفة لا تحل روايته لاحد علم حاله فى اى معنى كان الا مقرونًا ببيان وضعه وقال الحافظ بن حجرؒ فى شرح النخبة (ص ٨٥) واتفقوا على تحريم رواية الموضوع الا مقروناً ببيانه لقوله صلى اللّٰه عليه وسلم من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو احد الكاذبين اخرجه مسلم انتهى . وقد تم كلام العلامة السيوطى فى بيان حكم الضعيف.

اور جب موضوع روایات بنانا اوران کانقل کرنا جائز نہیں تو ان پرعمل کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے، امام بیہقیؒ المدخل میں احادیث ضعیفہ متفق علیہا کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں (ص۳۲):"ضرب رواه من كان معروفًا بوضع الحديث وا لكذب فيه فهذ الضرب لا يكو ن مستعملاً فى شيء من امور الدين (ولا يجوز ذكره الأعلى وجه التبيين"۔

اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ اور سمرہ بن جندب کی احادیث سابقہ دلیل میں پیش کی ہیں علامہ شمس الدین الرملی اور علامہ علاء الدین الحصکفی صاحب الدر المختار فرماتے ہیں (ص۸۷): "اما الموضوع فلا یجوز العلم به بحال ولا روایة الا اذا قرن ببیانه. اھ

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں " قوله بحال أی وَ لو فی فضائل الأعمال قال الطحطاوی ای حیث کان مخالفًا للقواعد الشرعیة اما لو کان داخلاً تحت اصل عام فلا مانع منه لا لجعله حدیثاً بل لدخوله تحت الاصل العام. اھ. قال ابن عابدین فتامل"۔

بندے کے خیال میں علامہ طحطاویؒ کا کلام صحیح نہیں ہے اس لیے کہ جب موضوع روایت حضور اکرام صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی نہیں تو اس پر عمل کیسے جائز ہوسکتا ہے اور اگر وہ اصل عام کے تحت داخل ہے تو عمل اس عام پر ہوگا نہ کہ اس باطل موضوع روایت پر علامہ شامی نے فتامل سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

(مولانا) بندہ محمد یونس (صاحب)

(از نوادر الحدیث: ص ۱۲۷ تا ۱۲۹)

باب سوم

موضوع حدیثوں کا چلن کیوں کر ہوا؟

اب یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حدیث کے باب میں اتنی احتیاط برتی جاتی تھی تو پھر ذخیرۂ احادیث میں موضوعات کیوں کر در آئیں۔ محدثین کرام نے اس کی بنیاد اور اس کے پس منظر اور پیش نظر کا مکمل سراغ لگایا اور بتلایا کہ اس کی خشت اول میں کس کس کا ہاتھ تھا، اور پھر کون کون سے افراد وگروہ شریک کار رہے، اور ان کے بنیادی مقاصد کیا کیا تھے، اور ان کے وضع وکذب کا کیا انجام سامنے آیا، پھر علماء امت نے کس طرح اور کیسا مستحکم و مضبوط دفاع کیا اور کس طرح شریعت مطہرہ کا منور چہرہ بے غبار محفوظ رہا، اس کی پوری تفصیل انشاء اللہ العزیز یہاں پر پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی " **وما اريد إلا الاصلاح ما استطعت وما توفيقي الا بالله**" ہم ابن الجوزیؒ کی "**الموضوعات**" کے مقدمہ اور اسی طرح علامہ ابن العراق کنانی کی "**تنزيه الشريعة**" کے مقدمہ اور بعض دوسری کتب سے استفادہ کرکے ان اسباب وعوامل اور احوال واشخاص کو ذکر کرتے ہیں، جن کی وجہ سے موضوعات کا چلن ہوا۔

واضعین حدیث کی اقسام وتقسیمات

موضوع حدیثوں کا رواج دو طریقوں سے ہوا، کچھ تو وہ لوگ تھے جو عمداً موضوع حدیثیں روایت کرتے یا گھڑتے تھے، اور کچھ لوگ وہ تھے، جو عمداً یہ کام نہیں کرتے مگر حافظہ وغیرہ کی خرابی کی وجہ سے ان کی حدیثوں میں موضوعات آجاتی تھیں۔

تقسیم اول:

وہ لوگ جن سے بلا ارادہ محض سوءِ حفظ اور نقص اتقان کی بنا پر وضع وکذب اور غلط و خطا کا صدور ہو جاتا تھا ان کی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ لوگ جن پر زہد وتصوف کا غلبہ تھا ان کے یہاں حدیثوں کو حفظ کرنے اور کھرے کھوٹے کی تمیز کرنے کا اہتمام نہیں تھا، ان میں کچھ تو وہ تھے جن کی کتابیں ضائع ہو گئیں، یا جل گئیں یا کہیں دفن ہو گئیں، پھر انہوں نے اپنے حافظہ سے بیان کیا، تو غلطیاں ہوئیں یہ لوگ کبھی مرسل کو مرفوع، مسند کو موقوف کر دیتے، کبھی اسناد بدل دیتے کبھی ایک حدیث دوسری حدیث میں داخل کر دیتے۔

دوسری قسم: وہ لوگ ہیں جن کا مشغلہ روایت حدیث کا نہیں تھا، انہوں نے روایت بیانی شروع کر دی تو ان سے بھی پہلی قسم کے لوگوں کی طرح غلطیاں سرزد ہوئیں۔

تیسری قسم: وہ ثقہ رواۃ ہیں جن کو اخیر عمر میں اختلاط ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے ان کی حدیثیں خلط ملط ہو گئیں۔

چوتھی قسم: وہ لوگ ہیں جن پر سادہ لوحی یا غفلت کا غلبہ تھا، ان میں کچھ تو وہ تھے جن کو مصنوعی حدیثیں تلقین کی جاتیں (لقمہ دیا جاتا) وہ انہیں قبول کر لیتے، اس طرح ان لوگوں کی مرویات میں موضوع روایتیں داخل ہو گئیں۔

یہ چار قسمیں ان لوگوں کی تھیں جن کی روایات میں موضوعات نادانستہ طور پر آ گئیں تھیں۔

فائدہ

صوفیاء اور زاہدین کی روایات کے معتبر نہ ہونے کے متعلق ایک سوال کے جواب میں محدث عصر حضرت مولانا شیخ محمد یونس صاحب جونپوری دامت برکاتہم نے بڑی عمدہ اور تحقیقی بات ارشاد فرمائی ہے وہ پیش کی جارہی ہے۔

سوال: محدثین عظام ان صوفیاء کرام کا، باب حدیث میں عموماً کیوں اعتبار نہیں کرتے ہیں حالاں کہ یہ اعلیٰ منزلۃ یوم القیامۃ ہوں گے؟

جواب: صوفیاء کی روایت کا علماء نے اس لیے اعتبار نہیں کیا کہ یہ حضرات عبادت میں مشغول ہو کر پھر علم کی طرف پورے طور پر متوجہ نہیں ہو سکتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی روایات میں اوہام وغیرہ بکثرت پائے جاتے ہیں، نیز ان کا حسن ظن اتنا بڑھ جاتا ہے کہ نقد و تبصرہ کرتے نہیں اور ہر کہ ومہ کی روایت بغیر تفتیش کے لے لیتے ہیں؛ اسی وجہ سے ان کی روایت میں ضعاف ومناکیر وموضوعات بکثرت موجود ہیں، ابو طالب مکی کی قوت القلوب اور تصانیف امام غزالی اور ابو عبد الرحمٰن سلمی وغیرہ دیکھنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے۔ علامہ تاج الدین السبکی نے تو وہ ساری روایات یکجا کر دی ہیں جو امام غزالی نے احیاء العلوم میں ذکر فرمائی ہیں، اور وہ کہیں ملتی ہی نہیں، اور سیکڑوں کی تعداد میں ہیں، اگر چہ بہت سی ایسی بھی روایات ہیں جو لفظاً یا معنیً موجود ہیں، اور بات تو یہ ہے "لکل فن رجال" صوفیا کا قابل احترام ہونا سر آنکھوں پر لیکن اس سے کہاں لازم آتا ہے کہ جو فن ان کا نہیں ہے ان کی بات بھی اس میں تسلیم کی جائے، یحییٰ القطان فرماتے ہیں:" لم نر الصالحين في شيء اكذب منهم في الحديث وفي لفظ لم نر أهل الخير في شيء اكذب منهم في

الحدیث" (ص۱۴)۔امام مسلم اس کی شرح فرماتے ہیں: "یجری الکذب علی لسانھم ولا یتعمدون الکذب" امام نووی فرماتے ہیں: "و ذالک لکونھم لایعانون صناعۃ اھل الحدیث فیقع الخطأ فی روایاتھم ولا یعرفونہ ویروون الکذب ولایرون انہ کذب. إنتھی" لیکن جن صوفیاء نے اس فن کو بھی اپنایا ہے کسی نے بھی ان کی روایت رد نہیں فرمائی مثلاً حضرت امام ابو اسماعیل الانصاری الہروی المتوفی ۴۸۱ھ صاحب "منازل السائرین" صوفیاء میں بھی ہیں اور محدث بھی ہیں ان کی تالیف "منازل السائرین" تصوف کی مشہور تالیف ہے جس کی حافظ ابن القیم نے نہایت مبسوط شرح مدارج السالکین کے نام سے لکھی ہے اسی طرح امام مسلم کے تلمیذ ابو احمد الجودی وغیرہ سارے ہی صوفیاء زاہدین میں سے ہیں، اور لوگوں نے ان کی روایات لی ہیں، ابو عبد اللہ یونینی محدث کبار صوفیاء میں سے ہیں، حضرت شیخ عبد اللہ البطائحی سے خرقۂ تصوف حاصل کیا جو حضرت شیخ عبد القادر الجیلانی کے لوگوں میں ہیں اور یونینی مشہور حافظ حدیث بھی ہیں حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں مستقل طور پر ان کا ذکر کیا ہے۔ (۲۲۳/۴)۔ اسی طرح عبد الرحمٰن بن محمد الداودی المتوفی ۴۶۷ھ مشہور صوفی ہیں، حافظ سمعانیؒ الانساب میں فرماتے ہیں کہ "لہ قدم راسخۃ فی التصوف" اور یہ بخاری شریف کے رواۃ میں ہیں، علامہ ابن دقیق العید اور ابن ہمام وغیرہما کا صوفی ہونا تو اظہر من الشمس ہے اور الحمد للہ ہمارے مشائخ سلسلۂ ولی اللہی تو اکثر ہی صوفی ہیں اور پھر ساتھ ہی حدیث کے امام "وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء" واللہ اعلم!

بندہ محمد یونس

۱۱/ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ (نوادر الحدیث: ص ۱۳۸ تا ۱۳۹)

تقسیم دوم:

وہ لوگ جو دیدہ و دانستہ موضوع روایتیں بیان کرتے تھے یا خود گھڑتے تھے، ان کی روداد اور کہانی تو طویل ہے جسے تفصیلاً تو آگے چل کر ہم چھیڑیں گے یہاں اجمالاً اس قدر عرض ہے کہ صحابہ، حدیث کے سلسلے میں غایت درجہ محتاط تھے، اور ان کے ساتھ تابعین کرام بھی اسی نہج پر قائم تھے، یہ سلسلہ حضرت عثمان غنیؓ کے اخیر خلافت سے پہلے پہلے تک رہا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانہ، خلافت میں جب خلفشار شروع ہوا، اور گروہ بندیاں ہوئیں تو موقع کو غنیمت جانتے ہوئے دشمنان اسلام نے مسلمانوں کی صفوں میں گھس کر حدیثیں گھڑنا شروع کیں، ابن سبا یہودی نے اس کی داغ بیل ڈالی، حب علی کا لبادہ اوڑھ کر حضرت علیؓ کی مدحت اور ان کے خلیفۂ بلا فصل ہونے پر حدیثیں گھڑیں، مختلف علاقوں میں جا کر اپنا نظریہ پھیلایا، نادان مسلمان اس کے اس جال میں پھنس گئے، اس طرح وضع حدیث کا یہ سلسلہ آگے بڑھتا گیا بہت سے لوگ اپنے مفاد اور موقع کے مناسب حدیثیں گھڑ کر اپنا مقصود حاصل کرتے، کچھ تو وہ لوگ تھے، جو خود نہیں گھڑتے تھے، مگر موضوعات کو روایت کرتے اور فروغ دیتے تھے، علامہ ابن الجوزی نے ان لوگوں کو اولاً تین قسموں پر منقسم کیا ہے۔

پہلی قسم: وہ لوگ جو نادانستگی میں غلط بیان کر گئے، مگر جب صحیح کا علم ہوا تو ذلت کے ڈر سے اپنی غلطی پر اڑے رہے، اور رجوع نہیں کیا۔

دوسری قسم: وہ لوگ جو کذابین اور ضعفاء سے دانستہ طور پر روایتیں لیتے اور تدلیس سے کام لیتے یہ لوگ بھی بمنزلہ کذابین کے ہیں کیوں کہ حدیث پاک میں آیا ہے، "**من حدث عني يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين**" (جو میری طرف سے کوئی حدیث غلط جانتے ہوئے بیان کرے وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک ہے) اس قسم میں وہ لوگ بھی داخل

ہیں جنہوں نے ایسے شیوخ سے روایتیں لیں جنہیں کبھی دیکھا تک نہیں۔ جیسے ایک شخص ہے عبداللہ بن اسحاق کرمانی، یہ روایت کرتا ہے محمد بن ابی یعقوب سے جبکہ اس کی ولادت سے تین سال پہلے ہی محمد بن یعقوب دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، اسی طرح ایک دوسرا راوی ہے محمد بن حاتم الکتی یہ عبد بن حمید کی سند سے حدیثیں سناتا تھا تو شیخ ابو عبداللہ حاکم نے جب سنا تو فرمایا یہ کمبخت عبد بن حمید کی وفات کے تیرہ سال کے بعد سننے کا دعوی کر رہا ہے۔

تیسری قسم: ان لوگوں کی ہے جنہوں نے دانستہ طور پر بذات خود غلط بیانیاں کیں، یہ لوگ کبھی اسانید میں کذب بیانی کرتے مثلاً کسی ایسے شخص سے روایت بیان کرنے لگ جاتے جن سے سنا ہی نہیں، اور کبھی حدیث کو جس راوی سے مشہور و معروف ہوتی تھی کسی غیر معروف راوی کی طرف منسوب کر دیتے تھے، اور کبھی حدیث ہی گھڑتے تھے۔

تقسیم سوم:

اوپر کی ذکر کردہ تیسری قسم یعنی وہ لوگ جو بذات خود کذب بیانی کا ارتکاب کرتے ہیں ان کی سات قسمیں ہیں:

پہلی قسم: زنادقہ جن کا مقصد شریعت میں تحریف کرنا، اس کے تعلق سے شکوک و شبہات پیدا کرنا تھا، جیسے عبدالکریم بن أبي العوجاء یہ معن بن زائدہ کا ماموں اور حماد بن سلمۂ کا ربیب تھا، حماد بن سلمہ کی کتابوں میں حدیثیں گھڑ کر ڈال دیا کرتا تھا، جب پکڑا گیا اور محمد بن سلیمان کے پاس لایا گیا تو اس نے اس کے قتل کا حکم دے دیا، جب اسے اپنے قتل کا یقین ہوگیا تو اس نے اعتراف کیا "واللہ لقد وضعت فیکم أربعة آلاف حدیث، أحرم فیها الحلال وأحل فیها الحرام، ولقد فطرتکم في یوم صومکم، وصومتکم في یوم فطرتکم".

ترجمہ: قسم بخدا میں نے تمہارے درمیان ایسی چار ہزار حدیثیں گھڑی ہیں جن میں حرام کو حلال اور حلال کو حرام بتلایا ہے، میں نے تمہارے روزے کے دن میں افطار کرایا اور روزہ نہ رکھنے کے دن میں روزہ رکھوایا ہے۔

دوسری قسم: یہ ان لوگوں کا گروہ تھا جو حدیث اپنے مذہب اور فکر کی تائید کے لیے گھڑتے تھے، عبداللہ بن یزید المعری ایک بدعتی کے متعلق بیان کرتے تھے جس نے اپنی بدعت سے توبہ کی وہ کہتا تھا: "انظروا هذا الحديث ممن تأخذونه، فان كنا إذا رأينا رأيًا جعلناه حديثًا"۔

ترجمہ: دیکھو حدیث تم کس سے لے رہے ہو، کیوں کہ جب ہم کوئی رائے قائم کرتے تو ایک حدیث گھڑ لیتے۔

حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ ایک رافضی شیخ نے ہم کو بتلایا کہ ہم جب اکٹھے ہوتے اور کوئی بات اچھی لگ جاتی تو اس کو حدیث بنا لیتے اس سلسلے میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ مختار نے ایک شخص سے کہا تم میرے لیے ایک ایسی حدیث وضع کرو کہ میں خلیفہ بن جاؤں، اور اس کے عوض میں تمہارے لیے دس ہزار درہم تاج، سواری، اور خادم حاضر خدمت ہیں، اس شخص نے کہا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کی جرأت تو نہیں کرتا، البتہ صحابہ میں سے کسی کی طرف کہو تو کردوں، اور معاوضہ جتنا چاہو کم کرلو، مختار نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب بات پختہ ہوگی اس نے کہا عذاب بھی اتنا پختہ ہوگا۔

تیسری قسم: وہ لوگ جو فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب میں لوگوں کو خیر پر آمادہ کرنے کے لیے حدیثیں گھڑتے تھے، یہ شریعت کے ساتھ نادان دوستی ہے، گویا شریعت ناقص ہے ان موضوعات کی اسے ضرورت ہے۔ (العياذ بالله!)

عبداللہ نہاوندی کہتے ہیں میں نے غلام خلیل سے کہا رقاق کی جو اتنی زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہو کہاں سے لاتے ہو؟ کہا کہ میں نے لوگوں کے قلوب نرم کرنے کے لیے ان کو وضع کیا ہے، ابن الجوزی فرماتے ہیں غلام بڑا زاہد و متصوف شخص تھا، اس کے انتقال کے دن بغداد کے بازار بند تھے۔

چوتھی قسم: ایسے لوگوں کی ہے جن کے نزدیک ہر عمدہ کلام کے لیے سند گھڑنا جائز تھا محمد بن خالد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ محمد بن سعید کہتا تھا "لا بأس إذا كان كلام حسن أن تضع له إسنادًا". (اگر کلام عمدہ ہو تو سند گھڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں)۔

پانچویں قسم: جو کبھی کبھی اپنے کسی مقصد کے لیے حدیثیں گھڑتے تھے: مثلاً شاہی دربار میں تقرب حاصل کرنے کے لیے وضع کرنا، جیسا کہ غیاث بن ابراہیم کا واقعہ مشہور ہے، خلیفہ مہدی کے پاس آیا اس نے اس کے سامنے کبوتر دیکھے، خلیفہ کبوتر کا بڑا شوقین تھا، غیاث سے کہا گیا کہ امیر المؤمنین کے سامنے کوئی حدیث بیان کرو تو اس نے کہا "حدثنا فلان أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا سبق إلا في نصل أو خف أو حافر أو جناح".

ترجمہ: مسابقت صرف نیزہ بازی میں یا اونٹ میں یا گھوڑے میں یا پرندے میں ہے۔

حدیث میں جناح کا تذکرہ نہیں ہے مگر چوں کہ مہدی کبوتر سے کھیل رہا تھا اس لیے غیاث نے جناح کا اضافہ کردیا، یہ سن کر مہدی نے اسے انعام دینے کا حکم دیا، جب وہ انعام لے کر رخصت ہوگیا تو مہدی نے کہا اس نے اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ باندھا ہے پھر اس نے کبوتر کو ذبح کرادیا۔

ان میں سے کچھ لوگ وہ تھے جن سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تھا تو حدیث گھڑ لیتے معیطی کا بیان ہے کہ ابراہیم بن ابی یحیی سے ایک مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص نے پارچہ باف

کو کپڑا بننے کے لیے سوت دیا، اس نے کپڑا بن دیا، اور کچھ دھاگے بچ گئے، کپڑے کا مالک کہہ رہا ہے کہ دھاگہ میرا ہے اور پارچہ باف کہہ رہا ہے کہ دھاگہ میرا ہے اس موقع پر ابراہیم نے یہ روایت گھڑ کر سنادی "حدثنی ابن جریج عن عطاء قال ان کان صاحب الثوب أعطاه الأجرة فالخيوط له، والافهي للحائک".

ترجمہ: اگر کپڑے والے نے اجرت دیدی ہے، تو دھاگہ اس کا ہوگا، ورنہ کپڑا بننے والے کا ہوگا۔

ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو کسی کی مذمت میں حدیث گھڑتے تھے، جیسے کہ سعد بن طریف نے اپنے بیٹے کو روتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کیوں رو رہا ہے؟ کہا کہ استاد نے مجھے مارا ہے، اس نے کہا واللہ میں انہیں رسوا کروں گا "حدثنی عکرمة عن ابن عباس ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال معلموا صبیانکم شرارکم"
اسی طرح کچھ لوگ اپنے امام یا مسلک کی حمایت میں اور مخالف مذہب کی مذمت میں حدیثیں گھڑتے تھے جیسے "یکون فی أمتی رجل یقال له محمد بن ادریس اضر علی امتی من ابلیس" اور جیسے "من رفع یدیه فی الرکوع فلاصلاة له" وغیرہ قاضی مجد الدین شیرازی کہتے ہیں: "ما ورد فی فضل أبی حنیفة والشافعی أو ذمهما، لایصح فی هذا الباب شیء عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم".

ترجمہ: ابوحنیفہ یا شافعی کی فضیلت و مذمت میں جو روایات بیان کی جاتی ہیں ان میں سے کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

چھٹی قسم: کچھ لوگ وہ تھے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی عجیب وغریب کلام یا واقعہ یا سند منسوب کرنے کا بڑا شوق تھا، تا کہ لوگ انہیں حیرت واستعجاب سے

دیکھیں، اوران کی علمی برتری کے قائل ہوں، اس قسم کے واضعین میں بقول حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری ابراہیم بن الیسع یعنی ابن ابی حیہ بڑا پیش پیش تھا، یہ شخص جعفر صادق اور ہشام بن عروہ دونوں سے حدیثیں نقل کرتا تھا مگر ایک حدیث کی سند کے ساتھ دوسری حدیث کا متن جوڑ دیتا تھا تا کہ اس سند سے اس حدیث کو لوگ عجیب وغریب تصور کریں۔

ساتویں قسم: کچھ لوگ ایسے تھے جن پر حفظ کرنا گراں گذرتا تھا، تو بروقت کوئی حدیث تیار کرلیا کرتے تھے، یا یہ سوچتے تھے کہ محفوظ حدیثیں تو معروف ہیں کوئی انوکھی چیز لائی جائے، چناں چہ اسی جذبہ کے تحت عجائب وغرائب کے وضع کے مرتکب ہوجاتے تھے، اس میں قصہ گو واعظین اور مقررین کا بڑا حصہ ہے، علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے دو فقیہوں نے ہمارے زمانہ کے ایک واعظ کے حوالہ سے بتایا جو بظاہر عبادت گذار اور متقی لگتا تھا، اس نے ان دونوں سے یوم عاشوراء کے تعلق سے بہت ساری حدیثیں بیان کیں "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :من فعل کذا فلہ کذا،ومن فعل کذا فلہ کذا".

ترجمہ: اس نے آج کے دن یہ عمل کیا اس کے لیے یہ اجر ہے، جس نے یہ عمل کیا اس کے لیے یہ اجر ہے۔

مجلس کے آخر تک یہی بیان کرتا رہا، ان دونوں حضرات نے اس سے پوچھا، یہ حدیثیں کہاں سے حفظ کی ہیں؟ کہا کہ واللہ میں نے انہیں حفظ نہیں کیا ہے، اور میں ان کو جانتا بھی نہیں، بل کہ ابھی ابھی میں نے بنائی ہے؛ اسی طرح ایک واقعہ سلیمان بن مہران الاعمش کے ساتھ پیش آیا، جب وہ بصرہ گئے تو ایک قصہ گو کو مسجد میں وعظ کرتے دیکھا، وہ اس طرح حدیث بیان کررہا تھا "حدثنا الأعمش عن أبی اسحاق عن أبی وائل".

ترجمہ: مجھ سے اعمش نے بیان کیا، ان سے ابواسحاق نے ان سے وائل نے۔

یہ سن کر اعمشؒ بیچ میں آگئے، اور بغل کا بال اکھاڑنے لگے، اس پر قصہ گو برافروختہ ہوا، اور بولا اے شیخ! تجھے شرم نہیں آتی کہ میں تعلیم حدیث میں مشغول ہوں اور تو یہ نا زیبا حرکت کررہا ہے، اعمش نے جواب دیا جو کچھ میں کررہا ہوں یہ تیرے عمل سے بہتر ہے، اس نے پوچھا وہ کیسے؟ اعمش بولے کہ میں سنت زندہ کررہا ہوں، اور تو جھوٹ بول رہا ہے، اعمش تو میں ہوں اور میں نے کبھی تم سے یہ روایت نہیں کی ہے۔

ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں واعظین ومقررین کے چند ایسے واقعات ذکر فرمائے ہیں جو دلچسپی سے خالی نہیں ہیں قارئین کی ضیافت کے لیے پیش کئے جارہے ہیں۔

امام احمد بن حنبل اور یحیٰ بن معین نے رصافہ کی مسجد میں ایک مرتبہ نماز پڑھی، وہاں ایک واعظ صاحب کھڑے ہوکر وعظ کرنے لگے، اس ضمن میں انہوں نے فرمایا کہ: احمد بن حنبل اور یحیٰ بن معین کے ذریعے یہ حدیث مجھ کو پہونچی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے، اللہ تعالیٰ ان تمام کلمات میں سے ہر ہر کلمہ کے بدلے میں ایک چڑیا پیدا کرتا ہے، اس کی چونچ سونے کی اور اس کے پر مرجان کے ہوتے ہیں؛ اس طرح وہ قریب بیس ورق کے بک ڈالے۔ امام احمد یحیٰ بن معین کو اور یحیٰ بن معین امام احمد کو حیرت سے تکنے لگے، ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ کیا تم نے اس سے یہ حدیث بیان کی ہے، انہوں نے کہا خدا کی قسم! میں نے تو اس سے پہلے کبھی سنا بھی نہیں، جب وہ اپنے وعظ سے فارغ ہوگیا اور چندوں سے جیب گرم کرلی تو اس انتظار میں تھوڑی دیر اور بیٹھا کہ شاید کچھ اور مل جائے تو یحیٰ بن معین نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو بلایا، وہ اس خیال سے فوراً چلا آیا کہ شاید یہ بھی کچھ دیں گے، تو اس سے یحیٰ بن معین نے فرمایا کہ: جناب آپ سے یہ حدیث (جس کو آپ نے ابھی مجمع میں بیان کیا ہے) کس نے بیان کی کہنے لگے

کہ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے، یحییٰ بن معین نے کہا کہ یحییٰ بن معین تو میں ہوں اور احمد بن حنبل موجود ہیں، ہم نے تو اس کو رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کے کلام میں کبھی سنا نہیں، اگر آپ کا کام بغیر جھوٹ بولے چلتا ہی نہیں تو براہ کرم ہمارا نام بدنام نہ کریں، وہ بولا کہ: تم یحییٰ بن معین ہو، انہوں نے کہا کہ ہاں! کہنے لگا کہ: میں مدت سے سنا کرتا تھا کہ یحییٰ بن معین احمق ہے، اس کا یقین مجھ کو نہ آتا تھا، مگر اس وقت تجربہ ہو گیا، یحییٰ بن معین نے کہا کہ آپ کو یہ کیسا معلوم ہوا کہ میں احمق ہوں؟ کہا کہ: آپ دونوں کے سوا اللہ کی اس وسیع زمین میں کوئی دوسرا یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل ہے ہی نہیں؟ مجھ کو تو یہ حدیث سترہ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین سے پہونچی ہے، امام احمد نے اپنی آستین اپنے چہرہ پر رکھ لی، اور یحییٰ بن معین سے کہا کہ: اس کو یہاں سے جانے دو، تو ہمارا مذاق اڑاتا ہوا چلا گیا۔

اسی طرح ذہبی نے "میزان" میں لکھا ہے کہ جعفر بن حجاج موصلی نے فرمایا کہ محمد بن عبداللہ ساکن سمرقند ہمارے شہر میں آیا اور غیر معتبر روایات بیان کرنا شروع کر دیں، مشائخ کی ایک جماعت مجتمع ہو کر (جس میں میں بھی تھا) اس کے پاس گئے تا کہ اس حرکت شنیعہ سے باز رکھیں وہاں جا کر دیکھا تو جلسۂ وعظ چاروں طرف سے بھرا ہوا ہے، جب اس نے ہم کو دور سے دیکھا تو سمجھ گیا کہ ہم لوگ کس غرض سے اس کے پاس آئے ہیں، اسی وقت تنبیہ کے واسطے سے کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ: قرآن کلام اللہ تعالیٰ کا ہے اور غیر مخلوق ہے، عوام کی شورش کا خیال کر کے ہم کو جرأت نہ ہوئی کہ ہم اس کی تکذیب کریں۔

حافظ ابوبکر خطیب بغدادی نے مع اسناد کے محمد بن یونس کدیمی سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ: وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے مقام اہواز میں ایک شخص کو اثنائے وعظ میں حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ: جب نبی علیہ السلام نے حضرت علی کا نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے درخت طوبیٰ کو حکم دیا کہ تر موتیوں کو نچھاور کرے، تاکہ اہلِ بہشت آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیں، میں نے اس سے کہا کہ بڑے میاں! آپ نے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر افترا کیا، اس نے فوراً کہا کہ: مجلس وعظ میں دنیاوی کلام نہ کرنا چاہیے۔

ابن عقیل فرماتے ہیں کہ: ایک واعظ کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے دریافت فرمایا کہ: تم کس کو چاہتے ہو، کہا کہ: اپنے بھائی ہارون کو، محمدؐ سے پوچھا کہ تم کس کو چاہتے ہو؟ کہا کہ اپنے چچا اور ماں کو، فرمایا کہ اے نوح! تم کس کو چاہتے ہو؟ کہا اپنے بیٹے کو، فرمایا کہ اے یعقوب تم کس کو چاہتے ہو؟ کہا کہ: یوسف کو: خداوند عالم نے کہا کہ تم میں سے ہر شخص مجھ سے اپنی اپنی مرادیں طلب کرتا ہے وہ لوگ کہاں ہیں جو مجھ کو مجھ سے مانگیں، پھر زور سے چوکی پر ہاتھ مارا، اور قاری کو اس آیت کے پڑھنے کا حکم دیا کہ جس میں ”تریدون وجہہ“ وارد ہے قاری نے اس کی قراءت کی اہل مجلس چیخ چیخ کر رونے لگے، کچھ لوگ بے ہوش ہو گئے، کسی نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، اور واعظ صاحب کا یہ شعبدہ مؤثر ہو گیا لوگ سمجھ گئے کہ جو کچھ اس نے کہا وہ بالکل درست ہے، کسی جلسۂ وعظ میں ایک واعظ نے اس آیت کی تفسیر ”عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً“ میں یہ کہہ دیا کہ نبی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ عرش پر رونق افروز ہوں گے، یہ خبر امام محمد بن جریر طبری کو پہونچی، وہ اس سے سخت ناراض ہوئے، اور بہت زور شور سے اس کا انکار کیا اور اپنے دروازہ پر یہ لکھ کر لگا دیا کہ پاک ہے وہ ذات جس کا کوئی انیس نہیں، نہ اس کے عرش پر کوئی بیٹھنے والا ہے، عوام میں اس تحریر پر بڑی شورش پیدا ہوئی اور انہوں نے امام ممدوح کے گھر پر پتھروں کی بارش کر دی، یہاں تک کہ پتھروں کی کثرت کے وجہ سے دروازہ پٹ گیا۔

بعض مشہور وضاعین وکذابین

(ازمقدمه تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة لابن العراق الكنانیؒ)

باب الهمزة:

(۱) ابان بن أبي عياش متروك... اتهم بكذب،

(۲) ابراهيم بن أحمد الحراني الضرير، وهو إبراهيم بن أبي حميد...قال أبو عروبه: كان يضع الحديث.

(۳) أحمد بن أبي إسحاق عن إسماعيل بن أبي أويس، مجهول ...أتى بخبر باطل.

(۴)أزور بن غالب عن سليمان التيمي ...قال الذهبي منكر الحديث متهم.

(۵) أيوب بن عبد السلام شيخ لحماد بن سلمة...قال ابن حبان كذاب.

باب الباء:

(۱) بشر بن عبيد الدارسي عن طلحة بن زيد... كذبه الأزدی .

(۲) بكر بن زياد الباهلي عن ابن مبارک ... قال ابن حبان دجال كذاب.

(۳) بندار بن عمر الروياني ... قال النخشبي كذاب.

(۴) بوری بن الفضل الهرمزی لايدری من ذا... وخبره باطل.

(۵) بشير بن زاذان ...اتهمه ابن الجوزی بوضع حديث.

باب التاء:

(۱) تمام بن نجيح ...قال ابن حبان روى أشياء موضوعة عن الثقات كأنه المعتمد لها.

(۲) تميم بن أحمد بن أحمد البندنيجي، محدث متأخر... كذبه ابن الأخضر.

(۳) تليد بن سليمان الكوفي الأعرج...أورد له الذهبي في الميزان في ترجمة داؤد بن عوف حديثا ثم قال : آفته تليد فإنه متهم بالكذب.

(۴) توبة بن علوان البصرى...قال ابن حبان :يروى عن شعبة وأهل العراق ماليس من حدثهم.

باب الثاء:

(۱)ثابت بن حماد أبو زيد البصرى...قال البيهقي : متهم بالوضع.

(۲)ثابت بن موسى الضبى الكوفي العابد... قال يحيىٰ كذاب.

(۳) ثمامة بن عبيد أبو خليفة العبدى البصرى عن أبى الزبير المكى ... كذبه ابن المديني.

(۴) ثوبان بن إبراهيم المصرى ... اتهمه ابن الجوزى بالوضع ، و هو دو النون المصرى الصوفي المشهور كما قاله الجوزقاني، قال الحافظ ابن حجر و رأيت عى هامش كتاب الجوزقاني: الصواب ثوبان أخو ذى النون.

(۵) ثوير بن أبى فاختة سعيد بن علاقة الكوفى... كذبه الثورى.

باب الجيم:

(۱) جابر بن سليم عن يحيي بن سعيد الأنصارى ...أورد له ابن الجوزى

فی موضوعاته حدیثا وقال المتهم به جابر.

(۲)جبارة بن المغلس الحمانی الکوفی... قال ابن الجوزی أحادیثه کذب.

(۳) جبرون بن واقد الأفریقی عن سفیان بن عیینة...متهم با لوضع.

جریر بن أیوب البجلی الکوفی... قال أبو نعیم کان یضع الحدیث.

(۴) جعفر بن جسر بن فرقد...اتهمۃ ابن الجوزی بوضع الحدیث.

(۵) جمیل بن الحسن الأهوزی...قال عبدان فاسق کذاب.

باب الحاء المهملة:

(۱) حاتم بن عثمان العاقری أبوعثمان الأفریقی عن مالک... متهم.

(۲) الحرث بن شبل الکرمینی شیخ بخاری... کذبه سهل بن شاذویه.

(۳) حباب بن جبلة الدقاق عن مالک... قال الأزدی کذاب.

(۴) حسان بن سیاه... قال ابن حبان یأتی عن الأثبات بما لا یشبه حدیثهم.

(۵) حبیب بن جحدر أخو خصیب ... کذبه أحمد بن ویحییٰ.

باب الخاء:

(۱) خارجة بن مصعب یدلس علی الکذابین ... ویقال إن ابن معین کذبه.

(۲) خالد بن إسماعیل بن الولید المخزومی المدنی قال ابن عدی کان یضع الحدیث.

(۳) خلف بن خالد بصری لا یکاد یعرف ... اتهمه الدار قطنی بوضع الحدیث.

(۴) الخلیلی بن زکریا الشیبانی ویقال العبدی البصری... قاسم المطرز کذاب وقال العقیلی یحدث عن الثقات با لبواطیل.

باب الدال:

(۱) داؤد بن إبراهيم العقيلی عن خالد بن عبد اللّٰه الطحان... کذبه الأزدی.

(۲) دحیم بن محمد الصیداوی ابی بکر بن عیاش... له حدیث موضوع.

(۳) دلیل بن عبد الملک عن السدی عن زید بن ارقم ...له نسخة موضوعة.

(۴) دهشم بن جناح عن شبابة بن سوار... قال الأزدی من معادن الکذب.

حرف الذال:

(۱) ذاکر بن موسی بن شیبة العسقلانی ...أتی بحدیث کذب بسند الصحیح فاتهم.

(۲) ذیال بتشدید المثناة التحتیة الموصلی ... أتی بخرافة تشبه حدیث رتن ذکرها ابن عبد الملک فی التکملة.

باب الراء:

(۱) راشد بن معبد عن أنس...قال الحاکم وابن حبان روی أحادیث موضوعة.

(۲) ربیعة بن محمود الماردینی ... دجال مفتر ادعی الصحبة و التعمیر فی سنة تسع وتسعین وخمس مائة.

(۳) رتن الهندی...ذالک الکذاب المشهور ظهر بعد الستمائة فادعی الصحبة.

(۴) رجی بن سلمة عن أبی معاویة...قال ابن الجوزی اتهم بسرقة الأحادیث.

(۵) رشید الهجری عن أبیه... قال أبواسحاق الجوزجانی کذاب.

حرف الزاء:

(۱) زراعة بن عبد الرحمن الزبیدی شیخ لبقیة ... متروک والخبر باطل.

(۲) زکریا بن یحیٰی الکتانی عن مالک بخبر باطل...لکن الاسناد إلیه ظلمات.

(۳) زھدم بن الحارث الغفاری المکی عن ابیه وعنه ابیه یحیٰی بنسخة موضوعة.

باب السین:

(۱) سعد بن علی القاضی أبو الوفا النسوی ... کذاب.

(۲) سعید بن ذی لعوة ... قال ابن حبان دجال.

باب الشین:

(۱) شبیب بن سلیم عن الحسن البصری ... قال العقیلی کان یکذب.

(۲) شعیب بن أحمد البغدادی عن عبد الحمید بن صالح بخبر باطل.

با ب الصاد:

(۱) صالح بن الأخضر ... قال الجوزجانی إتهم فی أحادیثه.

(۲) صباح بن یحیٰی عن الحارث بن حصیرة شیعی ...متروک متهم..

باب الضاد:

.(۱) ضرار بن سهل عن الحسن بن عرفة بخبر [illegible] ن ولا یدری من ذا الحیوان.

(۲) ضیاء بن محمد الکوفی عن الحسن بن مرزوق بإسناد باطل لمتن الموضوع.

باب الطاء:

(۱)طلحة بن زید الرقی أبو مسکین ...قال أحمد وإبن المدینی کان یضع الحدیث.

(۲)طاھر بن رشید عن سیف بن محمد عن الاعمش بخبر باطل... قال ألازدی آفته ھو أو سیف.

باب الضاء :

(۱)ظليم بن خطيط بالتصغير في الإسمين ...اتهمه ابن عدی با لوضع.

(۲) ظبيان بن محمد بن ظبيان عن ابيه عن جده عن عمرو بن مرة الجهنی بخبر كذب.

باب العين:

(۱) عاصم بن طلحة عن انس ... قال الأزدی كذاب.

(۲) عباد بن كثير الثقفي البصری ... قال الإمام أحمد أحاديثه كذب.

باب الغين:

(۱) غالب بن وزيرمن اهل غزة عن ابن وهب بخبر باطل.

(۲) غسان بن ناقد عن الاشهب مجهول ...وخبره باطل.

باب الفاء:

(۱) فضالة بن حصين الضبی... قال ابن عدی متهم بالوضع.

(۲) الفضل بن عيسى الرقاشي ...قال ابن الجوزی كذاب.

باب القاف:

(۱) قاسم بن إبراهيم الملطی عن لوين ... قال الدارقطنی كذاب.

(۲) قطن بن صالح الدمشقی عن ابن جريج ...قال الأزدی كذاب.

باب الكاف:

(۱) كنانة بن جبلة عن إبراهيم بن طهمان ... قال ابن معين كذاب.

(۲) كوثر بن حكيم عن عطاء ومكحول ... قال أحمد أحاديثه بواطيل.

باب اللام:

(١) لاهز بن عبدالله أبو عمر التميمي عن معتمر بن سليمان ... لايعرف و أتى بخبر باطل.

(٢) لوط بن يحيىٰ أبو مخنف كذاب تالف.

باب الميم :

(١) المبارک بن حسان ... قال الأزدی رمي با لكذب.

(٢) موسٰى بن إدريس مر في محمد بن عمر و الحوضي .

باب النون:

(١) نزار بن حيان عن عكرمة... اتهمه ابن حبان با لوضع.

(٢) نصر بن صفوان عن حماد بن زيد ...قال ابن معين كذا ب.

باب الهاء:

(١) هارون بن حبيب البلخي عن جويبر ... قال الأزدی كذاب .

(٢) هيصم بن شداخ عن الأعمش وشعبة مجهول متهم .

باب الواو:

(١) الوليد بن عصا م الزبيدی عن ابيه متهم في روايته.

(٢) وهب بن داؤد الضرير المخرمي... اتهمه الخطيب.

باب الياء :

(١) يحيٰى بن محمد بن خشيش اتهمه ابوسعيد النقاش با لوضع.

(٢) يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم العسقلاني ... كذاب.

وضع حدیث کے چند اہم و بنیادی اسباب ومحرکات

مذکورہ تقسیمات ثلاثہ کی چودہ اقسام جن کے اردگرد ہر وضاع و کذاب اور وضع و کذب کا ہر مبتلا وشکار گشت کرتا ہوا نظر آئے گا ان کو کذب فی الحدیث کی اس شنیع وقبیح ترین حرکت پر کن چیزوں نے آمادہ کیا؛ بعض علماء نے ان اسباب کو بھی چند قسموں میں سمیٹ کر بتلایا کہ وہ کل حسب ذیل نو چیزیں ہیں:

(۱) تقرب الی اللہ: یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے جذبے سے، طاعت میں رغبت اور معصیت سے خوف دلانے والے مضامین کو گھڑنا، ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جو زہد وصلاح کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور اسی کے اثر اور رعایت میں وہ یہ کام کرتے ہیں، یہ سبب وضع کا بدترین داعیہ ہے اور ایسے واضعین بدترین واضعین شمار ہوتے ہیں، اس لیے کہ ان کی نیک کرداری ان روایات کی قبولیت واعتبار کا باعث بنتی ہے، مثلاً:

میسرہ بن عبدربہ نامی ایک شخص تھا جس کے متعلق ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں ابن مہدی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس سے کہا تم سورتوں اور آیات کے پڑھنے کے فضائل کی روایات کہاں سے لائے؟ تو اس نے کہا میں نے لوگوں کو رغبت دلانے کے لیے ان کو گھڑا ہے۔

(۲) مذہب وتحریک کی حمایت جسے زیادتی وتعصب کا عنوان بھی دیا گیا ہے۔

اپنے اپنائے ہوئے مذہب ونظریہ کی تائید وتقویت کے لیے کسی چیز کا گھڑنا خاص

طور سے سیاسی و مذہبی گروہ بندیوں کے بعد ہر فرقہ و جماعت نے اپنی تائید میں احادیث گڑھیں، جیسے "علي خير البشر من شك فيه كفر" یعنی حضرت علی سب سے افضل انسان ہیں جو اس بارے میں شک کرے وہ کافر ہے، روافض نے اسے اپنا ہتھیار بنا کر استعمال کیا۔

(۳) طعن در اسلام جسے بے دینی کا عنوان بھی دیا گیا ہے: اسلام کو بدنما و داغ دار بنانے کے لیے احادیث کی وضع، یہ کام زندیقوں یعنی درپردہ اسلام کی دشمنی رکھنے والوں نے کیا، جو اسلام کے خلاف کھلم کھلا جب کوئی سازش نہ کر سکے تو انہوں نے یہ بدترین اور مہلک ترین صورت نکالی اور کافی تعداد میں احادیث گڑھیں، مثلاً:

محمد بن سعید شامی جسے بددینی کے الزام میں ہی سولی دی گئی اس نے بواسطۂ حمید حضرت انسؓ سے روایت نقل کی ہے: "أنا خاتم النبيين لا نبي بعدي الا ان يشاء الله"۔

(۴) تقرب الی الحکام: یعنی حکام و امراء کی خواہشات کا پاس ولحاظ اور ان کی خوشنودی کا حصول۔

بعض کمزور اہل ایمان نے ایسا کیا کہ حکام وقت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کے غیر شرعی مشاغل کی مؤید روایات گڑھ کر بیان کی ہیں، مثلاً:

غیاث بن ابراہیم کوفی کا قصہ مشہور ہے کہ وہ عباسی خلیفہ مہدی کے پاس گیا تو اسے کبوتروں میں مشغول پایا فوراً ہی سند متصل کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے حدیث سنائی: "لاسبق إلا في نصل أو خف أو حافر أو جناح"۔

ترجمہ: انعامی مقابلہ کا حال صرف تیر چلانے یا اونٹ یا گھوڑوں کے دوڑانے یا پرندوں میں جائز ہے، اس حدیث میں اس نے پرندوں کا اضافہ کر دیا تا کہ مہدی کے ذوق و

مشغلہ کی تائید کر سکے، مہدی چوں کہ صاحب علم تھا فوراً اس کی حرکت کو تاڑ گیا اور چوں کہ اس کا عمل اس خبیث حرکت کا باعث بنا تھا، اس لیے اسی وقت تمام کبوتروں کو ذبح کرنے کا حکم دے دیا اور کہا کہ میں ہی اس کے لیے اس کام کا محرک بنا ہوں۔

(۵) طلب معاش: حصول مال وزر کے لیے مضامین گڑھ کر اور ادھر ادھر کے قصے بطور احادیث بیان کرنا، جیسے قصہ گو کرتے رہے ہیں جگہ جگہ مجلسیں لگا کر لوگوں کو اس قسم کی چیزیں سناتے اور ان سے پیسے حاصل کرتے، مثلاً:

احمد بن یعقوب عبدالملک کے پاس کھانے کے موقعوں پر حاضر تھا جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو خربوزہ لایا گیا، اس پر احمد نے کہا اے امیر المؤمنین حضورؐ نے فرمایا: "بطیخ قبل الطعام یغسل البطن غسلاً و یذھب الداء اصلاً"۔

ترجمہ: کھانے سے پہلے خربوزہ کھانا پیٹ کو صاف کر دیتا ہے اور بیماری کو بالکل ختم کر دیتا ہے۔

اس پر عبدالملک نے اسے ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دیا۔

(میزان الاعتدال: ج ۱/ص ۸۷)

(۶) طلب شہرت: ایسی احادیث کے بیان ونقل کا شوق جو دوسرے محدثین کے یہاں نہ مل سکیں، ایسے لوگ اسناد میں الٹ پھیر کر کے اپنا مطلب پورا کر لیا کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جیسے ابن ابی دحیہ، حماد نصیبی۔

(۷) طلب دلیل: اہل افتاء اپنے فتاوی کی قوت وپختگی کے لیے بطور دلیل ایسی احادیث ذکر کرتے ہیں جیسے ابوالخطاب ابن دحیہ۔

(۸) احباب سوء: بعض لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ بھی ہوا کہ ان کی اولاد وزیر کفالت افراد یا کاتب ومنشی وغیرہ نے ان کی لاعلمی میں ان کے مسودات ومکتوبات میں گڑھی ہوئی احادیث شامل کر دیں اور وہ انہیں سمجھ نہ سکے اور صحیح سمجھ کر بیان کرتے رہے۔

(۹) حاجت وضرورت بھی کبھی اس کی داعی بنتی ہے، جیسے محمد بن عکاشہ، اور حق یہ ہے کہ "حاجت" ایسا داعی ہے کہ اس کے تحت تمام صورتیں آسکتی ہیں، اس لیے کہ حاجت دین کی بھی ہوتی ہے اور دنیا کی بھی اور اوپر ذکر کردہ امور انہیں میں منحصر ہیں، بجز ایک دو صورتوں کے۔

(۱۰) تفوق علمی: "و من اسباب الوضع مايقع ممن لادين له عند المناظرة في المجامع استدلالًا على ما يقوله بما يطابق هواه تنفيقًا لجداله و تقويمًا بماله واستطالة على خصمه ومحبة للقلب و طلبًا للرياسة و فرارًا من الفضيحة"۔

یعنی: وضع کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ مجمع عام میں مناظرہ کے وقت جس کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہوتی جس سے وہ اپنے مذہب کے درست ہونے پر استدلال کر سکے تو وہ اپنے جھگڑے اور مقالے کو تقویت دینے اور مخالفت پر غلبہ پانے اور دل کی چاہت اور طلب ریاست اور رسوائی سے بچنے کی خاطر روایتیں وضع کرتا ہے۔

باب چہارم

فتنہ وضع حدیث کی سرکوبی

حق و باطل کی کشمکش: فتنہ وضع حدیث کی جو کہانی سنائی گئی نہ تو عجیب ہے اور نہ ہی حدیث کی حیثیت وحجیت میں کچھ حارج، عجیب تو اس لیے نہیں کہ خود حق تعالیٰ کا یہی نظام ہے کہ: "وکذالک جعلنا لکل نبی عدواً شیاطین الانس والجن یوحی بعضهم الی بعض زخرف القول غروراً ولو شاء ربک ما فعلوه فذرهم وما یفترون"

(سورہ انعام، آیت نمبر ۱۱۲)

ترجمہ: اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کیے تھے، کچھ آدمی اور کچھ جن، جن میں سے بعضے دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے، تاکہ ان کو دھوکے میں ڈال دیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کر سکتے، سو ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پردازی کر رہے ہیں اس کو آپ رہنے دیجئے۔

باطل نے ہمیشہ حق کے ساتھ پنجہ آزمائی کی ناکام کوشش کی ہے اور بالآخر منہ کی کھائی ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرار بو لہبی

اور حدیث کی حجیت میں حارج اس لیے نہیں کہ اگرچہ اہل باطل نے یہ چاہا کہ احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں اپنی باتیں شامل کر کے پورے ذخیرۂ حدیث کو

ساقط الاعتبار بنادیں، مگر چوں کہ خود حق تعالیٰ شانہ کو یہ منظور نہیں کہ جس گلشن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لگایا سجایا، بسایا اور اپنے خون و پسینہ کے مبارک قطروں سے سیراب وشاداب کیا ہے، اسکی کوئی کلی مرجھا جائے، چہ جائیکہ کوئی کسی کلی پر دست درازی کرے، اسلئے اس نے امت کے غیور و باشعور اور اسلامی حمیت سے معمور طبقہ کو اس اہم کام کے لیے منتخب فرمایا چناں چہ ان مقدس انسانوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسی غیرت کا مظاہرہ کیا اور ''أینقص الدین و أنا حی'' کی آواز بلند کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ہوتے ہوئے اسلام اور دین وشریعت کے ان مآخذ (یعنی قرآن وسنت) پر کوئی آنچ آئے یہ ہو نہیں سکتا۔

چنانچہ امت کے ان جیالوں نے اپنی اس آواز کو عملی جامہ پہنا کر احادیث کے ذخیرہ مقدسہ کی ایسی حفاظت فرمائی کہ اس کی حیثیت وجحیت پر قطعاً کوئی زد نہیں آسکا، جس کی تفصیل اگلے سطور سے سمجھی جاسکتی ہے۔

فتنہ وضع حدیث اور محدثینِ کرام واساطین امت کی دفاعی سرگرمیاں

ابطال باطل اور احقاق حق کے لیے دو طاقتوں کا ہونا بہت ضروری ہے:

ایک دست و بازو کی طاقت، دوسری علم وبصیرت کی طاقت، قرآن کہتا ہے:

''واذکر عبدنا إبراهيم و إسحاق و يعقوب أولي الايدى والأبصار''.

(سورة ص الآية ٤٥)

ترجمہ: اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کو یاد کیجئے جو ہاتھوں سے کام کرنے والے اور آنکھوں سے دیکھنے والے تھے، یعنی ان میں قوت عملیہ اور قوت علمیہ تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ باطل کے مقابلہ کے لیے دوقسم کی قوت درکار ہے۔
اول عملی ، دوم علمی، حفاظت حدیث کے سلسلے میں دونوں قوتوں کا خوب خوب استعمال کیا گیا ہے۔

حفاظت حدیث اور سلاطین اسلام:

شاہان زمانہ اور سلاطین وقت نے ان واضعین وکذابین اور دجاجلہ وفراعنہ کو اپنی سلطانی طاقت کے ذریعہ ان کے کیفر کردار تک پہنچایا، چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو عبداللہ بن سباء کی فتنہ انگیزی کی خبریں پہنچی تو آپ نے فرمایا: "مالي و لهذا الخبيث الأسود"۔ اس کالے خبیث سے مجھے کیا لینا دینا۔

علامہ ابن حجر تو فرماتے ہیں کہ: "قد احرقهم علي في خلافته" اس جماعت کو حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں آگ میں ڈلوادیا تھا۔

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ان کے متعلق فرمایا: "قاتلهم الله اى عصابة سودوا و اى حديث من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم افسدوا". (تذکرہ الحفاظ)

ترجمہ: اللہ ان کو ہلاک کرے، انہوں نے کتنی پاکیزہ جماعتوں کو سیاہ کرڈالا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی حدیثوں کو فاسد کردیا۔

خلیفہ ہارون رشید کے دربار میں ایک زندیق کو قتل کے لیے لایا گیا تو وہ کہنے لگا تم مجھے تو قتل کردو گے، لیکن ان ایک ہزار حدیثوں کا کیا کرو گے جو میں نے وضع کر کے جاری کردی ہیں، ہارون رشید نے فوراً جواب دیا۔

فأين أنت يا عدو الله عن أبي اسحق الفزاريؒ و ابن المبارك

"ینخلانھا فیخرجانھا حرفا حرفا" یعنی اے دشمنِ خدا تو ابواسحٰق فزاریؒ اور ابن مبارک سے بچ کر کہاں جا سکتا ہے جو ان کو چھلنی کی طرح چھان کر ایک ایک حرف نکال پھینکیں گے"۔

(معرفة علوم الحديث)

یہی وجہ ہے کہ عبدالکریم بن ابی العوجا اور محمد بن سعید مصلوب جیسے کذابوں کو قتل کی سزا دی گئی۔

حفاظت حدیث اور محدثین کرامؒ:

مقدمہ تنزیہ الشریعہ میں شیخ ابن العراق کنانی نے محدثین کی خدمات اور کارنامے پر علماء کبار کے حوالہ سے بہت ہی خوب روشنی ڈالی ہے، فرماتے ہیں کہ ابن الجوزیؒ نے کہا احادیث میں اضافہ کرنے کی جب ناکام سعی شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ماہرین حدیث کو پیدا فرمایا جنہوں نے صحیح، قبیح، موضوع کے درمیان فرق واضح کیا کوئی زمانہ ایسے بصیر وخبیر علماء و محدثین سے خالی نہ رہا ہے اور نہ رہے گا یہ اور ی بات ہے کہ ایسے قیمتی ہیرے جواہرات کم ہی ہوا کرتے ہیں۔

سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ " الملائكة حراس السماء و أصحاب الحديث حراس الأرض".

ترجمہ: فرشتے آسمان کے پہریدار ہیں اور محدثین زمین کے۔

یزید بن زریع کہتے ہیں:" لكل دين فرسان و فرسان هذا الدين اصحاب الأسانيد".

ترجمہ: ہر مذہب میں کچھ شہسوار ہوا کرتے ہیں اس مذہب کے شہسوار اصحاب اسانید (ماہرین حدیث) ہیں۔

ابن المبارکؒ سے پوچھا گیا احادیث صحیحہ میں جو موضوعات خلط ملط ہوگئی ہیں، ان کا کیا ہوگا؟ تو جواباً ارشاد فرمایا اس کی تمیز و تحقیق کے لیے جیال علم موجود ہیں۔

ابن قتیبہ نے اپنی کتاب ''اختلاف الحدیث'' میں محدثین کی خدمات اور تحفظ حدیث کے سلسلہ میں ان کی بادیہ پیمائی اور دیوانگی وقربانی کو بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ محدثین کی جماعت یہ امت کے وہ افراد ہیں جنہوں نے حق کی صحیح طریق سے تلاش کی اور حق کو حق کی جگہوں سے حاصل کیا، اور محض جذبۂ رضاء الٰہی کی تحت انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کی اور احادیث کی جستجو میں بر و بحر اور مشرق و مغرب کی خاک چھانی، اور تحقیق وتنقید کی اسی دھن میں پوری عمر صرف کردی، پھر نتیجہ یہ سامنے آیا کہ کھرے کھوٹے کی تمیز ہوگئی، ناسخ ومنسوخ کی پہچان ہوگئی، اور احادیث کی جگہ اپنی آراء کو پیش کرنے والوں کی آنکھیں کھولی اور ستارۂ حق کو اس کی کھوئی ہوئی روشنی وتابانی واپس ملی، اور اس کی شہرت ومقبولیت کا دوبارہ ڈنکا بجا، بکھرے ہوئے عناصر اجتماعیت کی لڑی میں پرد یئے گئے، احادیث سے بے رغبتی رکھنے والے دلوں میں احادیث کا شوق جدید بیدار ہوا، اور غفلت زدہ نفوس کو بیداری اور احساس زندہ کی دولت نصیب کیا۔ (مقدمہ تنزیہ الشریعہ: ص ۱٦)

الغرض اس موقع پر محدثین کرام نے اپنی اعلیٰ درجہ کی علمی سرگرمیاں دکھائیں، اور اس سلسلے میں دو اہم کام انجام دیئے۔

محدثینِ کرامؒ کے دو اہم کام

پہلا کام: وضّاعین و کذّابین کے متعلق صاف گوئی

پہلا کام تو ان حضرات نے یہ کیا کہ واضعین حدیث اور کذابین کے خلاف کھل کر دوٹوک عمل وضع کذب کی شناعت وقباحت کو بیان کیا اور ان کے متعلق فتوی دینے میں ایسا سخت موقف اختیار کیا کہ گویا ان کے نزدیک حدیث وضع کرنے والا اسی سلوک کا مستحق ہے جو سلوک مرتد اور مفسد کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

چناں چہ ابوالعباس سراج کہتے ہیں کہ میں محمد بن اسماعیل بخاری کے پاس حاضر ہوا اوران کو ابن کرام کا ایک مکتوب دیا جس میں چند احادیث کے بارے میں سوال کیا گیا تھا، ان میں زہری سالم اور سالم کے والد کی سند سے یہ روایت بھی تھی: ''الإیمان لایزید و لا ینقص'' یعنی ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں ہے (جو درحقیقت موضوع روایت ہے) تو امام بخاری نے خط کی پشت پر لکھا: من حدث بھذا استوجب به الضرب الشدید والحبس الطویل — جس نے یہ حدیث بیان کی ہے وہ سخت سزا اور طویل قید کا مستحق ہے۔

وضع حدیث کا مرتکب، اکبر کبائر کا مرتکب گردانا گیا ہے، اور ابومحمد الجوینی نے اس کی تکفیر کی ہے۔ اسی طرح ائمہ مالکیہ میں ناصر الدین ابن المنیر نے بھی اس کی تکفیر کی ہے۔ علامہ ذہبی نے ابوداؤد کے حوالے سے لکھا ہے کہ یحییٰ بن معینؒ نے سوید الانباری کے بارے میں کہا ہے وہ ''حلال الدم'' ہے۔

حاکم کہتے ہیں کہ سوید کی یہ روایت: ''من عشق وعف وکتم ومات مات شھیدا'' جس نے عشق کیا اور پاک دامن رہا اور اپنے عشق کو چھپایا اور اسی حالت میں مر گیا تو

اس کی موت شہادت ہے، جب یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا "لو کان لی فرس ورمح غزوت سویدا" اگر میرے پاس گھوڑا اور نیزہ ہوتا تو میں سوید سے جنگ کرتا۔

ابن عتیبہ نے معلّیٰ کے بارے میں کہا کہ اگر وہ ابن نجیح سے فلاں (موضوع) روایت بیان کرتا ہے تو اس کی گردن مار دینے کی ضرورت ہے، ایسے مجرموں کی گواہی مردود اور اس کی ثقاہت مجروح ہے، وہ اگر توبہ بھی کر لے تب بھی اہل علم کے نزدیک وہ ناقابل اعتبار ہے، اس کی کوئی روایت قبول نہیں کی جائے گی، امام احمد بن حنبلؒ سے ایک راوی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ایک جھوٹی حدیث بیان کی پھر توبہ کر لی تو انہوں نے جواب دیا، اس کی توبہ اللہ اور اس کے درمیان، مگر اس سے حدیث کبھی نہیں روایت کی جائے گی۔

دوسرا کام: علوم الحدیث کی فنی تدوین

اور دوسرا اہم کام ان حضرات نے یہ کیا کہ حدیث سے متعلق بہت سے علوم مدون کئے اور انہوں نے فن حدیث کو مہذب و منقح کیا، رواۃ کی تحقیق و تنقید کی، ضعیف رواۃ کو ثقات سے متمیز کیا، احادیث کی علل خفیہ پر متنبہ کیا، اس طرح علم حدیث کی بہت سی انواع ہوگئیں۔

حاکم ابو عبداللہ نیشاپوریؒ ۴۰۵ھ نے ایک کتاب "علوم الحدیث" تالیف کی اس میں پچاس انواع کو بیان کیا، پھر حافظ ابن الصلاح ۶۴۳ھ، ۶۴۴ھ نے "مقدمہ" میں اور علامہ نووی نے "تقریب" میں ۶۵ انواع کا ذکر کیا، اور علامہ سیوطیؒ نے اضافہ کر کے "تدریب" میں ۹۳/انواع پیش کی ہیں، اور علامہ حازمی نے تو کتاب "العجالۃ" میں فرمایا کہ: "علم الحدیث یشتمل علی أنواع کثیرۃ تبلغ مأۃ کل نوع منھا نوع مستقل" یعنی علم حدیث کثیر انواع پر مشتمل ہے جن کی تعداد سو تک پہنچ رہی ہے اور ہر نوع اس کی ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے۔

باب پنجم

فن اسماء الرجال کی داغ بیل

علوم الحدیث کی ان ہی انواع میں ایک عظیم نوع ''علم اسماء الرجال'' ہے جس کو محدثین کی اصطلاح میں علم الاسناد بھی کہا جاتا ہے یہ فن کیا؟ کیوں؟ کب؟ کب سے؟ یعنی حقیقت، اہمیت ضرورت، افادیت اور علماء امت کی اس فن میں علمی وفکری اور قلمی جولانیاں ان عناوین پر ہم کسی قدر تفصیل سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں تاکہ اصل کتاب میں آنے والی روایات اور اس پر کئے جانے والے مثبت ومنفی فیصلے اور نقد وجرح کی حقیقت واصلیت میں بصیرت ہو۔

علم اسماء رجال کیا ہے؟:

یہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ راویان حدیث کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی تحقیق کی جاتی ہے، مثلاً راوی کی تاریخ ولادت، تاریخ وفات، نام، حسب ونسب، کنیت والقاب، دین ودیانت، تقوی وطہارت، عقائد ونظریات، علم وفہم قوت وضبط واتقان، عدالت وثقاہت، علمی استفادہ، شیوخ وتلامذہ ذاتی اور معاشرتی واخلاقی احوال وغیرہ ان امور کی تحقیق کے بعد اس راوی کی حدیث مقبول یا مردود قرار پاتی ہے۔

گویا اس فن کا بنیادی مقصد اور اس کی اساسی غرض یہ ہوئی کہ راوی کے احوال کی روشنی میں صحت وسقم اور رد وقبول کے اعتبار سے حدیث کا درجہ متعین کیا جائے۔

قرآن میں علم اسماء رجال کی بنیادیں

قرآن کریم میں نقد رجال اور تحقیق شخصیات سے متعلق کچھ بنیادی اصول وقوانین بھی موجود ہیں مثلاً:

(۱) پہلا قانون

"یا ایھا الذین امنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قومًا بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم ندمین". (سورۃ الحجرات:٦)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کرلو کہیں تم کسی قوم کے ساتھ نادانی کا سلوک کر بیٹھو، پھر اپنے کیے ہوئے پر نادم ہونا پڑے۔

(۲) دوسرا قانون

"یا ایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرًا من الظن ان بعض الظن اثم و لا تجسسوا". (سورۃ الحجرات ١٢)

ترجمہ: اے ایمان والو! بہتیرے گمان سے بچو، یقیناً بعض گمان گناہ ہوا کرتے ہیں اور عیوب مت ٹٹولو۔

ان دونوں آیتوں سے تحقیق رجال کا کیسا صاف ستھرا اور معتدل اصول سمجھ میں آیا۔

(۳) تیسرا قانون

"واذا جاء ھم أمرٌ من الامن او الخوف اذا عوابہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطو نہ منھم". (سورۃ النساء:٨٣)

ترجمہ: اگر ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ پیش آتا ہے، تو اس کا وہ چرچا کرنے لگتے ہیں اور اگر اسے رسول اور ان میں سے " اولــو الامــر" کے حوالہ کرتے تو وہ لوگ جو ان میں سے استنباط کرتے ہیں جان لیتے۔

اس تیسرے قانون نے یہ بتلایا کہ اگر خود تحقیق کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو اہل تحقیق سے رجوع کرلو پھر کوئی قدم اٹھاؤ۔

احادیث میں علم اسماء رجال کی بنیادیں

اسی طرح احادیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رجال اور واسطوں کی تبیین وتفتیش کی طرف متوجہ فرمایا اور اندھی تقلید سے منع فرمایا ہے، حضرت ابوہریرہ راوی ہیں:

"قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يكون في آخر الزمان دجالون كذابون يأتونكم من الأحاديث، بما لم تسمعوا انتم و لا آباء كم فاياكم و اياهم و لا يضلونكم ولا يفتنونكم"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر زمانے میں دجال اور جھوٹے پیدا ہوں گے، تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جسے نہ تم نے سنا ہوگا اور نہ تمہارے آباء و اجداد نے، سوتم ان سے بچ بچ کر رہنا، (وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور فتنہ میں نہ ڈالدیں۔

(مقدمہ مسلم:۱۰)

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بئس اخو العشيرة........" یہ

(آنے والا) اپنے خاندان کا برا شخص ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان عبد اللّٰہ رجل صالح .... عبداللہ ایک نیک انسان ہے۔

اسی طرح ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے راوی کے متعلق آگاہ کرتے ہوئے اس کی بے اعتمادی کو یوں ظاہر فرمایا:

"کفی بالمرء کذبًا ان یحدث بکل ما سمع" آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرتا ہے۔ (مقدمہ مسلم: ۸)

مذکورہ آیات و روایات سے معلوم ہوا کہ صحیح وضعیف احادیث کی تمیز، بلکہ شرع وغیر شرع کی تمیز کے لیے ان واسطوں اور شخصیتوں کی حیثیت وحقیقت کا جاننا انتہائی ضروری ہے جن سے احادیث منقول ہوئی ہیں۔

علم اسماء رجال یا علم اسناد کی اہمیت اور محدثین کا اس سے خصوصی شغف

اس کی اہمیت خود اس کی تعریف اور اس کی غرض وغایت سے ظاہر ہے کہ یہ فن ہمیں بتلاتا ہے کہ کون سا راوی کیسا ہے، اس کی دینی و مذہبی حالت کیسی ہے، فہم وفراست اور قوتِ حفظ کا کیا حال ہے، اہل سنت والجماعت کے صاف وشفاف مشرب سے ہٹ کر کسی اور طریق سے تو اپنی پیاس نہیں بجھاتا، کسی غیر مذہب کا داعی تو نہیں۔

ظاہر بات ہے کہ ان باتوں کا جاننا خود مقصود تو نہیں بلکہ مقصود اور واجب تو حدیث کا علم ہے مگر چوں کہ اس پر حدیث کے ثبوت وعدمِ ثبوت اور صحت وسقم کا علم موقوف ہے۔ اس لیے "مقدمة الواجب واجبة" کے قانون کے مطابق علم اسماء الرجال کو بھی واجب اور غیر معمولی اہمیت کا حامل قرار دینا پڑے گا، یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام نے اس علم پر خاص توجہ دی اور اس کو اپنی فکروں کا محور اور سرگرمیوں کے لیے مجال ومیدان بنایا بلکہ عبداللہ ابن المبارکؒ نے تو اس علم (علم الاسناد یا علم اسماء رجال) کے سیکھنے کو دین قرار دیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

"الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ماشاء"۔

یعنی روایات کی سند دین کا ہی ایک حصہ ہے اگر یہ سندیں نہ ہوتیں تو جس کے منہ میں جو آتا وہ بک دیتا، سفیان بن عیینہ کا بیان ہے ایک محدث نے ایک دن حدیثیں بیان کرنی شروع کیں تو میں نے کہا کہ حضرت بغیر سیڑھی کے چھت پر چڑھنا چاہتے ہو۔ (تدریب:۱/۳۶)

سفیان ثوریؒ کا مقولہ مشہور ہے: "الاسناد سلاح المومن" (یعنی سند مومن کا ہتھیار ہے)۔

امام اوزاعی نے ارشاد فرمایا: "ما ذهاب العلم الاذهاب الاسناد" (یعنی علم حدیث کا زوال سند کے زوال سے ہی ہوگا)۔

علامہ ابن سیرین فرماتے ہیں: "ان هذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم" (یعنی دین کا علم بھی دین ہے اس لیے غور کرلیا کرو کہ اپنا دین اس سے حاصل کرتے ہو)۔

محدثینِ کرام نہ صرف مطلق سند بلکہ سند عالی کی ہمیشہ تلاش میں رہتے تھے، امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ سند عالی کی جستجو اسلاف کی سنت ہے، اس لیے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے تلامذہ صرف اس غرض سے کوفہ سے مدینہ سفر کرکے جایا کرتے تھے کہ وہاں حضرت

عمر رضی اللہ عنہ سے احادیث حاصل کریں گے۔

بخاری شریف میں ہے کہ اسی مقصد کے تحت حضرت جابر بن عبد اللہ نے صرف ایک حدیث کے لیے مدینہ سے شام کا سفر کیا، یحییٰ بن معینؒ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو کسی نے سوال کیا" ماذا تشتهي؟"تو جواب میں ارشاد فرمایا:"بيتٌ خالٍ و سندٌ عالٍ"

تحقیق رجال اور علم اسانید کی اسی اہمیت کی بنا پر محدثین نے ہمیشہ اس پر غیر معمولی توجہ دی ہے اور اس کے لیے بڑی بڑی مشقتیں اٹھائی ہیں، جس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

مشہور محدث شعبہ بن الحجاج (م ۱۶۰ھ) نے ابو اسحٰق سے ایک حدیث سنی " من توضأ فاحسن الوضوء ثم دخل المسجد فصلى ركعتين واستغفر الله غفر الله له" حدیث سن کر آپ نے ابو اسحٰق سے پوچھا کہ تم سے کس نے یہ حدیث بیان کی، انہوں نے کہا عبد اللہ بن عطا عن عقبہ، حضرت شعبہ نے پھر سوال کیا کہ کیا عبد اللہ بن عطا نے عقبہ سے سنا ہے۔

اس جرح وقدح اور کرید کرنے پر ابو اسحٰق بگڑ اٹھے، اس وقت مجلس میں ایک اور محدث مسعر بن کدامؒ بھی موجود تھے، انہوں نے کہا آپ نے شیخ کو ناراض کر دیا، مسعر نے بتایا کہ عبد اللہ بن عطا مکہ میں ہے، شعبہ نے اس حدیث کی تحقیق کے لیے مکہ کا سفر کیا، شعبہ کا بیان ہے کہ میرا ارادہ حج کا نہیں تھا، میرا مقصد سفر صرف حدیث کی تحقیق کرنا تھا، میں نے عبد اللہ بن عطا سے مل کر پوچھا کہ یہ حدیث تم سے کس نے بیان کی؟ اس نے کہا کہ سعد بن ابراہیم نے حضرت مالک بن انس سے معلوم ہوا کہ وہ مدینہ میں رہتے ہیں، یہ سن کر میں نے مکہ سے مدینہ کا سفر کیا اور سعد سے ملاقات کر کے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ مجھ سے زیاد بن

مخراق نے بیان کیا ہے میں نے کہا کہ بڑی پریشان کن بات ہے، زیاد بن مخراق کوفہ کا رہنے والا ہے پھر مدینہ میں رہنے لگا تھا مگر آج کل وہ بصرہ میں ہے، اب میں نے بصرہ کا رخ کیا اور زیاد بن مخراق سے مل کر اس سے اس حدیث کے راوی کے متعلق پوچھا کہ تم سے کس نے اس حدیث کو بیان کیا تو اس نے کہا کہ وہ آپ کے کام کا نہیں ہے میں نے پھر کہا نام بتاؤ؟ اس نے دوبارہ کہا کہ آپ اس کو قبول نہیں کریں گے، میں نے تیسری بار کہا بتاؤ تو سہی، تب اس نے کہا: "حدثني شهر بن حوشب عن ابي ريحانة عن عقبة" جوں ہی زیاد بن مخراق نے شہر بن حوشب کا نام لیا تو میں نے کہا "دمّر عليّ هذا الحديث" اس حدیث نے تو مجھے مار ہی ڈالا اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو مجھے اتنی محبوب ہوتی کہ میں اپنی آل واولاد، مال ودولت سب کچھ قربان کر دیتا۔

اور علامہ ابن المدینیؒ تو فرماتے ہیں: "الفقه في معاني الحديث نصف العلم و معرفة الرجال نصف العلم" معانی حدیث میں غور کرنا نصف علم ہے تو معرفت رجال بھی نصف علم ہے، یہ فن ایسا سدّ سکندری ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی باطل کبھی بھی حق کے ساتھ خلط ملط ہو ہی نہیں سکتا ہے، اور نہ ہی حق کی کسی کڑی کو کوئی کم کر سکتا ہے، اور نہ غیر حق کو حق بتا سکتا ہے، بنی اسرائیل میں یہ علم نہیں تھا، اور انہوں نے مذہب ومذہبیات کی خبر دینے والے کی صداقت وعدالت اور اس کی دروغ گوئی وافتراء پردازی کی تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں کی، اور نہ ہی ان کے پاس کوئی معیار تھا اسی وجہ سے وہ کسی بات کے رد وقبول میں افراط وتفریط کا شکار ہوتے چلے گئے۔

جب وہ رد کرنے پر آئے تو کوہِ طور پر کلام باری بلا واسطہ سن کر بھی سو طرح کے شبہات نکالنے لگے، اور جب وہ قبول کرنے پر آئے تو اندھا دھند اپنے احبار ورُہبان کی ہر

بات پر سر دھننے لگے اور اس کو دین و شریعت اور حکم الٰہی تصور کرنے لگے۔

مگر اسلام نے اس افراط وتفریط کے غیر متوازن نظریہ کی بیخ کنی کی اور ایک معتدل قانونِ تحقیق اور آئینِ تنقید عطا کیا، تاکہ نہ یہ ہو کہ ہر کان میں پڑنے والی بات کو صحیح سمجھ لیا جاوے، اور نہ یہ ہو کہ قطعیات وحتمیات میں بھی کیڑے نکالے جائیں۔

(آثار الحدیث: ۴۰۰ بحوالۂ مقدمۂ تذہیب: ۴)

گروہ ایک جویا تھا علم نبی کا — لگایا پتہ اس نے ہر مفتری کا

نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا — کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا

کیے جرح وتعدیل کے وضع قانوں — نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

علم اسماء الرجال اس امت کا امتیازی فن

مسلمانوں نے اپنے دین و دینیات اور اسلام و اسلامیات تک رسائی اور اس کے بقاء وتحفظ کے لیے یہ ایک ایسا نرالا اور نہایت ہی اہم فن ایجاد کیا ہے، جو صرف اور صرف مسلمانوں ہی میں پایا جاتا ہے۔

مسلمانوں کے علاوہ کوئی قوم، ماضی میں نہ حال میں اب تک اس فن کو دریافت نہیں کرسکی، دوسرے مذاہب کو تو چھوڑیئے عالمِ ادیان کے دو بڑے مذہب یہودیت وعیسائیت، ان مذاہب کے پیروکار و پیشوایان بھی اپنی نسبت خشتِ اول سے مربوط نہیں کرسکتے نہ ہی اپنی ان مذہبی کتابوں کی محفوظیت اور بانیانِ مذاہب سے ثبوت پر کوئی دلیل پیش کرسکتے ہیں، اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ان کے پاس ناقلینِ مذہب کی کڑیاں محفوظ و مربوط نہیں ہیں۔

فن اسماء رجال سے متعلق ایک دشمن اسلام کا تأثر

اسی لیے دشمنانِ اسلام نے اسلام کی اس امتیازی خوبی کا اعتراف کیا ہے، ایک مشہور دشمنِ اسلام ڈاکٹر اسپرنگر نے لکھا ہے، جو ابن حجرؒ کی "الاصابة" کے مقدمہ میں مذکور ہے" کوئی قوم نہ دنیا میں ایسی گذری ہے نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال معلوم کیا جاسکتا ہے"۔

اور یہ علم اسماء الرجال دراصل علم الاسناد ہے اور علم الاسناد کے متعلق علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں" ثقہ کا ثقہ سے بلا انقطاع (اتصالِ سند کے ساتھ) حدیث نبوی کو نقل کرنا یہ وہ نعمت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خاص اس امت کو نوازا ہے"۔ (تدریب:۱۸۳)

راویان حدیث کے طبقات

فن اسماء رجال اور علم الاسناد میں بنیادی گفتگو راویان حدیث کے احوال وکوائف سے ہوتی ہے اس لیے محدثین نے مختلف اعتبارات سے ان راویوں کے متعدد طبقے بنائے ہیں، مگر ہم ان کو تقریب فہم کے لیے صرف دو طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں: صحابہ، غیر صحابہ۔

طبقۂ صحابہ:

یہ وہ پاکباز ہستیاں ہیں جن کی عدالت وصداقت اور حفظ وامانت مسلم تھیں اور "الصحابة کلهم عدول" کا کلیہ ان کے متعلق مشہور تھا۔ یہ طبقہ جرح وقدح وتعدیل اور نقد وتحقیق سے بالاتر اور مستثنیٰ تھا۔

طبقۂ غیر صحابہ:

دوسرے طبقہ کے متعلق اس قسم کی کوئی ضمانت نہیں تھی اور وہ مرحلہ جرح وتعدیل میں تھا، ان سے نقل روایات میں بے احتیاطی، کذب بیانی وغیرہ کا امکان تھا اور بعضوں سے اس کا صدور بھی ہوا، اس لیے اس طبقے کی بنا پر اب ضرورت ہوئی ایک ایسے فن کی جس کی مدد سے راویوں کے صدق وکذب کو پرکھا اور جانچا جا سکے اور کھرے کھوٹے کا پتہ لگایا جا سکے، چناں چہ اسی مقصد کے تحت نقد رجال وتحقیق اسانید کے لیے ایک فن کی تدوین عمل میں آئی جس کا نام ''اسماء الرجال'' رکھا گیا۔

اس اجمال کی تشریح

پہلا طبقہ: طبقۂ صحابہ:

اوپر جن دو طبقوں کا ذکر آیا ہے ہم اس کی کسی قدر تفصیل کرنا چاہتے ہیں پہلا طبقہ طبقہ صحابہ جن کے متعلق شروع میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نظام قدرت اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت وحکمت کا یہ کرشمہ، کہ احادیث مبارکہ کے اولین ناقلین امت کا وہ طبقہ بنا جس کو ہم صحابہ کے نام سے جانتے ہیں، صحابہ کا یہ گروہ عشق الٰہی، حب نبوی دیانت وامانت، تقویٰ وطہارت، دینی حمیت وشجاعت، اخلاقی بلندی انسانی شرافت، فکر آخرت، تبتل وانابت، خوف وخشیت اور حفظ واتقان، فہم صحیح کے اعلیٰ مقام پر فائز تھا، ان میں ایک طرف تو عشق نبویؐ کے نتیجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا، ہر نقل وحرکت اور ہر قول وفعل کو بہت دھیان سے سنتے دوسروں سے معلوم کرتے پھر اس پر عمل کرتے اور دوسروں تک پہونچانے میں کامل جوش وخروش رکھتے تھے۔

دوسری طرف خوف خدا اور قوتِ حفظ و اتقان کی ایسی عظیم صفت ان میں موجود تھی کہ ان صفات کے ہوتے ہوئے یہ کیسے ممکن تھا کہ نقل روایات میں وہ کسی بے احتیاطی لاپرواہی، دروغ گوئی وجعل سازی کے شکار ہو جائیں، خصوصاً جب کہ ان کا حال یہ تھا کہ جب وہ کوئی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بیان کرتے تو کانپ جایا کرتے تھے، بعض صحابہ کا تو معمول تھا کہ وہ جب حدیث بیان کرتے تو پہلے "من كذب عليّ متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار" والی حدیث ضرور پڑھ لیا کرتے تھے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق نقل فرمایا کہ "يبتدأ حديثه قال رسول الله الصادق و المصدق ابو القاسم صلى الله عليه وسلم من كذب عليّ متعمدًا...الخ" اور یہ احتیاط پورے طبقۂ صحابہ میں پائی جاتی تھی۔

• حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "والله ما كنا نكذب ولا كنا ندري ما الكذب" واللہ نہ ہم جھوٹ بولتے تھے نہ جانتے تھے کہ جھوٹ کسے کہتے ہیں۔

(الكامل لابن عدي: ج١/ص١٥٩؛ مفتاح الجنة للسيوطي: ج١/ص٣٧)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "ليس كلنا كان يسمع حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم كانت لنا ضيعة واشغال ولكن الناس لم يكونوا يكذبون يومئذ فيحدث الشاهد الغائب". (المحدث الفاصل)

صحابۂ اگر چہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح معصوم نہیں تھے، مگر ان کی اسی صداقت وعدالت، امانت ودیانت صحتِ فہم وفراست کی بنا پر محدثین کے مابین یہ کلیہ متفقہ طور پر مشہور ومسلم تھا کہ "الصحابة كلهم عدول" سارے صحابہ عادل ہیں، اس لیے صحابہ کا طبقہ جرح

وتعدیل سے بالاتر ہے، ہر ہر صحابی کی روایت بلا کسی تحقیق وتنقید کے قبول کرلی جائے گی۔

اور صحابہ کی عدالت کا راز بتلاتے ہوئے امام الحرمین فرماتے ہیں:

والسبب فی عدم الفحص عن عدالتهم انهم حملة الشريعة فلو ثبت التوقف فی روايتهم لا نحصرت الشريعة على عصره صلى الله عليه وسلم و لما استرسلت سائر الاعصار. (تدریب الراوی:۲/۲۱۴)

صحابہ کی عدالت کے متعلق تحقیق نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ حاملین شریعت ہیں، اگر ان ہی کی روایت میں توقف ہونے لگے تو شریعت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ہی محدود ہوکر رہ جائے گی، بعد کے زمانوں تک نہ پہنچ سکے گی۔

ہاں صحابہ کی مجموعی زندگی میں چند ایک علمی اختلافات بعض عملی کمزوریاں اور بعض لغزشیں کچھ اختلافی فتنے ضرور مل جائیں گے مگر یہ چیزیں صحابہ کی عدالت وثقاہت میں حارج نہیں ہیں۔

علامہ نوویؒ نے لکھا ہے:" وكلهم عدول رضي الله عنهم ومتأولون في حروبهم وغيرها ولم يخرج شيء من ذلك احدا منهم عن العدالة لانهم مجتهدون اختلفوا في مسائل من محل الاجتهاد كما يختلف المجتهدون بعدهم في مسائل من الدماء وغيرها ولا يلزم من ذالك نقص احد منهم "۔

(شرح النووی علی المسلم)

ترجمہ: سارے صحابہ عادل تھے، آپسی نزاعات وغیرہ میں تاویل کرنے والے تھے، اوران میں سے کوئی چیز کسی صحابی کو بھی دائرہ عدالت سے خارج کرنے والی نہیں، کیوں کہ وہ مجتہد تھے اجتہاد کے مواقع پر ہی ان حضرات کا اختلاف ہوا ہے جیسے بعد کے ائمہ مجتہدین کے

درمیان قتل نفس وغیرہ کے مسائل میں اختلافات پائے جاتے ہیں مگر یہ اختلاف ان کے نقص کا سبب نہیں۔

دوسرا طبقہ: طبقۂ غیر صحابہ اور ان کے تین گروہ

حدیث کی روایت کرنے والوں کا دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو صحابہ کے ماسوا ہیں، ان میں تابعین واتباع تابعین نیز وہ لوگ بھی شامل تھے جو منافقانہ انداز میں مسلمان کے گروہ میں خلط ملط ہو گئے تھے، اس دوسرے طبقے کو ہم اپنے موضوع کے اعتبار سے تین گروہ میں تقسیم کر سکتے ہیں:

اول: کبار تابعین دوم: اوساط تابعین اور تبع تابعین سوم: دشمنان اسلام

پہلا گروہ کبار تابعین:

اس گروہ سے مراد تابعین خصوصا کبار تابعین کی جماعت ہے، اگر چہ ان لوگوں کا حال صحابہ جیسا تو نہ تھا، مگر چوں کہ صحابہ ہی کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے اس لیے دین وایمان کی صیانت وحفاظت کا جوہر ان میں اسی انداز میں کارفرما تھا اس لیے یہ حضرات کذب وافتراء سے پاک تھے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں "طبقہ تابعین میں انتہائی تحقیق وتفتیش اور غایت درجہ تنقید کے بعد بھی کوئی راوی کاذب نہیں ملا۔ (تذکرۃ الحفاظ)

حافظ شمس الدین سخاوی ایک جگہ لکھتے ہیں: "پہلی صدی ہجری جو صحابہ وتابعین کے دور میں گزری، اس میں حارث اعور اور مختار کذاب جیسے اشخاص کو چھوڑ کر کسی ضعیف الروایۃ شخص کا تقریباً وجود نہ تھا۔

دوسرا گروہ اوساط تابعین اور تبع تابعین:

اس میں اوساط تابعین اور عام تبع تابعین شامل ہیں اس طبقے میں بے شک کذب کا ظہور ہوا، اور اہل ہوی نے حق و باطل اور صدق و کذب کو خلط ملط کرنے کی کوشش کی۔

تیسرا گروہ دشمنان اسلام

یہ وہ بدترین اور خبیث افراد تھے جن کے خمیر میں اسلام دشمنی کا عقیدہ شامل تھا، جو اپنی منافقانہ خباثت کو چھپا کر اسلامی لباس میں ملبوس ہوکر مسلمانوں کی صفوں میں داخل ہوگئے تھے، اللہ نے اسلام کو وجود بخشا، پروان چڑھایا، اسلام تو آیا ہی تھا چمکنے کے لیے پھلتا پھولتا رہا اور مخالفین حسد و عداوت کی آگ میں جلتے رہے، اسلام کو مٹانے کی سازشوں، کوششوں میں لگے رہے مناسب مواقع کی تلاش میں رہے مگر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ تک کسی کو سانس وڈکار لینے کی ہمت نہیں ہوئی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بعض ناگفتہ بہ حالات پیدا ہوئے جس کے نتیجہ میں حضرت عثمان کی شہادت کا قصہ بھی پیش آیا، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جنگ صفین اور جنگ جمل کی مسموم فضاؤں میں مسلمانوں میں شدید اختلافات پیش ہوئے، اس موقع پر دشمنان اسلام کو موقع غنیمت نظر آیا، چناں چہ عبداللہ بن سبا یہودی نے احادیث کو گھڑنے کا کام شروع کیا اور کرایا، بقول حافظ ابن حجر عسقلانی۔ " اوّل من کذب عبد اللّٰہ ابن سباء" سب سے پہلے جس نے جھوٹی حدیثیں بنانے کا کام کیا وہ عبداللہ بن سبا نے اپنی جماعت بنائی اور مختلف ممالک میں اپنے نمائندے بھیج دیئے، اور روافض وضع احادیث میں پیش پیش تھے، خوف خدا اور خوف آخرت سے بے نیازی نے اس معاملہ میں ان کو اتنا جری

بنادیا کہ وہ ہر چیز کو حدیث بنادیا کرتے تھے۔

چناں چہ حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ روافض کے ایک شیخ نے مجھ سے بیان کیا کہ:
"**کنا اذا استحسنا شیئا جعلناہ حدیثا**" جب ہمیں کوئی بات اچھی لگتی تو ہم اسے حدیث بنادیتے۔

امام مالک سے جب روافض کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: "**لا تکلم و لا تروعنهم فانهم یکذبون**" ان سے بات نہ کرو اور ان سے روایت نہ کرو، کیوں کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

خلیلی کا بیان ہے کہ روافض نے حضرت علی اور ان کے اہل خانہ کے فضائل میں تقریباً تین لاکھ حدیثیں گھڑی ہیں۔

محدث عامر شعبی جو پہلے رافضیوں کے امام تھے پھر تائب ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں کہ لوگ میرے غلام ہو جائیں تو یا میرے گھر کو سونے سے بھر دیں یا میرے گھر کا طواف کریں بایں عوض کہ میں علی بن ابی طالب کے فضائل میں حدیثیں گڑھوں تو وہ ضرور ایسا کریں گے، مگر خدا کی قسم میں تو ہرگز یہ نہیں کروں گا۔

روافض کی طرح خوارج بھی حدیثیں وضع کرنے میں بڑے بے باک تھے، عراق اس زمانہ میں اہلِ تشیع کا مرکز تھا، اس کے متعلق امام زہری فرماتے ہیں" **یخرج الحدیث من عندنا شبرا فیرجع من العراق ذراعا**" (السنۃ ومکانتها فی التشریع الاسلامی: ص ۹۳)
ہمارے یہاں سے حدیثیں ایک بالشت کی نکلتی ہیں اور جب عراق سے لوٹتی ہیں تو ایک گز کی ہوجاتی ہیں۔

اسی لیے امام مالکؒ نے فرمایا کہ عراق دارالضرب ہے، "یعنی حدیث ڈھالنے کی

فیکٹری''، جہاں سکّوں کی طرح حدیث بڑی تعداد میں ڈھالی جاتی ہے، جس کی تفصیل کسی قدر ماقبل میں پیش کی گئی۔ (از فن اسماء الرجال للندوی)

فن اسماء الرجال کی خشتِ اوّل

مذکورہ بالا تفصیل سے بہت اچھی طرح اندازہ ہوگیا ہوگا کہ احادیث کے وضع وکذب کا بازار کس قدر گرم تھا، ان گھناؤنے حالات میں صحابۂ کرامؓ نے اخذ روایات میں اپنی احتیاط مزید بڑھادی، چناں چہ حضرت علیؓ نے اعلان کردیا: ''**حدثوا الناس ما یعرفون ودعوا ما ینکرون**'' لوگوں سے وہی روایات بیان کرو جوان کے درمیان معروف ہیں اور جن کو وہ جانتے ہیں اور جن کو نہیں جانتے ہیں ان کو چھوڑ دو یہ احتیاط بڑھتی رہی بڑھتی رہی یہاں تک کہ اس فتنۂ سبائیہ کے ظہور کے بعد اسانید کا مطالبہ شروع ہوگیا، مقدمہ صحیح مسلم میں امام محمد بن سیرین کا یہ قول منقول ہے'' **لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالکم فینظر إلی أهل السنة فیؤخذ حدیثهم و ینظر إلی أهل البدع فلا یؤخذ حدیثهم**''۔ (مقدمة صحیح مسلم)

ترجمہ: پہلے احادیث کی سند کا مطالبہ نہیں کیا جاتا تھا لیکن جب سے فتنوں کی کارستانیاں شروع ہوئیں تو روایت لینے والے محدثین کہنے لگے اپنی حدیث کے راوی کا تعارف کراؤ، اگر وہ اہل سنت کی جماعت سے تعلق رکھنے والا ہوتا تو اس کی روایت قبول کرلی جاتی اور اگر وہ راوی بدعتی ثابت ہوتا تو اس کی روایت نہیں لی جاتی۔

ایک مرتبہ بشر بن کعب عدوی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر کچھ حدیثیں سنانے لگے، مگر ابن عباسؓ نے ان کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا، بشر نے تعجب سے پوچھا کہ ایسا کیوں تو ابن عباس نے حقیقت ظاہر فرمائی۔

انا کنا اذا سمعنا رجلا یقول قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ابتدرته ابصارنا واصغینا الیه فلما رکب الناس الصعب والذلول لم ناخذ من الناس الا مانعرف۔ (مقدمۃ صحیح مسلم)

ترجمہ: ہم جب سنتے کہ کوئی شخص قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہا ہے تو ہماری آنکھیں اس کی طرف اٹھ جاتی ہیں ہمارے کان لپک پڑتے ہیں لیکن جب لوگوں نے کچی پکی سواریوں پر سواری شروع کردی تو اب ہم صرف ان ہی حدیثوں کو لیتے جن کی صحت و ثبوت کا ہم کو علم ہوتا۔

بہر حال ان احوال نامرضیہ میں نقد رجال کا کام شروع ہوچکا تھا، اگرچہ ابھی اس کو فن کی حیثیت حاصل نہ تھی، لیکن صحابہ کی ایسی عظیم احتیاطی تدبیر کے نتیجہ میں سبائی فکر کامیاب نہ ہوسکی، اور پورا ذخیرۂ حدیث دینی چمک دمک کے ساتھ محفوظ رہا۔

تحقیق رجال ورواۃ کے سلسلہ میں محدثین کی بیداری

پھر تھوڑے وقفہ کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے علماء محققین کی ایک بڑی جماعت پیدا کردی جنھوں نے اس صورتِ حال کو تشویش کی نگاہ سے دیکھا، ان کی روایتوں کو جانچا ان کی سندوں کو پرکھا، بحث وتمحیص، تفتیش وجستجو کرید اور تنقید پر زیادہ توجہ کی، اور انہوں نے راویوں کے حالات معلوم کرنے کی جدوجہد بڑے پیمانے پر کی، ہر اسلامی شہر میں جاکر وہاں کے

شیوخِ حدیث سے براہ راست مل کر ہر راوی حدیث کے متعلق پوری معلومات فراہم کی، اس سلسلہ میں محدثین نے پورے عالمِ اسلام میں چل کر ہر قابلِ ذکر راوی حدیث سے ملاقات کی دوسروں سے ان کے بارے میں پوچھا جانچا پرکھا اور قلم بند کیا انہیں حاصل کردہ معلومات کی روشنی میں انہوں نے جرح وتعدیل کے ذریعہ ان کی روایتوں کی حیثیت کو واضح کیا، اور ان راویوں کی نشاندہی کر دی جو روایت کے معیار پر پورے نہیں اترتے، دوسری صدی کے اختتام تک بڑے پیمانے پر تنقید رواۃ کا کام ہر طرف شروع ہوگیا، اور راویوں کے حالات معلوم کر کے ان کی روایتوں کے رد وقبول کا فیصلہ کیا گیا، تبع تابعین کا آخری دور تھا؛ اسی دور میں فن اسماء الرجال میں تصنیفوں کا آغاز ہوا، ان محدثین اور علماء اسماء الرجال میں سرفہرست شعبہ ابن الحجاج متوفی ۱۶۵ھ، امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، معمر متوفی ۱۵۳، ہشام متوفی ۱۴۶ھ کے اسماء گرامی ہیں، ان کے بعد ائمہ فن اسماء الرجال میں نمایاں نام عبداللہ بن مبارک متوفی ۱۸۱ھ، ہشیم متوفی ۱۸۳ھ اور سفیان بن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ کے آتے ہیں، درجہ بہ درجہ فن وسعت اختیار کرتا جارہا تھا، کیوں کہ یہ وقت کی سب سے اہم ضرورت کی حیثیت اختیار کر چکا تھا، اس لیے علماء اسلام اور محدثین عظام کا بڑا گروہ میدان میں آگیا، اور انہوں نے حق تحقیق ادا کیا، ان میں یحیٰ ابن سعید القطان متوفی ۱۹۸ھ اور عبدالرحمٰن ابن المہدی متوفی ۱۹۸ھ کے نام جلی حروف میں لکھے ہوئے نظر آتے ہیں، یحیٰ القطان ہی وہ شخص ہیں جن کے بارے میں علامہ ذہبی نے لکھا ہے: قال احمد بن حنبل **"ما رأیت بعینی مثل یحیٰی بن سعید القطان"** (تذکرۃ الحفاظ: ج ۱/ص ۲۹۸) امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یحیٰ بن سعید القطان جیسا کوئی نظر نہیں آیا، یحیٰ القطان وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے راویوں کی تنقید کو باقاعدہ ایک فن کی شکل دیدی، انہوں نے راویوں کے بارے میں مخصوص حکم کا اظہار کیا، اور

ان کو ضبط کیا اور عام محدثین نے ان کے راویوں کو احترام کی نگاہوں سے دیکھا اور اسماء الرجال کی کتابیں ان کے اقوال و آراء سے بھری پڑی ہیں۔

پھر ان حضرات کے شاگردوں نے رواۃ کی تحقیق کا کام سنبھالا، ان میں یحی ابن معین، علی ابن مدینی، امام احمد بن حنبل کے نام سنہرے حروف میں لکھے جائیں گے، پھر ان کے تلامذہ نے فن اسماء الرجال کو ایک مکمل فن بنا دیا اور فن میں ضخیم ضخیم کتابیں تصنیف کیں، جیسے امام بخاری، امام مسلم، ابوزرعہ رازی، ابو حاتم رازی، یہ بہت سارے ناموں میں سے چند نام ہیں، اس کے بعد ان کے شاگردوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور اس میں مزید اضافہ کیا، ان میں کچھ نمایاں نام یہ ہیں: امام ترمذی، امام نسائی، وغیرہ اس طرح تیسری صدی کے اخیر تک یہ فن معراج کمال کو پہونچ کر ایک عظیم الشان فن بن گیا، اور دنیا کی کسی قوم ومذہب کی کوئی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے آج تک عاجز ہے، اس فن میں لاکھوں اشخاص کی زندگی کے سارے پہلوؤں پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے کہ اب ہر شخص کے لیے یہ فیصلہ کرنا آسان ہو گیا کہ یہ شخص روایت حدیث میں قابلِ اعتماد ہے یا نہیں، اور تیسری صدی کے نصف اول میں صحیح ترین حدیثوں کو جمع کرنے کی مہم پایۂ تکمیل کو پہونچ گئی، اور درجنوں احادیث کے مجموعے مرتب کر کے دنیا کے سامنے پیش کر دیے گئے کیوں کہ اب جھوٹی، موضوع اور بے بنیاد روایتوں کو چھانٹنے، علیحدہ کرنے اور صحیح حدیثوں کو منتخب کرنے کی ایسی کسوٹی مہیا ہو چکی تھی کہ اس میں غلطی کا احتمال ختم ہو چکا تھا، حدیثوں کے مجموعے تو بہت پہلے سے موجود تھے لیکن صحاح ستہ کی ترتیب کا شرف تیسری صدی کو حاصل ہوا۔

(فن اسماء الرجال: مؤلف، اسیر ادروی)

باب ششم

علم اسماء الرجال اور علم الجرح والتعدیل کا باہمی ربط

نقد رجال کی ضرورت اور اہمیت افادیت کی گفتگو کے تحت علم اسماء رجال اور جرح و تعدیل کے الفاظ بار بار کانوں میں پڑے تو ایک سوال ہوتا ہے، کہ دونوں دو الگ الگ چیزیں ہیں یا دونوں ایک ہی علم کے دو نام ہیں، تو معلوم ہونا چاہیے کہ ابتداءً یہ دونوں دو مستقل فن تھے، اگر چہ کہ دونوں کا مآل اور انجام کار اور بناء و تاسیس کی غرض ایک ہی تھی وہ یہ کہ احادیث کا صحیح مقام و درجہ جانا جا سکے، مگر دونوں کے درمیان جو فرق تھا وہ یہ کہ علم اسماء رجال سے صرف اشخاص کی زندگیاں ان کے احوال و کوائف معلوم ہوتے تھے، اور اس اعتبار سے تو یہ فن علم التاریخ کے مترادف معلوم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ابتداء میں اس فن کو تاریخ ہی کا نام دیا جاتا تھا، چناں چہ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابیں تاریخ کے نام سے موسوم تھیں، مثلاً: **التاریخ الکبیر للبخاری، التاریخ الصغیر للبخاری، تاریخ ابن خیثمة، وغیرہ۔**

اور فنِ جرح وتعدیل کا مقصد تھا، راوی کے حالات و اوصاف کو دیکھ کر اس کی حیثیت متعین کر دینا اور نقل روایات کے باب میں اس کی مقبولیت و مردودیت کا درجہ بتلا دینا کہ کون سا راوی ثقہ صدوق ہے، اور کونسا راوی کاذب و مردود ہے، مگر چوں کہ یہ دونوں فن باہم لازم ملزوم تھے بایں طور کہ محض احوال رواۃ کا معلوم کرنا مقصود نہیں بل کہ اصل مقصود تو اس کی راویانہ حیثیت اور درجہ کو جاننا تھا اور درجہ بندی کا یہ کام بغیر تاریخ جانے ہوئے نہیں ہو

سکتا تھا، اس لیے متاخرین محدثین نے دونوں کو ایک ساتھ جمع کرنا شروع کر دیا چناں چہ ان کی تصنیفات میں تاریخ رجال اور جرح تعدیل کے اصول کے مطابق ان کی درجہ بندی بھی ساتھ نظر آتی ہے اور دونوں یکجا کرنے کا یہ طرز اس لیے اپنایا کہ امت کے لیے استفادہ آسان ہو جائے، مثلاً دیکھئے ہم ایک راوی کے لیے ابن حجر کی ''تقریب التہذیب'' کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ایک ہی صفحہ پر راوی کی زندگی اور اس کی راویانہ حیثیت دونوں ہمیں مل جاتی ہیں۔

جرح وتعدیل کا لغوی واصطلاحی مفہوم

لغوی مفہوم: جرح کا معنی لغت میں ہے، زخمی کرنا، توہین کرنا، کسی شخص کی طرف عیب کی نسبت کرنا۔

تعدیل: عدل سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے برابر کرنا، ٹھیک کرنا، کسی کی طرف صحیح اور ٹھیک ہونے کی نسبت کرنا۔

اصطلاحی مفہوم: علم جرح وتعدیل وہ علم ہے، جس کے ذریعہ راوی حدیث کی ثقاہت اور عدم ثقاہت کو جانا جائے۔

تقسیم جرح وتعدیل

ہر ایک جرح وتعدیل میں سے دو قسم پر ہیں، مبہم، مفسر جرح وتعدیل مبہم وہ ہے جس میں کوئی سبب جرح وتعدیل کا راوی میں مذکور نہ ہو جرح وتعدیل مفسر وہ ہے، جس میں کوئی سبب، جرح وتعدیل میں مذکور ہوں۔

قبولیت وعدم قبولیت جرح وتعدیل

جرح مفسر میں وتعدیل مفسر دونوں بالاتفاق مقبول ہیں، البتہ جرح مبہم وتعدیل مبہم کے مقبول ہونے میں گو بعض بزرگوں سے اختلاف منقول ہے، مگر زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ جرح مبہم بالکل مقبول نہیں اور تعدیل مقبول ہے یہی مذہب امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ وترمذی وابوداؤدؒ ونسائی ابن ماجہؒ وجمہور محدثین وفقہائے حنفیہ کا ہے۔

شرطِ قبولیتِ جرح تعدیل

جرح مفسر وتعدیل کے مقبول ہونے کے واسطے مشترکہ ثبوت یہ ہیں کہ جرح کنندہ و تعدیل کنندہ میں امور مندرجہ ذیل پائے جانے ضروری ہیں، علم، تقویٰ، ورع، صدق، عدمِ تعصب، معرفتِ اسبابِ جرح وتعدیل اور خاص جرح کے قبول ہونے کے واسطے زائد یہ شرط ہے کہ جرح کنندہ غیر متعصب ہونے کے علاوہ متعنت ومتشدد بھی نہ ہو۔

بعض اسماءِ محدثین جو جرح میں متعصب ہیں

دارقطنی، خطیب بغدادی۔

بعض اسماءِ محدثین جو جرح میں متعنت ہیں

ابن جوزی، بدرِ موصلی، جوز قانی، مؤلف کتاب الاباطیل، ابن تیمیہ حرانی، مجدالدین بغوی مؤلف قاموس۔

بعض اسماءِ محدثین جو جرح میں متشدد ہیں

ابوحاتم، نسائی، ابن معین، ابن قطان یحییٰ قطان ابن حبان۔

بعض اسماء محدثین جو جرح وتعدیل میں معتدل ہیں

امام احمد بن حنبل، ابن عدی۔

الفاظ جرح وتعدیل کے مراتب

چھ درجہ الفاظ جرح کے اور چھ درجہ الفاظ تعدیل کے ہیں، اور ہر درجہ کے لیے ایک قاعدہ کلیہ ہے۔

الفاظ تعدیل کے مراتب

(۱) الفاظ تعدیل میں سب سے ارفع لفظ یہ ہے کہ کسی راوی کی توثیق ایسے لفظ سے کی جائے جس میں مبالغہ کے معنی پائے جائیں، یا افعل کے صیغہ سے اس کی تعدیل کی گئی ہو جیسے اوثق الناس اضبط الناس، و الیه المنتهی فی التثبت، اور اسی درجے میں لااعرف له نظیرًا فی الدنیا ہے۔

(۲) توثیق ایسی صفت کے ساتھ کی گئی ہو، جو راوی کی توثیق وعدالت پر دلالت کرے، خواہ اسی لفظ کو مکرر لایا گیا ہو، یا اس کے ہم معنی کوئی دوسرا لفظ ہو ثقة ثقة، ثقة مامون، ثقة حافظ۔

(۳) توثیق ایسے لفظ سے کی گئی ہو، جو راوی کی عدالت کے ساتھ اس کے ضبط کو بھی ظاہر کر رہا ہو جیسے ثبت، متقن، حجة، امام۔

(۴) ایسے لفظ سے راوی کی توثیق کی گئی ہو کہ اس میں ضبط و اتقان ظاہر نہ ہو رہا ہو، جیسے صدوق، مامون، لابأس به۔

(۵) راوی کی توثیق ایسے لفظ کی گئی ہو، جو راوی کی صداقت کی طرف اشارہ کرے، مگر اس کے ضبط پر دلالت نہ کرے، یہ چوتھے مرتبہ کے قریب قریب ہے مگر اس کا درجہ اس

کے بعد ہے، جیسے محلة الصدق، صالح الحدیث ۔

(۶) ایسے لفظ سے توثیق کی گئی ہو کہ راوی مجروح ہونے کے قریب پہنچ جائے جیسے پانچویں درجے کے الفاظ کے ساتھ انشاء اللہ کا اضافہ کر دیا گیا ہو، یا شیخ لیس ببعید من الصواب، صویلح صدوق ان شاء اللہ ۔

الفاظ جرح کے مراتب

(۱) جو لفظ جرح مبالغہ پر دلالت کرے جیسے اکذب الناس، رکن الکذب.

(۲) جرح کذب یا وضع کے سبب کی گئی ہو جیسے کذاب، وضاع یہ الفاظ مبالغہ پر دلالت کرتے ہیں مگر ان کا مرتبہ پہلے درجہ کے بعد ہے۔

(۳) ایسے لفظ سے جرح کی گئی ہو جس سے راوی کا متہم بالکذب یا متہم بالوضع ہونا معلوم ہوتا ہو جیسے متہم بالکذب و متہم بالوضع و یسرق الحدیث، اسی درجے میں یہ الفاظ بھی ہیں، ھالک، متروک، لیس بثقة ۔

(۴) ایسے لفظ سے جرح کی گئی ہو جو راوی کے ضعف شدید کو ظاہر کرے، جیسے رد حدیثه، طرح حدیثه، ضعیف جدا، و لیس شیء، لایکتب حدیثه ۔

(۵) اس درجہ میں وہ تمام الفاظ داخل ہیں جو راوی کے ضعیف ہونے یا اس کے حفظ کے اضطراب پر دلالت کریں، جیسے مضطرب الحدیث، لایحتج به ضعفوه، ضعیف، له منا کیر ۔

(۶) راوی پر ایسے وصف کے ساتھ جرح کی گئی ہو، جو اس کے ضعف کی طرف اشارہ کرے، لیکن تعدیل سے قریب ہو، جیسے" لیس بذلک القوی، فیه ضعف، غیره اوثق منه.

جرح وتعدیل میں تعارض

ایک راوی میں جرح وتعدیل کے تعارض کی بظاہر چار صورتیں ہیں: جرح مبہم و تعدیل مبہم، جرح مبہم وتعدیل مفسر، جرح مفسر وتعدیل مبہم، جرح مفسر وتعدیل مفسر۔ پہلی اور دوسری صورت میں جرح غیر معتبر اور تعدیل معتبر ہے۔ تیسری اور چوتھی صورت میں جرح معتبر ہے اور تعدیل غیر معتبر ہے، بشرطیکہ جرح مفسر کسی ایسے شخص سے صادر نہ ہوئی ہو جو جرح کرنے میں متعصب یا متعنت، یا متشدد شمار کیا گیا ہو۔ (خیر الاصول: ص ۹)

فن اسماء الرجال کی بنیادی شخصیات

(۱) شعبہ بن الحجاج العتکی الازدی الواسطی ثم البصری المولود ۸۲ھ المتوفی ۱۶۰ھ

حضرت شعبہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے راویان حدیث کے حالات کی جستجو تحقیق وتنقید کا آغاز کیا اور سب سے پہلے انہوں نے ہی ثقہ راویوں کی فہرست سے ضعیف اور متروک راویوں کو چھانٹ کر علیحدہ کیا، اور ان راویوں کی نشاندہی کی۔ امام احمدؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں: **ھو امة وحدة فی هذا الشان** 'وہ اس سلسلہ میں تن تنہا ایک جماعت کے قائم مقام ہیں۔

امام شافعیؒ ان کے بارے میں کہتے ہیں: **"لولا شعبة ماعرف الحديث بالعراق"** اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں صحیح طور پر حدیث کا علم نہ ہوتا۔

(۲) یحییٰ القطان التمیمی المولود ۱۲۰ھ المتوفی ۱۹۸ھ

امام احمد بن حنبل نے ان کے متعلق فرمایا: **"ما رأيت بعيني مثل يحيى القطان"** میں نے اپنی آنکھ سے یحییٰ القطان کا ثانی نہیں دیکھا۔ ایک محدث بندار کہتے ہیں کہ میں اپنے بیں

سالہ تجربہ کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ ان سے کبھی کوئی معصیت صادر نہیں ہوئی۔

(۳) ابن سعد الزہری ابوعبداللہ البغدادی المولود ۱۶۸ھ المتوفی ۲۳۰ھ

محمد بن سعد منیع الزہری ابوعبداللہ کاتب الواقدی، اسلام کے مستند مؤرخ اور حفاظ حدیث میں سے ہیں، آپ کی ولادت بصرہ میں ۱۶۸ھ میں ہوئی لیکن پوری زندگی آپ نے بغداد میں گذاری اور مشہور عالم مؤرخ واقدی کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہے، اور ان کے کاتب تھے اسی لیے وہ کاتب الواقدی کے نام سے مشہور ہوئے خطیب بغدادی نے اپنی کتاب "تاریخ بغداد" میں لکھا ہے: "محمد بن سعد عندنا من أهل العدالة وحدثه يدل على صدقه فانه يتحرى في كثير من رواياته".

یعنی ابن سعد ہمارے نزدیک عادل تھے، ان کی حدیثیں ان کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں وہ بہت جانچ پرتال کرتے تھے۔

آپ کی مشہور ترین کتاب "طبقات" ہے جو پوری دنیا میں طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے۔

(۴) یحیٰ بن معین البغدادی المولود ۱۵۸ھ المتوفی ۲۳۳ھ

یہ رجال حدیث کے بہت بڑے مؤرخ اور امام ہیں۔ امام بخاریؒ کے شیوخ میں سے ہیں۔ علامہ ذہبی نے ان کو سید الحفاظ کا لقب دیا ہے، ابن حجر ان کو امام الجرح والتعدیل کہتے ہیں۔

(۵) علی بن مدینی ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح السعدی المدینی ثم البصری المولود ۱۶۱ھ المتوفی ۲۳۴ھ

امام احمد غایتِ احترام میں نام کے بجائے صرف ان کی کنیت سے ان کو یاد کرتے تھے۔ امام نوویؒ کا بیان ہے کہ ابن المدینی کی تصانیف کی تعداد دو سو کے قریب ہیں، ان بعض کتابوں کے نام یہ ہیں:

(۱) الاسامی والکنی ۸؍جلدیں۔ (۲) الطبقات ۱۰ جلدیں۔

(۳) قبائل العرب ۱۰؍جلدیں۔ (۴) التاریخ ۱۰؍جلدیں۔

(۵) اختلاف الحدیث۔ (۶) مذاہب المحدثین وغیرہ۔

(۶) ابوخثیمہ: زہیر بن حرب بن شداد ابوخثیمہ النسائی البغدادی المولود ۱۶۰ھ المتوفی ۲۳۴ھ

(۷) امام احمد بن حنبلؒ: احمد بن محمد بن حنبل الذہلی الشیبانی المروزی المولود ۱۶۴ھ المتوفی ۲۴۱ھ

آپ کے علمی وعملی جلالت قدر شان استقامت تقوی وخشیت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

آپ کی تصانیف میں:

(۱) مسند الامام احمد۔ (۲) الناسخ والمنسوخ۔ (۳) الرد علی الزنادقہ۔

(۴) التفسیر۔ (۵) فضائل الصحابہ۔ (۶) المناسک وغیرہ۔

(۸) الفلاس عمرو بن علی بن بحر ابوحفص السقاء الفلاس البغدادی المتوفی ۲۴۹ھ

آپ کی تصانیف میں:

(۱) المسند۔ (۲) العلل۔ (۳) التاریخ۔

(۹) امام بخاریؒ: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم البخاری المولود ۱۹۴ھ المتوفی ۲۵۶ھ

آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فن حدیث کے لیے کچھ مستحکم اصول بنائے اور ایک خاص معیار پر پرکھ کر حدیثوں کو جمع کیا، اس سے پہلے کے احادیث کے مجموع صحت کے اس کڑے والتزام سے خالی تھے۔

آپ کی تصانیف میں صحیح بخاری کے علاوہ:

(۱) التاریخ الکبری۔ (۲) التاریخ الاوسط۔ (۳) التاریخ الصغیر۔

(۴) کتاب الکنی۔ (۵) کتاب الضعفاء۔

(۱۰) امام مسلم ابوالحسن مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیشاپوری المولود ۲۰۴ھ المتوفی ۲۶۱ھ...

آپ کی تصانیف میں صحیح مسلم کے علاوہ المسند الکبری، الکنی والاسماء، الافراد والوحدان الاقران، العلل، الطبقات، کتاب اولاد الصحابہ وغیرہ۔

ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد اجلہ علماء ومحدثین کی ہے، جنہوں نے خصوصیت سے فن اسماء الرجال میں سے بے مثال کارنامے انجام دیئے ہیں۔ مثلاً:

(۱) ابوزرعہ رازی ۲۶۴ھ۔ (۲) ابوحاتم رازی ۲۷۷ھ۔

(۳) امام ترمذی ۲۷۹ھ۔ (۴) ابن ابی خیثمہ ۲۷۹ھ۔

(۵) ابن الجارود ۳۰۷ھ۔ (۶) الدولابی ۳۱۰ھ۔

(۷) ابن خزیمہ ۳۱۱ھ۔ (۸) ابن ابی حاتم ۳۲۷ھ۔

(۹) ابن حبان ۳۵۴ھ۔ (۱۰) ابن عدی ۳۶۵ھ۔

(۱۱) دارقطنی۔ (۱۲) حاکم۔

(۱۳) ابن مندہ۔ (۱۴) خطیب بغدادی۔

(۱۵) السمعانی۔ (۱۶) ابن جوزی۔

(۱۷) ابن حجر وغیرہ۔

☆☆☆☆☆☆
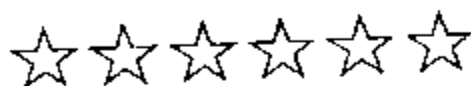
رجال اور جرح وتعدیل سے متعلق چند مشہور واہم کتب

جرح وتعدیل کی بعض کتابوں میں جرح وتعدیل دونوں کی بحث ہے اور ثقہ اور ضعیف دونوں قسم کے رواۃ کا تذکرہ ہے اور بعض کسی ایک کے ساتھ خاص ہیں اسی طرح بعض کتابوں کا معاملہ یہ ہے کہ ان میں حدیث کی کسی ایک کتاب یا چند کتابوں کے رواۃ کا تذکرہ ہے، اور بعض میں عام رواۃ کا ذکر ہے، خواہ ان کی روایت کسی کتاب میں ہو۔

(الف) عام کتب:

(۱) تاریخ بخاری م ۲۵۶ھ معروف بہ " التاریخ الکبیر " اس کتاب میں بعض حضرات کے بقول چالیس ہزار افراد کے حالات مذکور ہیں ویسے تو مطبوعہ نسخے میں (۱۲۳۴۵) افراد کے حالات ہیں۔

(۲) تاریخ ابن خیثمہ م ۲۶۹ھ۔

(۳) ابن ابی حاتم م ۳۲۷ھ اور امام احمد کی " الجرح والتعدیل "۔

(۴) طبقات ابن سعد م ۲۳۰ھ۔

(۵) تمییز النسائی م ۳۰۳ھ وغیرہ۔

ان میں سے دوسری کے متعلق نوویؒ کا بیان ہے کہ نہایت قیمتی فوائد پر مشتمل ہے اور تیسری کے متعلق ہے "نہایت عظیم الشان کتاب ہے" نیز

(۶) "التکمیل فی معرفة الثقات و المجاهیل" جو مشہور مفسر ابن کثیرؒ م ۷۷۴ھ کی کتاب ہے وہ بھی نہایت اہم کتاب ہے۔

(ب) معتمد رواۃ سے متعلق:

(۱) ثقات ابن حبان م ۳۵۴ھ۔

(۲) احمد بن عبداللہ عجلی م ۲۶۱ھ کی الثقات۔

(۳) شمس الدین ذہبی م ۷۴۸ھ کی تذکرۃ الحفاظ۔

(۴) قاسم بن قطلو بغا م ۸۷۹ھ کی کتاب الثقات۔

(ج) ضعفاء کے متعلق:

(۱) " الکامل " ابن عدی م ۳۶۵ھ کی جس میں ضعفاء اور ان تمام لوگوں کا تذکرہ ہے جن پر جرح کی گئی ہے، خواہ وہ جرح مقبول ہو یا غیر مقبول۔

(۲) "الضعفاء " امام بخاریؒ کی۔

(۳) " تاریخ الضعفاء " امام نسائی کی۔

(۴) "میزان الاعتدال" ذہبی کی، یہ بھی " الکامل " کے انداز پر ہے، مگر اس میں صحابہ اور ائمہ اربعہ کو نہیں لیا گیا ہے اگر چہ جرح کے کلمات ان حضرات کے حق میں بھی منقول ہیں اور ابن عدی نے سب کو جمع کیا ہے۔

(۵) " لسان المیزان " ابن حجر عسقلانی

(د) مخصوص کتب کے رواۃ کے متعلق:

(۱) "الکمال فی اسماء الرجال" عبدالغنی مقدسی م ۶۰۰ھ کی جو صحاح ستہ کے ثقہ و ضعیف تمام رواۃ سے متعلق ہے۔

(۲) " تہذیب الکمال" مصنف حافظ جمال الدین مزی م ۷۴۲ھ۔

(۳) " تہذیب التہذیب" ابن حجر کی جو در اصل مزی کی تہذیب الکمال کی

تلخیص اور سلیقہ دار ترتیب کی صورت میں پیش کی گئی ہے۔

(۴) "تقریب التہذیب" از حافظ ابن حجر عسقلانیؒ۔

(تدریب: ج ۲/ص ۳۶۸؛ وتیسیر المصطلح: ص ۱۵۰/فن اسماء الرجال: ص ۹۷ تا ۱۰۲)

(ہ) قواعد جرح وتعدیل سے متعلق کتب

(۱) مقدمہ کتاب "الجرح والتعدیل" مصنف ابن ابی حاتم م ۳۲۷ھ۔

(۲) "الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل"

از مولانا عبدالحئی لکھنوی م ۱۳۰۴ھ۔

اس کے علاوہ علماء جرح وتعدیل اور ماہرین اسماء رجال نے فن کے جزوی پہلوؤں کو بنیاد بنا کر بھی کتابیں تصنیف فرمائیں۔مثلاً:

(۱) حالات صحابہؓ پر

(۱) معرفۃ من نزل من الصحابۃ سائر البلدان از: علی بن المدینی ۲۳۴ھ

(۲) کتاب المعرفۃ از: ابو محمد عبداللہ بن عیسیٰ مروزی ۲۹۳ھ

(۳) کتاب الصحابہ از: ابن حبان بستی ۳۵۴ھ

(۴) الاستیعاب از: ابو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز قرطبی ملکی ۳۶۸ھ

(۵) اسد الغابہ از: علامہ ابن الاثیر ۶۳۰ھ

(۶) الاصابہ فی تمییز الصحابہ از: ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ

(۲) تاریخ رجال پر

(۱) تاریخ الرواۃ از: یحیی بن معین ۲۳۳ھ

(۲) التاریخ از: امام احمد بن حنبل ۲۴۱ھ

(۳) التاریخ الکبیر۔ الاوسط۔ الصغیر — از: امام بخاریؒ ۲۵۶ھ

(۴) تاریخ بغداد — از: احمد بن علی خطیب بغدادی شافعی ۴۶۳ھ

(۵) الجمع بین رجال الصحیحین — از: ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی ۵۰۷ھ

(۶) تاریخ دمشق — از ابن عساکر دمشقی ۵۷۱ھ

(۷) کتاب الکمال فی اسماء الرجال — از علامہ قزوینی ۶۲۳ھ

(۸) تہذیب الکمال فی اسماء الرجال — از علامہ جمال الدین مزی دمشقی ۷۴۲ھ

(۹) تذھیب تہذیب الکمال — از: حافظ محمد بن احمد بن عثمان الذھبی ۷۴۸ھ

(۱۰) تعجیل المنفعۃ بزوائد رجال الائمۃ الاربعۃ — از: حافظ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ

(۱۱) تہذیب التہذیب — از: حافظ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ

(۱۲) تقریب التہذیب — از: حافظ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ

(۳) طبقات پر

(۱) الطبقات الکبری — از: محمد بن سعد الواقدی ۲۳۰ھ

(۲) طبقات التابعین — از: مسلم بن حجاج القشیری ۲۶۱ھ

(۳) کتاب التابعین — از: ابن حبان بستی ۳۵۴ھ

(۴) طبقات المحدثین والرواۃ — از: علامہ حافظ ابونعیم الاصبانی ۴۳۰ھ

(۵) تذکرۃ الحفاظ — از حافظ شمس الدین ذھبی ۷۴۸ھ

(۴) اسماء وکنی اور القاب پر

(۱) الاسامی والکنی — از: علی عبداللہ بن جعفر المدینی ۲۲۴ھ

(۲) الاسماء والکنی — از: امام احمد بن حنبلؒ ۲۴۱ھ

(۳) الکنی نام کی امام بخاریؒ وامام نسائیؒ اور عبدالرحمن بن ابی حاتم کی کتابیں

(۴) فتح الباب فی الکنی والالقاب — از: ابن مندہ اصبہانی ۳۹۵ھ

(۵) المؤلف والمختلف — از: شیخ عبدالغنی اسدی مصر ۳۳۲ھ

(۶) المشتبہ فی النسبۃ — از: شیخ عبدالغنی اسدی مصر ۳۳۲ھ

(۷) المشتبہ فی اسماء الرجال — از: حافظ محمد بن احمد عثمان ذھبی ۷۴۸ھ

(۸) نزھۃ الالباب فی الالقاب — از: ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ

۵) انساب پر

(۱) الانساب — از: شیخ محمد بن طاہر مقدسی ۵۰۷ھ

(۲) الانساب — از: علامہ سمعانی ۵۶۲ھ

(۳) اللباب — از: علی بن محمد شیبانی ۶۳۰ھ

۶) جرح وتعدیل پر

اس عنوان پر بعضوں نے اپنی تصنیف میں صرف کذابین وضعفاء کو موضوع بنایا اور بعضوں نے صرف ثقات کو اور بعضوں نے ثقات وضعفاء دونوں کو

(۱) الجرح والتعدیل — از: احمد بن حنبلؒ ۲۴۱ھ

(۲) الجرح والتعدیل والضعفاء — از: جوزجانی ۲۵۹ھ

(۳) الضعفاء — از: امام بخاریؒ ۲۵۶ھ

(۴) تاریخ الضعفاء والمتروکین — از: امام نسائی ۳۰۳ھ

(۵) الجرح والتعدیل — از: امام رازیؒ ۳۲۷ھ

(۶) کتاب الضعفاء والمتروکین — از: علامہ ابن الجوزی ۵۹۷ھ

(۷) الثقات — از: ابوحاتم بن حبان بستی ۳۵۴ھ

(۸) میزان الاعتدال — از: حافظ شمس الدین ذھبی ۷۴۸ھ

(۹) لسان المیزان — از: حافظ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ

(۱۰) طبقات المدلسین — از: حافظ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ

(و) احادیث موضوعہ سے متعلق کتب:

اس عنوان پر احادیث موضوعہ کے علاوہ ان راویوں کو بھی جمع کیا ہے، اور ان پر کلام کیا ہے، جن کو ائمہ فن نے مجروح قرار دیا ہے۔

(۱) تذکرۃ الموضوعات — از: علامہ مقدسی

(۲) الموضوعات — از: علامہ ہمدانی جوزقی

(۳) الموضوعات الکبریٰ — از: علامہ ابن الجوزی

(۴) تحذیر الخواص عن اکاذیب القصاص — از: علامہ سیوطی ۹۱۱ھ

(۵) اللآلی المصنوعۃ — از: علامہ سیوطی ۹۱۱ھ

(۶) التعقبات — از: علامہ سیوطی ۹۱۱ھ

(۷) تنزیہ الشریعہ المرفوعہ — از: علامہ ابن العراق الکنانی ۹۶۳ھ

(۸) الفوائد المجموعہ — از: علامہ شوکانی

(۹) المقاصد الحسنہ — از: علامہ سخاوی ۹۰۲ھ

(۱۰) موضوعات صغری، موضوعات کبری — از: ملا علی قاری ۱۰۱۴ھ

تذکرۃ الموضوعات — از علامہ پٹنی (از فن اسماء الرجال وغیرہ)

احادیث موضوعہ پر مشتمل بعض تصانیف کا تعارف

احادیث موضوعہ اور روایات مکذوبہ پر امت کو باخبر کرنے کی محدثین کرام نے دو قسم کی کوشش کی۔

اول: نقد رواۃ اور تحقیق روایات کی غرض سے جب علم اسماء الرجال علم الجرح و التعدیل اور علم الاسناد کے اصول وضوابط منضبط ہو گئے، معتبر اور غیر معتبر راویوں کی مکمل پہچان ہوگئی تو ساتھ ہی ساتھ ان کی نقل کردہ روایات کا بھی بے اصل اور بے سند ہونا اور مکذوب و موضوع ہونا معلوم ہوتا گیا، چناں چہ محدثین کرام ایسے ساقط الاعتبار راویوں کے تذکرہ و تراجم میں ان کی بے سر و پا روایات کا بھی پتہ دیتے گئے، اس طرح رجال کی کتابوں میں موضوع روایات کا ایک بڑا حصہ جمع ہو گیا، اور ان کے وضع و کذب کی کہانی وہیں معلوم ہوگئی، مثلاً حافظ ابن عدی کی "الکامل" امام عقیلی کی "الضعفاء" امام جوزقانی کی "الأباطیل" امام جوزجانی کی "الجرح و التعدیل" امام بخاریؒ کی "الضعفاء" امام نسائی کی "تاریخ الضعفاء و المتروکین" علامہ ابن الجوزی کی "کتاب الضعفاء و المتروکین" امام ذہبی کی "میزان الاعتدال" علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی "لسان المیزان" وغیرہ۔

دوم: موضوع یا متہم بالوضع احادیث کو ابواب کی ترتیب سے یا حروف تہجی کی ترتیب سے ذکر کر کے یہ بتایا جاتا ہے کہ ان کو کس نے روایت کیا ہے، اور اس میں سنداً کیا نقص ہے، اس موضوع پر سب سے پہلے علامہ ابن الجوزیؒ نے قلم اٹھایا، ان کی دو کتابیں ہیں، ایک

"العلل المتناهية فی الاخبا ر الواهية" دوسری "الموضوعات الکبری" لیکن اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ علامہ ابن الجوزیؒ احادیث پر وضع کا حکم لگانے میں نہایت متشدد ہیں، اورانہوں نے بہت سی صحیح احادیث کو بھی موضوع قرار دیدیا ہے، اس لیے بعد کے محقق علماء نے ان کی کتابوں پر تنقیدیں لکھیں، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے ان کی تردید میں "القول المسدد فی الذب عن مسند احمد" میں ان کی بہت اچھی تردید کی ہے، اس کتاب میں حافظؒ نے مسند احمد کی ان احادیث کی تحقیق کی ہے، جنہیں ابن الجوزیؒ نے موضوع قرار دیا ہے، اور بتایا ہے کہ جن احادیث پر ابن الجوزیؒ نے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے ان میں سے ایک حدیث صحیح مسلم میں بھی موجود ہے، اور ایک حدیث بخاری کے (احمد شاکر والے نسخہ میں) بھی ہے، اور ایسی احادیث تو بہت سی ہیں جو امام بخاریؒ نے تعلیقاً روایات کی ہیں، اور ابن الجوزیؒ نے انہیں موضوع قرار دیا ہے، پھر علامہ سیوطیؒ نے ابن الجوزیؒ کی موضوعات پر ایک مفصل تنقید لکھی، جس کا نام "النکت البدیعات علی الموضوعات" رکھا، بعد میں اس کی تلخیص کی، اور اس میں کچھ اضافے کئے جو "اللآلی المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة" کے نام سے معروف ہے جو کئی جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، لیکن علامہ سیوطیؒ حدیث کے معاملہ میں قدرے متساہل ہیں، اس لیے بعض ضعیف یا منکر احادیث کو بھی صحیح قرار دیدیتے ہیں، علامہ ابن الجوزیؒ کے بعد حافظ صنعانیؒ کی موضوعات بھی بہت مقبول ہوئیں، علامہ ابن الجوزیؒ اور سیوطیؒ کے بعد بہت سے حضرات نے موضوعات پر کتابیں لکھیں، جن میں ملا علی قاریؒ کی "الموضوعات الکبیر" نہایت مقبول ومعروف ہے، آخری دور میں قاضی شوکانیؒ کی "الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة" اور علامہ طاہر پٹنیؒ کی "تذکرة الموضوعات" مختصر مگر مفید کتابیں ہیں۔

اس نوع کا جامع ترین کام علامہ ابن عراقؒ نے انجام دیا، انہوں نے اپنی کتاب "تنزیہ الشریعة المرفوعة عن الاحادیث الشنیعة الموضوعة" میں ابن الجوزیؒ، جوزقانیؒ، عقیلیؒ، ابن عدیؒ، حافظ ابن حجرؒ، علامہ سیوطیؒ، اور ملا علی قاریؒ، کی تمام کتابوں کو جمع کردیا ہے، اور ہر حدیث کی خوب تحقیق کی ہے، اس طرح ان کی کتاب جامع ترین بھی ہے، اور محقق ترین بھی جو بسا اوقات پچھلی تمام کتابوں سے مستغنی کردیتی ہے، اس کتاب میں علامہ ابن عراقؒ نے ابن الجوزیؒ، جوزقانیؒ اور سیوطی کی بیان کردہ احادیث میں سے صرف ان احادیث کو جمع کیا ہے، جو فی الواقع موضوع ہیں۔

اسی سے قریب وہ کتابیں بھی ہیں جن میں ان احادیثِ مشہورہ کی تحقیق کی گئی ہے جو عام طور سے مشہور اور زبان زد ہوتی ہیں، لیکن ان کی سند کا علم عام طور سے نہیں ہوتا، اس موضوع پر سب سے پہلے علامہ زرکشیؒ نے "التذکرة فی الاحادیث المشتهرة" کے نام سے ایک کتاب لکھی، ان کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے "اللآلی المنثورة فی الاحادیث المشهورة" بعد میں علامہ سیوطیؒ کی "الدرر المنتثرة فی الاحادیث المشتهرة" اور علامہ ابن درویشؒ کی "اسنی المطالب فی أحادیث مختلفة المراتب" بھی اپنے اختصار کے باوجود کافی مشہور ہوئیں، لیکن اس نوع کی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور اور متداول کتاب حافظ شمس الدین سخاویؒ کی "المقاصد الحسنة فی الأحادیث المشتهرة علی الألسنة" ہے جسے انہوں نے حروف تہجی کی ترتیب پر مرتب کیا ہے، اور ہر حدیث کی خوب تحقیق کی ہے (مقدمۂ درس ترمذی) "عمدة الأقاویل فی تحقیق الأباطیل" للعبد المسکین محمد رضوان الدین المعروفی غفرلہ اللہ المتین بھی اسی انداز کی ایک قلمی کاوش ہے، جس سے صرف اتنا مقصود ہے کہ امت کا اردوں خواں طبقہ بھی باخبر ہو جائے

کہ وہ روایات جو عام طور پر اصلاحی پند ونصائح پر مشتمل کتابوں میں موجود ہیں یا غیر محتاط واعظین کے بیانات وخطابات میں پائی جاتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نہیں ہیں بلکہ بالارادۃ یا بلا ارادۃ دوسروں کی باتیں احادیث کے نام سے مشہور ہوگئی ہیں، اسی قسم کی روایات کی تمیز اس کتاب کی تالیف سے مقصود ہے اللہ تعالیٰ اس محنت اور عرق ریزی کو قبول فرمالیں، اور جنت الفردوس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ اور محدثینؒ کے ساتھ جگہ نصیب فرمائے۔ آمین!

(مقدمہ درس ترمذی: ص ۵۷، ۵۸)

باب ہفتم

تحقیق احادیث کی تین بنیادیں

جعلی بے سند اور غیر معتبر روایات کی چھان پھٹک اور تحقیق و تمیز کے لیے محدثین کرام ؒ نے جو خدمات پیش کی ہیں اور اس کے لیے جن بنیادی چیزوں کو کسوٹی اور معیار قرار دیا ہے، ہم انہیں تین قسم میں تقسیم کر سکتے ہیں: (۱) نقد اسانید (۲) نقد متن (۳) شہادۃ ذوق۔

پہلی بنیادی نقد اسانید: یعنی سند کے ایک ایک راوی کی پوری زندگی کی اعلی معیار پر تحقیق کی اور انکی ثقاہت اور عدم ثقاہت پر غیر جانبدارانہ مبنی بر انصاف غور و فکر کیا، ملامت کنندگان کی ملامت کی پرواہ کیے بغیر ہر راوی کے متعلق وہی رائے پیش کی جس کا وہ اہل تھا، خواہ وہ اس کا کتنا ہی قریبی رشتہ دار رہا ہو۔ مثلاً:

علی بن مدینی جو امام بخاریؒ کے بھی شیخ ہیں ان سے ان کے والد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ان کے متعلق کسی اور سے دریافت کرو، جب لوگوں نے اصرار کیا تو انہوں نے اپنے سر کو جھکا لیا پھر سر کو اٹھا کر فرمایا، کہ دین کا معاملہ ہے، میرے والد ضعیف راوی ہیں۔

امام وکیع بڑے محدث تھے لیکن ان کے باپ سرکاری خزانچی تھے، اس بنا پر وہ خود ان سے جب روایت کرتے تو ان کی تائید میں کسی دوسرے راوی کو ضرور ملا لیتے، یعنی تنہا اپنے باپ کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

امام ابوداؤد صاحب السنن ؒ نے اپنے بیٹے کے بارے میں فرمایا کہ وہ کذاب ہے۔

(فتح المغیث: ص ٤١٨)

زید بن ابی انیسہ ؒ کہتے ہیں کہ میرے بھائی سے نہ روایت کرو (کیوں کہ وہ ضعیف ہے) مسعودی (م ۱۵۴ھ) ایک محدث ہیں امام معاذ بن معاذ نے ان کو دیکھا کہ اپنی تحریری یادداشت دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، تو انہوں نے فوراً ان کے حافظہ سے اپنی بے اعتباری ظاہر کردی۔

یہی معاذ بن معاذؒ وہ بزرگ ہیں کہ ان کو دس ہزار دینار صرف اس معاوضہ میں پیش کرنا چاہا کہ وہ ایک شخص کو معتبر (عادل) اور غیر معتبر کچھ نہ کہیں، یعنی ان کے متعلق خاموش رہیں، انہوں نے اشرفیوں کے اس توڑے کو حقارت کے ساتھ ٹھکرادیا اور فرمایا کہ میں کسی حق کو چھپا نہیں سکتا۔

کیا جرح راوی غیبت ہے؟

جب ائمہ جرح وتعدیل نے راوی کے حالاتِ زندگی کی روشنی میں اس کو کاذب، کذاب، وضاع، دجال اور زندیق، جیسے الفاظ سے یاد کیا تو اس بے لاگ اظہارِ رائے پر نکتہ چینیاں کی گئیں، اعتراضات کئے گئے اور اس کو غیبت میں شمار کرنے کی کوشش کی گئی، مرنے والوں کے عیوب کو بیان کرنے کی مذمت بھی بیان کی گئی جیسا کہ تاریخ کی کتابوں سے ان اعتراض کرنے والوں کا پتہ چلتا ہے۔

بکر بن خلادؒ کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن سعید القطان ؒ سے کہا کہ آپ کو خوف خدا نہیں کہ لوگوں نے آپ سے حدیث رسولؐ بیان کی اور آپ نے ان کو ماننے سے انکار کردیا، وہ لوگ جب خدا کے دربار میں شکایت کریں گے الہ العٰلمین! ہم نے یحییٰ بن سعید القطان

سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کیں تو انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی اور ان کی طرف سے بے پرواہی برتی تو آپ کا کیا جواب ہوگا؟

یحییٰ القطان نے فرمایا کہ ان حدیث بیان کرنے والوں کا حریف اور فریق مخالف بننا مجھے سو جان سے منظور ہے لیکن یہ کسی قیمت پر مجھے منظور نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر دعویٰ فرمادیں کہ یحییٰ! مرے اوپر لوگ جھوٹ اور بہتان باندھتے تھے، مرے نام سے جھوٹی حدیثیں بیان کرتے تھے تم نے اس کا دفاع کیوں نہیں کیا؟ تم نے اس فتنہ کا سر کیوں نہیں کچل دیا، تو بتاؤ میں اس کا کیا جواب دوں گا۔ (علوم الحدیث و مقدمہ ابن الصلاح: ص ۳۵۰)

تاریخ کی کتابوں میں امام احمد بن حنبل کا بھی ایک واقعہ اسی طرح کا ملتا ہے، ایک صوفی اور زاہد شخص ابوتراب نخشبی تھا، حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے بعض راویوں پر جرح کی تو نخشبی نے کہا: "یا شیخ! لاتغتب العلماء" جناب عالی علماء کی غیبت تو نہ کیجئے! اس پر امام صاحب نے فرمایا: "ویحک، هذه نصيحة، ليس هذه غيبة".

(فتح المغیث، تدریب الراوی، مقدمہ ابن الصلاح)

ترجمہ: چپ رہو، یہ خیر خواہی ہے، غیبت نہیں ہے۔

علماء اسماء الرجال اور ائمہ فن جرح و تعدیل کے قلم کو نہ کسی کی علمی وجاہت پکڑ سکی اور نہ کسی شخص کے زہد و تقویٰ کی شہرت مانع ہوسکی، کتاب الجرح والتعدیل کے جامع ابن ابی حاتم کا قول ہے: "**انا لنطعن على اقوام لعلهم قد احطوا رحالهم في الجنة منذ أكثر من مائتي سنة**". (علوم الحدیث و مقدمہ ابن الصلاح: ص ۳۵۱)

ترجمہ: فن حدیث کی اہمیت کے تقاضوں کے پیش نظر ہم تو ایسے لوگوں پر بھی جرح کرتے ہیں جن کے متعلق خیال ہے کہ دو سو برس سے ان کے خیمے جنت میں لگے ہوئے ہیں۔

یعنی وہ حضرات جن کے زہد وتقدس اور ورع وتقویٰ کا شہرہ ہے لیکن روایت حدیث کے جو اصول ہیں اس معیار پر وہ پورے نہیں اترتے ہیں تو ان کی بھی روایتوں کو لینے سے انکار کر دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ فن حدیث ہر طرح کے خرافات سے پاک وصاف رہا، اور یہ تو محدثین کا عام اصول رہا کہ گوشہ نشین صوفیا اور عزلت گزیں زہاد کی روایتیں نہیں لیتے تھے کیوں کہ وہ ہر شخص کو بلا امتیاز اپنے حسن ظن کیوجہ سے سچا سمجھنے لگتے تھے اس لیے اگر ان کی روایتوں کو صرف ان کے زہد وتقدس کے اعتماد پر لیا جانے لگتا تو اندیشہ تھا کہ وضاع اور کذاب راویوں کو بھی دربار حدیث میں باریاب ہونے کا موقع مل جاتا۔

اس طرح علماء اسماء الرجال اور ائمہ جرح وتعدیل کا دامن اس سے بھی بالکل پاک ہے کہ کسی شخصیت پر ذاتی رنجش یا معاصرانہ چشمک کی بناء پر جرح کر دی ہو، کیوں کہ وہ خود کو اپنے ضمیر اور خدا کی عدالت میں جوابدہ سمجھتے ہیں، اور یہ بالکل ایک دوسری بات ہے کہ بعض علماء کو متعنت فی الجرح کہا جاتا ہے، اس کی وجہ انکے اصول کا بے لچک ہونا ہے اسی لیے انکے رویہ میں سختی ہے اس کا ذاتی بغض وعناد سے قطعی کوئی تعلق نہیں ہے، اس کے بالمقابل کچھ محدثین ایسے ہیں جو جرح کے معاملہ میں قدرے نرم ہیں، ان کے یہاں اصولوں میں کچھ نرمی ہے۔ (فن اسماء رجال اسیری)

سند میں وضع کی علامتیں

محدثین نے نقد اسانید وتحقیق رجال کی مہم کو آگے بڑھاتے ہوئے سند کے کھوٹ کو پہچاننے کے لیے کچھ علامتیں بھی متعین فرمائیں جن سے سند کا موضوع و مکذوب ہونا بآسانی ظاہر ہوجائے وہ علامات یہ ہیں:

(۱) راوی حدیث وضع کرنے کا خود اعتراف کرے کہ اس نے فلاں فلاں حدیث وضع کی ہے، ابوعصمہ نوح بن ابی مریم نے قرآن کی سورتوں میں حدیث وضع کرنے کا اعتراف کیا، عبدالکریم بن ابی العوجاء نے چار ہزار حدیثیں وضع کرنے کا اعتراف کیا، اسی طرح ابوشیبہ کا بیان ہے کہ ایک شخص میرے آگے بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ اے اللہ میری مغفرت فرما اور میرا خیال ہے کہ تو ایسا نہیں کرے گا، میں نے کہا اے شخص تیری مایوسی تیرے گناہ سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی ہے، اس نے کہا مجھے چھوڑ دو، میں نے کہا اپنا ماجرا بتاؤ، تو اس نے کہا میں نے پچاس احادیث وضع کر کے لوگوں میں رائج کر دی ہیں اور اب میرے بس میں نہیں کہ ان کو لوٹاؤں۔ (دراسات فی الجرح والتعدیل: ص ۹۵)

عباسی خلیفہ مہدی نے کہا کہ ایک مرتبہ ایک زندیق نے میرے سامنے اقرار کیا کہ اس نے چار سو احادیث وضع کر کے رائج کر دی ہیں۔ (موضوعات کبیر: ص ۱۴)

(۲) حدیث کا راوی جھوٹ میں مشہور ہو اور اس کی روایت کوئی ثقہ راوی نہ کرتا ہو، مثلاً روایت "بجلوا المشائخ فإن تبجیل المشائخ من تبجیل اللّٰہ".

ترجمہ: مشائخ کی تعظیم کیا کرو کیوں کہ مشائخ کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے۔

(تذکرۃ الموضوعات للمقدسی: ص۲۸)

اس حدیث کا راوی صخر بن محمد المروزی الحاجی ایک جھوٹا آدمی تھا، اور اس حدیث کی روایت کسی ثقہ راوی نے نہیں کی۔

اسی طرح یہ حدیث "سیکون فی امتی رجل یقال لہ محمد بن ادریس اضر علی امتی من ابلیس"

ترجمہ: عنقریب میری امت میں ایک محمد ابن ادریس نامی شخص ہوگا وہ میری امت کے لیے شیطان سے زیادہ نقصان دہ ہوگا۔ (السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی: ص ۱۰۰)

اس کا راوی مامون، کذاب تھا۔

(۳) راوی کسی ایسے شخص سے روایت کرے جس سے اس کی ملاقات ثابت نہ ہو، نہ وہ اس کا معاصر ہو یا وہ اس کی وفات کے بعد پیدا ہوا ہو، یا جس جگہ حدیث سننے کا دعویٰ کیا وہاں وہ نہ گیا ہو، مثلاً مامون بن احمد الہروی نے دعویٰ کیا کہ اس نے ہشام بن عمار سے فلاں حدیث سنی تو حافظ ابن حبان نے اس سے پوچھا کہ تم شام کب گئے تھے؟ اس نے کہا ۲۵۰ھ میں اس پر ابن حبانؒ نے کہا تم جس ہشام سے روایت کرنے کے مدعی ہو وہ ۲۴۵ھ میں انتقال کر گئے تھے۔ (السنۃ و مکانتہا فی التشریع الاسلامی: ص ۱۱٤)

اسی طرح عبداللہ بن اسحاق کرمانی نے محمد بن یعقوب سے روایت کا دعویٰ کیا تو اس سے کہا گیا کہ تمہاری پیدائش سے نو سال قبل محمد بن یعقوب کا انتقال ہو چکا تھا۔

عفیر بن معدان الکلاعی کہتے ہیں کہ عمر بن موسیٰ حمص آیا تو ہم اس کے ساتھ مسجد میں جمع ہوئے، اس نے کہا کہ مجھ سے بیان کیا تمہارے صالح شیخ نے، اور جب بار بار یہ جملہ کہا

تو میں نے پوچھا، شیخ صالح کون ہیں؟ ان کا نام بتاؤ تا کہ ہم ان کو جانیں؟ اس نے جواب دیا کہ خالد بن معدان ہیں، میں نے پوچھا کس سال تمہاری ملاقات ہوئی، تو بولا ۱۰۸ھ میں، میں نے پوچھا کہاں؟ تو وہ بولا آرمینیہ کے جہاد میں، میں نے کہا شیخ اللہ سے ڈرو خالد بن معدان ۱۰۴ھ میں وفات پاگئے اور تم دعویٰ کرتے ہو کہ ان کی وفات کے چار سال بعد ان سے ملے ہو، پھر انہوں نے جہاد روم میں تو حصہ لیا جہاد آرمینیہ میں کبھی نہیں۔

(کتاب الکفایۃ فی علم الروایۃ: ص ۱۵۸)

سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ "جب سے راویوں نے جھوٹ بولنا شروع کیا تو ہم نے ان کے لیے تاریخ کا استعمال شروع کر دیا۔ (کتاب الکفایۃ فی علم الروایۃ: ص ۱۵۸)

(۴) بعض اوقات وضع حدیث کا فیصلہ راوی کی حالت اور اس کے پیشہ، ہنر اور عمل کو دیکھ کر کیا جاتا ہے، مثلاً حاکم نے سیف بن عمر تیمی سے روایت کی کہ ہم لوگ سعد بن ظریف کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس وقت اس کا بیٹا ہاتھ میں کتاب لیے روتا ہوا آیا تو اس نے پوچھا کیا ہوا؟ بچے نے جواب دیا کہ استاد نے مارا ہے، اس پر وہ بولا کہ آج میں اسے رسوا کروں گا کیوں کہ مجھ سے عکرمہ نے بحوالہ ابن عباس بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" **معلمو صبیانکم شرارکم اقلھم رحمۃ للیتیم واغلظھم للمساکین**"

(تدریب الراوی: ج ۱ ص ۱۱۰/موضوعات کبیر: ص ۴۹)

ترجمہ: تمہارے بچوں کے معلمین بدترین لوگ ہوں گے، یتیم پر کم رحم کریں گے، اور مسکینوں پر سخت ہوں گے۔

یا مثلاً یہ حدیث کہ "الھریسۃ تشد الظھر"۔ (موضوعات کبیر: ص ۱۱۰)

ترجمہ: ہریسہ کمر کو مضبوط کرتا ہے۔ (اس کا راوی محمد بن حجاج، ہریسہ فروش تھا)

(۵) راوی اہل بدعت ہو اور اپنے مسلک کی حمایت میں حدیث بیان کرتا ہو مثلاً خارجیہ، مرجیہ، معتزلہ، کرامیہ، اور قرامطہ وغیرہ سے تعلق رکھتا ہو اور اس کی دعوت دیتا ہو مثلاً یہ حدیث " **سمعت علیا قال عبدت الله مع رسول الله قبل ان یعبده احد من هذه الامة خمس سنین او سبع سنین** " (اللآلی الموضوعة: ج ۱/ ص ٦٦)

ترجمہ: حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ کی عبادت اس امت کے افراد سے پانچ یا سات سال پہلے کی۔

بدعتی راوی کا مفہوم:

واضح رہے کہ محدثین نے داعی اہل بدعت اور غیر داعی اہل بدعت میں فرق کیا ہے۔
(کتاب الکفایة فی علم الروایة: ص ١٦٠)

اور خود امام بخاریؒ نے بہت سے ایسے شیوخ سے روایت کی ہے جو بدعتی گروہوں سے تعلق رکھتے تھے۔ (تکمیل الارشاد، مؤلفہ عبد اللطیف رحمانی)

بدعتی کے سلسلے میں اکثر محدثین کا موقف یہی ہے کہ اگر وہ داعی بدعت نہ ہو تو اس کی روایت قابل قبول ہے، امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ بھی اس کی راویت کو قابل قبول سمجھتے ہیں بشرطیکہ اس کی تکفیر نہ کی گئی ہو اور نہ وہ جھوٹ کو جائز سمجھتا ہو، جب کہ امام مالکؒ قاضی ابوبکر باقلانیؒ اور ان کے اصحاب کے نزدیک ایسے بدعتی کی بھی روایت قابل قبول نہیں، جس کی تکفیر نہیں کی گئی ہے۔ (لسان المیزان: ج ١/ص ١٠)

دوسری بنیاد نقد متن:

یعنی سند میں تو کھوٹ نہ ہو مگر خود اس روایت میں کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جس سے حدیث کا موضوع ہونا معلوم ہو جائے، علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ " قد یکون

الاسناد کله ثقات ویکون الحدیث موضوعًا" .

ترجمہ: یعنی کبھی سند کا ہر ہر راوی ثقہ ہوتا ہے پھر بھی حدیث موضوع قرار پاتی ہے۔

"ابن دقیق العید کہتے ہیں: **"کثیرًا ما یحکمون بذالک أی بالوضع باعتبار امور ترجع الی المروی والفاظ الحدیث"**. (فتح المغیث شرح الفیة الحدیث)

ترجمہ: بسا اوقات حدیث کے وضعی (جعلی) ہونے کا حکم ان امور کی وجہ سے لگاتے ہیں جن کا تعلق مروی (متن حدیث) سے ہوتا ہے۔

ابن صلاح کہتے ہیں: **"و قد یفهمون الوضع من قرینة حال الراوی او المروی فقد وضعت احادیث طویلة یشهد بوضعها رکاکة الفاظها ومعانیها"** (علوم الحدیث، مقدمہ ابن صلاح النوع الحادی والعشرون معرفة الموضوع)

ترجمہ: کبھی حدیث کی وضعیت (جعلی ہونا) راوی یا مروی (متن) کی حالت سے سمجھی جاتی ہے، چنانچہ بہت سی طویل حدیثوں کے الفاظ ومعانی کی رکاکت (سطحیت) خود وضعی ہونے کی شہادت دیتی ہے۔

نقد متن کی اصل

متن حدیث میں نقد وتحقیق کا کام شریعت میں ایک اہم امر ہے، جسکی اصل قرآن وسنت اور اقوال صحابہؓ سے ثابت ہے۔

(الف) قرآن مجید سے:

" و إذا جاء هم امر من الامن أو الخوف اذاعوا به ولو ردوه إلی الرسول والی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم". (سورة النساء آیة:۸۳)

ترجمہ: جب ان کے پاس امن یا ڈر کی خبر آتی ہے تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اگر اس

کورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولوالامر تک پہنچا دیتے تو جوان میں ملکہ استنباط رکھنے والے تھے وہ اس کو پوری طرح معلوم کر لیتے۔

اس میں "اولو الامر" سے مراد اہل علم وفقہ ہیں اور "یستنبطون" میں استنباط سے مراد کلام میں گہرائی اور گیرائی کے ساتھ غور کرنا ہے، پس معلوم ہوا کہ نقد وتحقیق اہل علم کی شان ہے۔

(ب) حدیث سے:

"اذا سمعتم الحديث تعرفه قلوبكم وتلين له اشعاركم و ابشاركم و ترون انه منكم قريب فانا اولاكم به و اذا سمعتم الحديث عني تنكره قلوبكم وتنفرمنه اشعاركم وابشاركم و ترون انه منكم بعيد فانا ابعدكم منه".

(مسند أحمد حديث أبي اسيد الساعدي)

ترجمہ: جب کوئی ایسی حدیث تم سنو جس سے تمہارے دل کو انسیت ہو اور تمہارے بال وکھال اس سے متاثر ہوں اور اپنے سے اس کو قریب سمجھو تو میں اس کا تم سے زیادہ حقدار ہوں اور جب کوئی ایسی حدیث تم سنو جس کو تمہارے دل قبول نہ کریں اور تمہارے بال وکھال اس سے متوحش ہوں اور اپنے سے اس کو دور سمجھو تو میں تمہاری نسبت اس سے دور ہوں۔

دوسری جگہ فرمایا" ماحدثتم عن ما تنكرونه فلاتا خذوا به فاني لا اقول المنكر ولست من أهله" (تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة، فصل في حقيقة الموضوع".

ترجمہ: تم سے ایسی حدیث بیان کی جائے جس سے تمہارا دل نکیر کرے تو اس کو مت قبول کرو کیوں کہ میں نہ منکر کہتا ہوں اور نہ اس کا اہل ہوں۔

(ج) اقوال صحابہؓ سے:

"ان المیت لیعذب ببکاء أهله". (رواہ البخاری)

ترجمہ: یعنی میت کو اس کے اہل خانہ کے رونے کے سبب عذاب دیا جاتا ہے۔

یہ حدیث جب حضرت عائشہؓ کے سامنے آئی تو انہوں نے نقد کرتے ہوئے فرمایا

"حسبکم القرآن ولاتزر وازرة وزر اخری". (مشکوۃ باب البکاء علی المیت)

ترجمہ: قرآن کافی ہے جس میں مذکور ہے کہ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

اس حدیث میں عذاب کو اس صورت پر محمول کیا گیا ہے جس میں مردہ نوحہ کرنے کا سبب بنے یعنی رونے کی وصیت کر جائے یا کسی کو مقرر کر جائے اس کے بغیر قرآن سے ربط قائم نہیں ہوسکتا۔

(د) اقوال محدثین سے:

عمرو بن میمون کہتے ہیں" رایت فی الجاهلية قرداً اجتمع عليها قردة قد زنت فرجموهما فرجمتها معهم"

(بخاری ج ۲ کتاب بنیان الکعبه باب القسامة فی الجاهلية)

ترجمہ: میں نے زمانہ جاہلیت میں بندر کو دیکھا جس نے زنا کیا تھا اس پر بندروں نے جمع ہوکر اس کو سنگسار کیا چنانچہ میں نے بھی ان کے ساتھ سنگسار کیا۔

حافظ ابن عبدالبر (مشہور محدث) نے اس واقعہ پر نکیر کرتے ہوئے کہا ہے: "فيها اضافة الزنا الی غیر مکلف واقامة الحد علی البهائم وهذا منکر عند اهل العلم". (فتح الباری ج۷ باب القسامة فی الجاهلية)

ترجمہ: اس میں غیر مکلّف کی طرف زنا کی نسبت ہے اور جانوروں پر حد (سزا) قائم

کرنا ہے، جو اہل علم کے نزدیک نا قابل قبول ہے۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے: "**من عشق و کتم وعف وصبر غفر اللہ له و ادخله الجنة**". (زاد المعاد ج۲ ذکر حدیث من عشق الخ)

ترجمہ: جس شخص نے عشق کیا اور اس کو چھپایا اور پاک دامن رہا اور صبر کیا تو اللہ اس کی مغفرت کرے گا اور جنت میں اس کو داخل کرے گا۔

حافظ ابن القیمؒ اس کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: "**فلو کان اسناد هذا الحدیث کالشمس کان غلطًا و وهمًا**". (زاد المعاد: ج۲)

ترجمہ: اگر اس حدیث کی سند آفتاب کی طرح بھی ہوتی تو بھی یہ غلط اور وہم ہوگی۔

(ملخصاً از حدیث کا درایتی معیار والسنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی ومقدمۃ تنزیہ الشریعۃ)

متن حدیث میں وضع کی علامتیں

(۱) **رکاکۃ اللفظ**: یعنی لفظی رکاکت جس کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کے الفاظ میں اصول عربیت اور قوانین بلاغت کی رو سے کوئی کمزوری پائی جاتی ہو جس کا وقوع کسی فصیح و بلیغ انسان سے مستبعد ہو اور ماہرین کلام کا ذوق اس کو سننے سے اباء کرے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فصحاء عرب کے امام و سردار تھے، لہٰذا یہ لفظی خرابی اس بات کی علامت ہوئی کہ یہ کلام، احادیث نبویہ کی قبیل سے نہیں۔

(۲) **رکاکۃ المعنٰی**: یعنی معنوی رکاکت جس کا مطلب یہ ہے کہ کلام کا مضمون نادانی یا ایسے بھونڈے پن پر مشتمل ہو جو لوگوں کے درمیان باعث استہزاء و مذاق

بنے، ایسی کمزوریوں سے تو اہل عقل کے کلام محفوظ ہوا کرتے ہیں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ کلام جو تمام کلاموں کا امام ہے، اس میں اس قسم کی کمزوری کا ہونا حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل ہے۔ مثلاً: ''اربع لایشبعن من اربع ارض من مطروانثی من ذکر وعین من نظر وعالم من علم''۔ (اس کی تحقیق حدیث نمبر ۵ میں دیکھئے)

اس کی دوسری مثال: ''لوکان الارز رجلاً لکان حلیماً ما اکله جائع الاشبعه''۔ (الاسرار المرفوعة: ص ۳۰۱)

ترجمہ: اگر چاول انسان ہوتا تو نہایت بردبار ہوتا اور چاول ہر بھوکے کا پیٹ بھر ہی دیتا ہے۔ (اس کی تحقیق کے لیے دیکھئے حدیث نمبر ۵۹)

رکاکت لفظی اور معنوی کے متعلق ایک اہم تنبیہ:

محدثین کے نزدیک لفظی رکاکت کے مقابلہ میں معنوی رکاکت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: ''و المدار على ركة المعنى فحيث وجدت دلت على الوضع سواء انضم إليها ركة اللفظ أم لا فإن هذا الدين كله محاسن و الركة ترجع إلى الرداءة فبينها وبين مقاصد الدين مباينة، وركة اللفظ وحدها لاتدل على ذالک لا حتمال أن يكون الراوى رواه بالمعنى فعبر بألفاظ غير فصيحة من غير أن يخل بالمعنى، نعم إن صرح الراوى بأن هذا لفظ النبى دلت ركة اللفظ حينئذ على الوضع انتهى''۔

(تنزیه الشریعة المرفوعة: ص ۷ ؛ تدریب الراوی: ص ۲۷۱)

ترجمہ: حدیث کی موضوعیت کا دارو مدار معنوی رکاکت پر ہے اسلئے جس حدیث میں یہ معنوی رکاکت پائی جائے گی وہاں اگر چہ لفظی رکاکت نہ بھی ہو وہ حدیث موضوع قرار

پائے گی، تنہا لفظی رکاکت حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل نہیں اسلئے کہ یہ احتمال ہے کہ راوی نے روایت بالمعنی پیش کی ہو اور حدیث کے مفہوم کو کسی کمی بیشی کے بغیر اپنے الفاظ میں نقل کیا ہو، اور وہ الفاظ غیر فصیح ہوں، ہاں اگر راوی یہ صراحت کرے کہ یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ ہیں اور اس میں کوئی لفظی رکاکت ہے تو یہ رکاکت موضوع ہونے دال ہوگی۔

فتح المغیث میں امام سخاویؒ لکھتے ہیں: "لکنه في اللفظ وحده مقيد بما اذا صرح بانه لفظ الشارع". (فتح المغیث)

ترجمہ: تنہا لفظی کمزوری کا دلیل وضع ہونا اس قید کے ساتھ ہے کہ راوی، حدیث کے تعلق سے یہ تصریح کرے کہ حضرت شارع علیہ السلام کے الفاظ ہیں۔

(۳) مخالفة الحديث لصريح القرآن: یعنی اس حدیث کا مفہوم قرآن کے خلاف ہو، مثلاً: "ولد الزنا لايدخل الجنة الى سبعة ابناء".

(کشف الخفاء: ص ۳۳۹)

ترجمہ: غیر ثابت النسب بچہ سات نسلوں سمیت جنت میں داخل نہ ہوگا۔

یہ حدیث آیت قرآنی: "لاتزر وازرة وزر اخرىٰ" (کوئی شخص دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) کے خلاف ہے۔

(۴) مخالفة السنة الثابتة: یعنی اس کا مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابتہ کے خلاف ہو، مثلاً: "اذا حدثتم عني بحديث يوافق فخذوا به حدثت به اولم". (المقاصد الحسنة: ص ۱۶)

ترجمہ: جب تمہارے پاس میری موافقت میں کوئی حدیث میرے حوالہ سے پہنچے

تو اس کو لے لو خواہ میں نے وہ حدیث بیان کی ہو یا نہ کی ہو۔

یہ روایت ایک صحیح مشہور بلکہ متواتر حدیث: "من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار " (جو شخص میری طرف قصداً جھوٹی بات منسوب کرے اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں تلاش کر لینا چاہئے) کے خلاف ہے۔

(۵) مخالفة الحقائق التاريخية: حدیث تاریخی حقائق کے خلاف ہو، مثلاً:

" ان النبي صلى الله عليه وسلم وضع الجزية على أهل خيبر رفع عنهم الكلفة و السخرة بشهادة سعد بن معاذ ومعاوية بن أبي سفيان".

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذؓ اور معاویہ بن ابوسفیان کی گواہی کی بنا پر اہل خیبر سے جزیہ معاف کر دیا اور ان سے بے گاری و ذلت کو ختم کر دیا۔

اس روایت میں کئی باتیں اسلامی تاریخی حقائق کے خلاف ہیں، اول یہ کہ جزیہ کا حکم غزوہ تبوک کے بعد آیا ہے، غزوہ خیبر کے موقع پر اس کا کوئی تصور بھی نہیں تھا۔

دوم یہ کہ سعد بن معاذؓ خیبر کے موقع پر زندہ نہیں تھے بلکہ غزوہ خندق کے موقع پر وفات پا چکے تھے۔

سوم یہ کہ معاویہؓ خیبر کے موقع پر کفار میں سے تھے، اور فتح مکہ کے زمانہ میں اسلام قبول کیا ہے۔

(۶) نقل الفرد الواحد مع توافر الدواعي: کسی معاملہ کے متعلق ناقل کوئی ایک فرد تنہا ہو جبکہ اس معاملہ کی اہمیت اس کا عموم اس بات کا متقاضی ہو کہ اس کے ناقلین کی ایک بڑی جماعت ہونی چاہئے تھی، مثلاً: "حديث غدير خم" اس پر محدثین نے صرف اس بناء پر وضع کا حکم لگایا کہ یہ واقعہ تو صحابہ کرامؓ کے مجمع میں پیش آیا لیکن اس کی

روایت سے سارے صحابہؓ خاموش ہیں معلوم ہوا، یہ روایت جعلی اور گھڑی ہوئی ہے۔

(۷) مخالفة الحس و المشاهدة : روایت، محسوسات ومشاہدات کے خلاف ہو مثلاً ’’ اذا عطس الرجل عند الحديث فهو صدق‘‘. (الأسرار المرفوعة)

ترجمہ: آدمی کے بات کرتے کرتے چھینک آجائے تو یہ اسکی سچائی کی علامت ہے۔

(۸) مخالفة العقل العام او مخالفة العقل الصريح : حدیث، عقل عام یا عقل صریح کے خلاف ہو، عقل عام کا مطلب یہ ہے کہ کسی خاص فرد یا کسی گروہ کے خلاف کی بات نہیں بلکہ عام طور پر تو لوگوں کی عقل اس کو باور نہ کرے، مثلاً ’’ان سفينة نوح طافت بالبيت سبعا و صلت عند المقام ركعتين‘‘.

(السنة و مكانتها في التشريع الإسلامي: ص ۹۸)

ترجمہ: نوح علیہ السلام کی کشتی نے بیت اللہ کا سات چکر طواف کیا اور مقام ابرہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی۔

(۹) مخالفة الحكمة و الأخلاق : حدیث، حکمت اور اخلاقی شرافت کے خلاف ہو، مثلاً: عورتوں کے متعلق مشہور ہے ’’عقو لهن في فروجهن‘‘ ترجمہ: عورتوں کی عقل ان کی شرمگاہوں میں ہوتی ہے۔

دوسری مثال ’’النظر إلى المرأة الحسناء يزيد في البصر‘‘.

(الفوائد المجموعة للشوكانيؒ)

ترجمہ: خوبصورت عورت کو دیکھنا آنکھ کی روشنی میں اضافہ کرتا ہے۔

(۱۰) الدعوة إلى الشهوة و المفسدة : حدیث شہوت وفساد پر ابھارنے والی ہو، مثلاً:

(الف)"شهوة النساء تضاعف على شهوة الرجال".

ترجمہ: عورتوں کی شہوت مردوں کی بنسبت دوگنا ہوتی ہے۔

(ب) "شكوت إلى جبريل ضعفي من الوقاع فامرني بأكل الهريسة".

ترجمہ: میں نے جبریل سے ضعف باہ کی شکایت کی تو انہوں نے حریرہ کھانے کا حکم دیا۔

(۱۱) مخالفة القواعد الطبية المجمع عليها: یعنی حدیث طب کے متفق علیہ قواعد کے خلاف ہو، مثلاً "الباذنجان شفاء من كل داء".

(مقاصد حسنه: ص ١٤١)

ترجمہ: بیگن میں ہر بیماری کی شفاء ہے۔

(۱۲) مخالفة الشواهد الصحيحه: حدیث کے خلاف صحیح معتبر شواہد موجود ہوں، مثلاً: عوج بن عنق کے متعلق ہے " ان طوله ثلاثة آلاف ذراع وثلاث مأة وثلاثة وثلثين وثلثا"

ترجمہ: عوج بن عنق (جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کیا تھا) کا قد تین ہزار تین سو تینتیس اور ثلث ذراع تھا۔

(۱۳) مخالفة شان الالوهية: حدیث کا مضمون، اللہ تعالیٰ شانہ کی شان عالی کے خلاف ہو، مثلاً: "ان الله اشتكت عيناه فعادته الملائكة "

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی دو آنکھیں بیمار ہوئیں تو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی عیادت کی۔

(۱۴) مخالفة شان النبوة: حدیث کا مضمون، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف ہو، مثلاً: "ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يطير الحمام".

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبوتر اڑایا کرتے تھے۔

(۱۵) تكلم النبي صلى الله عليه وسلم بلغة عجمية : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر عربی زبان میں کلام کرنا، مثلاً: "ان النبي صلى الله عليه وسلم مر على قوم يبنون حائطًا فقال نيك نيك مي كنند".

(تذکرۃ الموضوعات للمقدسیؒ)

ترجمہ: کچھ لوگ دیوار بنا رہے تھے اسی دوران نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گذرے تو فرمایا "نيك نيك مي كنند" یعنی ٹھیک بنا رہے ہیں۔

(۱۶) ذم لغة او قوم : آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی زبان یا کسی قوم کو برا کہنا، مثلاً: (الف) "ان الله تعالىٰ اذا رضي انزل الوحي بالعربية واذا غضب انزل الوحي بالفارسية". (تذکرۃ الموضوعات: ص ۱۱۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جب خوش ہوتے ہیں تو عربی زبان میں وحی نازل کرتے ہیں اور جب ناراض ہوتے ہیں تو فارسی میں۔

(ب) "الزنجي اذا شبع زنا و اذا جاع سرق".

ترجمہ: یعنی حبشی جب پیٹ بھرا ہوتا ہے تو زنا کرتا ہے اور جب بھوکا ہوتا ہے تو چوری کرتا ہے۔

(۱۷) ذم اهل الحرفة: یعنی روایت میں کسی پیشہ کی مذمت ذکر کی گئی، مثلاً

(الف) "بخلاء امتي الخياطون". (تذکرۃ الموضوعات للفتنی: ص ۱۳۷)

ترجمہ: میری امت کے بخیل درزی ہیں۔

(ب) "يخرج الدجال ومعه سبعون الف حائك".

(میزان الاعتدال: ج ۱/ ص ۱۱۷)

ترجمہ: یعنی جب دجال نکلے گا تو اس کے ساتھ ستر ہزار جولاہے ہوں گے۔

(۱۸) ان یکون فی الحدیث تاریخ کذاو کذا : یعنی حدیث میں کسی شئی سے متعلق تاریخ مذکور ہو، مثلاً: "اذا انکسف القمرفی المحرم کا ن الغلاء و القتال وشغل السلطان و اذا انکسف فی صفر کا ن کذا و کذا".

(الأسرار المرفوعة: ص ٣١٤)

ترجمہ: جب ماہ محرم میں چاند گہن ہو تو مہنگائی بڑھے گی اور قتل وقتال ہوگا اور بادشاہ کو پریشانی ہوگی اور جب صفر میں گہن لگے تو ایسا ایسا ہوگا۔

(۱۹) ان یکون ناشئاً عن باعث نفسی حمل الراوی علی الــــــروایة: یعنی کوئی نفسانی جذبہ موجود ہو جسکے سبب راوی نے روایت سنائی ہو، مثلاً: "معلموا صبیانکم شرارکم"

ترجمہ: تمہارے بچوں کے معلم تمہارے شریر لوگ ہیں۔

(۲۰) ان یکون منشاء الحدیث العصبیة : گروہی عصبیت پر روایت مشتمل ہو، مثلاً:

(الف) امام ابو حنیفہؒ کی تعریف سے متعلق "سیکون فی امتی رجل اسمه النعمان کنیته أبو حنیفة وهو سراج امتی". (تنزیه الشریعة: ج۲/ص ۳۰)

تفصیل کے لیے دیکھئے کتاب ہذا، حدیث نمبر ۱۰۱۔

ترجمہ: میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام نعمان ہوگا اور اس کی کنیت ابو حنیفہ ہوگی وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔

(ب) امام محمد ابن ادریس شافعیؒ کے متعلق "سیکو فی امتی رجل یقال له

محمد بن ادریس هو اضر علی امتی من ابلیس". (تنزیه الشریعہ: ج ۲/ ص ۳۰)
تفصیل کے لیے دیکھئے کتاب ہذا کی حدیث نمبر ۱۰۱)

ترجمہ: میری امت میں ایک آدمی پیدا ہوگا جس کو محمد بن ادریس کہا جائے گا وہ میری امت کے لیے ابلیس سے زیادہ خطرناک ہوگا۔

اس روایت کا پس منظر حافظ ابن حجرؒ اور امام سیوطیؒ نے یہ بتلایا کہ مامون بن احمد ہروی سے کسی نے کہا کہ تم دیکھتے نہیں کہ امام شافعیؒ کے متبعین خراسان میں کس قدر پھیلتے جار ہے ہیں اس نے فوراً کہا میں نے احمد بن عبداللہ سے سنا اس نے عبداللہ بن معدان ازدی سے اس نے حضرت انسؓ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور یہ روایت پیش کی۔

یہ کل بیس علامات بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں، ورنہ تو محدثین نے ان کے علاوہ بھی بہت ساری دوسری علامتیں اور کچھ اصول وقواعد اور کلیات وضوابط اپنی کتابوں میں ذکر فرمائے ہیں، خصوصاً علامہ ابن القیم نے "المنار المنیف" میں ان ہی اصولوں کو بہت ہی مفصل پیش کیا ہے، اسی طرح ملا علی قاریؒ نے "المصنوع" کے اواخر میں بہت ہی اہم بنیادیں تحریر فرمائیں ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل رہی تو ان تمام اصولوں کی تلخیص پیش کی جائے گی "من شاء فلیراجع".

بہرحال اس طویل مقالہ سے یہ حقیقت سامنے آگئی کہ احادیث مبارکہ روز اول سے آج تک محفوظ ہیں بدقماشوں کی بدقماشی کے باوجود یہ ذخیرہ اپنی پوری تابانی کیساتھ موجود ہے اور رہے گا۔

اللہ تعالیٰ محدثین کرام اور علماء اسلام اور جملہ حامیان دین ومذہب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

تیسری بنیاد شہادۃ الذوق:

تحقیق احادیث کے لیے محدثین نے جو تیسری بنیاد قائم کی وہ ہے شہادۃ الذوق، یعنی حدیث کے ملکۂ راسخہ اور وجدان فنی کو بھی انہوں نے بنیاد بنایا کیوں کہ ان کو حق تعالیٰ شانہٗ نے وہ نور باطن اور وجدانی ملکہ عطا فرمایا تھا کہ کسی راوی کی روایت سننے و دیکھنے کی ساتھ ہی سمجھ جاتے تھے کہ یہ راوی جھوٹا ہے یا سچا، روایت صحیح ہے یا ضعیف و موضوع۔

علامہ ابن قیمؒ کا ایک گراں قدر ملفوظ:

حافظ ابن قیمؒ سے سوال کیا گیا کہ کیا ممکن ہے کہ بغیر سند کے دیکھے ہوئے حدیث موضوع کا علم ہو جائے؟ تو حافظ صاحب نے فرمایا کہ یہ بڑا عظیم القدر سوال ہے بغیر سند کے دیکھے ہوئے وہی شخص حدیث کو پہچان سکتا ہے جس کے گوشت و پوست میں حدیث سرایت کر چکی ہو اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات و اوامر و نواہی اور آپ کے مرغوبات و مرضیات ہر وقت اس کی نظر کے سامنے ہوں، گویا کہ وہ حضور پر نور کی مجلس مبارک میں صحابۂ کرام کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے، ایسا شخص حدیث کو سنتے ہی بغیر سند کے دیکھے ہوئے سمجھ جاتا ہے کہ یہ ارشادِ نبوی ہے یا نہیں۔

یہ ایسا ہے کہ جس طرح فقہائے حنفیہ یا فقہائے شافعیہ طرز کلام سے پہچان لیتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے یا امام شافعی کا۔

صراف (سنار) جس طرح سونا دیکھ کر کھرے کھوٹے کا اندازہ کر لیتا ہے، اسی طرح یہ حضرات محدثین بھی حدیث پاک سے اشتغال اور طول ممارست کی وجہ سے غلط و صحیح میں امتیاز کر لیتے تھے، مگر یہ واضح رہے کہ یہ حکم لگانے کا حق اسی وقت ہوگا جب کہ اس کی سند

معلوم نہ ہو اگر سند معلوم ہو جائے تو حکم کا مدار سند پر ہوگا نہ کہ ذوق پر۔

تنبیہ: مسئلہ مذکورہ کے متعلق شیخ عبدالفتاح ابوغدہ لکھتے ہیں: هذا الجواب صحيح بالنظر للحديث الموضوع والمنكر المخالف للشريعة المطهرة، و اما الحديث الموضوع من حيث هو، فمنه ما يخالف الشريعة ومنه الذى معناه صحيح، و هذا لايعرف الّا بمعرفة الاسناد يعنى بعض الحديث الموضوع لاينكشف إلا من جهة الاسناد ومعرفة الناقل۔

(لمحات من تاريخ السنة وعلوم الحديث للشيخ عبد الفتاح)

یعنی شہادت الذوق کی بنیاد پر وضع وکذب کا حکم صرف انہیں احادیث میں معتبر ہوگا جو موضوع ومنکر ہونے کے ساتھ مخالف شریعت بھی ہوں، کیوں کہ حدیث موضوع میں اصلاً و بالذات دونوں احتمال ہیں، کہ وہ حدیث شریعت کے موافق ہوگی یا مخالف، اگر شریعت کے مخالف ہو تو ذوق محدثین کی بنیاد پر وضع کا حکم معتبر ہوگا، اور اگر اس حدیث موضوع کا مضمون شریعت کے موافق ہو تو سند اور راوی کی معرفت کے بغیر یہ فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہوگا کہ وہ حدیث ہے یا نہیں۔

بعض دوسرے محدثین کے اقوال واحوال: ربیع بن خثیمؒ ایک جلیل القدر تابعی ہیں فرماتے ہیں: "ان من الحديث حديثا له ضوء كضوء النهار و ان من الحديث حديثًا له ظلمة كظلمة الليل نعرفه بها" بیشک بعض روایتوں میں روشنی ہوتی ہے، دن کی روشنی کی مانند اور بعض میں ایک تاریکی ہوتی ہے، رات کی تاریکی کی مانند جس سے ہم اس کا صحیح وغلط ہونا پہچانتے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن مہدیؒ نے فرمایا کہ حدیث کی معرفت ایک الہام ہے، بسا اوقات اگر

تم کسی عالم سے جو حدیث کی علت بیان کرتا ہے، دلیل طلب کرو تو وہ دلیل نہیں پیش کر سکتا۔

علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں، حدیث منکر کو سنکر محدث کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور قلب اس سے نفرت کرتا ہے۔

شیخ ابوالحسن علی بن عروہ حنبلیؒ "کتاب الکواکب" میں فرماتے ہیں کہ جسکی فطرت سلیم ہو اور قلب اس کا نور تقوی سے منور ہو، اور صدق و اخلاص اس کا مزاج ثانی بن چکا ہو، سنتے ہی اس کو جھوٹ و سچ کا پتہ چل جاتا ہے، بعض بزرگان دین نے فرمایا کہ جب کوئی جھوٹ بولنے کا ارادہ کرتا ہے، تو اس کا کلام پورا ہونے سے پہلے ہی میں اس کی مراد کو سمجھ جاتا ہوں (کہ وہ جھوٹا ہے) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:"و لتعرفنهم في لحن القول" اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کو ایسا خاص نور فراست عطا کیا ہے کہ آپ اس کے ذریعہ منافقین کو ان کے لب ولہجہ سے پہچان لیتے ہیں کہ یہ نفاق کی بات ہے۔

حافظ بلقینیؒ کا ارشاد ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی انسان کی چند سالوں تک خدمت کرے گا تو وہ اس کی ان تمام چیزوں سے واقف ہو جائے گا جو اسے پسند ہیں یا ناپسند، پس اگر کوئی دعوی کرے کہ وہ فلاں چیز کو ناپسند کرتا ہے، جس کے بارے میں اسے معلوم ہے کہ وہ پسند کرتا ہے تو فقط اس کی بات سننے ہی سے اس کی تکذیب کردے گا۔

علامہ ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں محدثین کرام کا کسی حدیث کو موضوع قرار دینے کا تعلق اکثر حدیث کے متن اور اس کے الفاظ سے ہوتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرات محدثین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کے کثرتِ استعمال سے ایک خاص ذوق وملکہ حاصل ہو جاتا ہے جس سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اور دوسرے کے الفاظ میں تمیز کر لیتے ہیں۔(از فن اسماء الرجال مؤلف الشیخ الدکتور تقی الدین الندوی المظاهری)

باب ہشتم

حدیث واقسامِ حدیث مع تعریفات

حدیث: ہر وہ چیز ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو چاہے قول ہو یا فعل ہو یا صفت ہو یا تقریر، تقریر کا مطلب یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو کوئی فعل کرتے ہوئے دیکھا ہو اور سکوت فرمایا ہو، جس کا حاصل یہ ہے کہ شریعت میں اس فعل کی اجازت ہے ورنہ آپ سکوت نہ فرماتے۔

خبر: خبر کے متعلق تین اقوال ہیں:

(۱) خبر حدیث کا ہی دوسرا نام ہے۔

(۲) حدیث وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اور خبر وہ ہے جو کسی اور سے منقول ہو۔

(۳) خبر حدیث سے عام ہے یعنی اس روایت کو بھی کہتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اور اس کو بھی کہتے ہیں جو کسی اور سے منقول ہو۔

آثار: ایسے اقوال اور افعال جو صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کی طرف سے منقول ہوں۔

حدیث کی مختلف اعتبار سے کئی تقسیمیں کی گئی ہیں اور ہر تقسیم میں حسب ذیل متعدد قسمیں پائی جاتی ہیں:

تقسیم اول: راویوں کی قلت اور کثرت کے اعتبار سے حدیث کی اولاً دو قسمیں ہیں:

خبر متواتر　　　　خبر واحد

متواتر: وہ خبر ہے جس کے روایت کرنے والے ہر طبقہ میں اتنے کثیر ہوں کہ ان کا بالقصد جھوٹ پر اتفاق کر لینا، یا اتفاقیہ طور سے ان کا جھوٹ پر مجتمع ہو جانا عادۃً محال ہو، اور یہ کثرت ابتداء سے انتہاء تک باقی رہے، کسی طبقہ میں کمی نہ ہو، نیز وہ خبر مفید للیقین ہو، اور اس کا منتہی امر محسوس ہو، یعنی اس خبر کا تعلق محض عقل سے نہ ہو، بلکہ ابتدائی ناقلین اپنا مشاہدہ یا سماع نقل کریں، ایسی خبر سے علم بدیہی حاصل ہوتا ہے۔

فائدہ: علامہ سیوطیؒ تدریب میں فرماتے ہیں "لایعتبر فیہ عدد معین علی الاصح" یعنی جمہور کے نزدیک کثرتِ رواۃ کی کوئی خاص تعداد معین نہیں، بلکہ حدتواتر تک پہنچنے کے لیے علم یقین حاصل ہونا ہی علامت ہے، پھر یہ کثرت مخبرین کے اختلافِ احوال اور خبر کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہوسکتی ہے، ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ تحقیق یہ ہے کہ متواتر میں اتفاق علی الکذب کا محال ہونا کبھی مخبرین کی محض کثرت کی وجہ سے ہوتا ہے، خبر دینے والوں کے اوصاف کا لحاظ نہیں ہوتا، اور کبھی کثرت اور اوصاف دونوں کے لحاظ سے ہوتا ہے، مثلاً کوئی خبر عشرہ مبشرہ سے منقول ہو اور ان سے دس تابعی نے نقل کیا ہو، تو اول میں اجماع علی الکذب عادۃً محال سمجھا جائے گا، دوسرے میں نہیں، پس معلوم ہوا کہ حدیث متواتر کبھی ناقلین کی کثرت کی وجہ سے مفید للیقین ہوتی ہے، اور کبھی کثرت اور اوصافِ ناقلین دونوں کی وجہ سے اور کبھی کثرت اور قرائن کی وجہ سے مفید للیقین ہوتی ہے، بہر کیف اصح یہی ہے کہ تواتر کے لیے کوئی تعداد متعین نہیں۔ بعضوں نے چار، پانچ، دس، بارہ، چالیس، ستر، تین سو تیرہ۔ کی تعداد بتائی ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے تدریب: ص ۳۷۱ میں ان اقوال کے متمسکات کو بھی ذکر کیا ہے، لیکن تعیین تعداد جمہور کے خلاف ہے، خود علامہ سیوطیؒ کا رجحان یہ ہے کہ دس یا دس سے زیادہ صحابی کی روایت تواتر کے لیے کافی ہے، علامہ سیوطی نے ایک

رسالہ لکھا "الفوائد المتكاثرة في الأخبار المتواترة" اس میں اپنی دانست میں ہر وہ حدیث جمع کردی ہے، جس کو دس یا دس سے زیادہ صحابیؓ نے روایت کیا ہے، اور اس کتاب میں تمام طرق والفاظ کا استیعاب کیا ہے، اس کے بعد دوسرا رسالہ لکھا "الأزهار المتناثرة في الأخبار المتواترة" ابواب کی ترتیب پر جو پہلے رسالے سے کسی قدر مختصر ہے، پھر اس کا خلاصہ لکھا "قطب الأزهار" جس میں اسانید کو حذف کردیا ہے اور مشکاۃ شریف کی طرح حوالہ پر اکتفاء کیا ہے، اور بہت سی احادیث متواترہ کو بیان کیا ہے، مثلاً: حوض کی احادیث پچاس سے زیادہ صحابہؓ سے منقول ہے، اور مسح علی الخفین کی روایت ستر بلکہ اسی صحابہؓ سے مروی ہے "نضر الله امرأ سمع مقالتي" تقریباً تیس صحابہؓ سے اور "انزل القرآن على سبعة احرف" ستائیس صحابہؓ سے اور "من بنى لله مسجداً بنى الله له بيتاً في الجنة" بیس اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وغیرہا من الاحادیث، اس سلسلہ میں متعدد دوسرے علماء نے بھی لکھا ہے اور کچھ اضافہ بھی کیا ہے۔ (تدریب، ص ۳۷۸)

خبر واحد کی تعریف

کسی حدیث کے راویوں کی تعداد کسی طبقہ میں حد تواتر سے کم ہو تو اس کو خبر واحد کہتے ہیں، متعدد تقسیمات کے اعتبار سے خبر واحد کی بہت سے قسمیں ہیں۔

خبر واحد کی تقسیمات

پہلی تقسیم

خبر واحد اپنے منتہا کے اعتبار سے تین قسموں پر ہے:

(۱) مرفوع (۲) موقوف (۳) مقطوع۔

(۱) مرفوع: وہ حدیث ہے جس میں حضورؐ کے قول یا فعل یا تقریر یا صفت کو بیان کیا گیا ہو۔

(۲) موقوف: وہ روایت ہے جس میں صحابیؓ کے قول یا فعل یا تقریر کی خبر دی گئی ہو۔

(۳) مقطوع: وہ روایت ہے جس میں تابعیؒ یا بعد والے کسی شخص کے قول یا فعل یا تقریر کو بیان کیا گیا ہو۔

خبر واحد کی دوسری تقسیم

خبر واحد کی راویوں کی تعداد کے اعتبار سے بھی تین قسمیں ہیں:

(۱) مشہور (۲) عزیز (۳) غریب۔

مشہور کی تین قسمیں ہیں: مشہور عند المحدثین۔ مشہور عند الفقہاء۔ مشہور عند العامۃ۔

(الف) مشہور عند المحدثین: وہ حدیث غیر متواتر ہے، جس کے راوی صحابی کے بعد ہر طبقہ میں کم از کم تین ہوں، کسی مقام پر تین سے کم نہ ہوں۔

مثلاً: عن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده. (رواه البخاري)

(ب) مشہور عند الفقہاء: اصول فقہ والوں کے نزدیک حدیث مشہور وہ روایت ہے، جس میں صحابہؓ کے بعد راویوں میں تواتر کی کثرت پیدا ہو جائے، یعنی صحابہؓ کے طبقہ میں تو تفرد ہو اس کے بعد متواتر ہو جائے۔

مثلاً: رفع عن امتي الخطاء والنسيان. (رواه ابن حبان والحاكم)

ترجمہ: میری امت سے خطاء ونسیان کو معاف کر دیا گیا ہے۔

(ج) مشہور عند العامۃ: وہ حدیث جو زبان زد عوام وخواص ہو خواہ اس میں شہرت

کی شرائط موجود ہوں یا نہ ہوں۔

مثلاً: (الف) اختلاف امتی رحمة. (ابن حبان)

(ب) العجلة من الشيطان. (رواہ الترمذی)

فائدہ:

مشہور کے ساتھ ایک لفظ مستفیض بھی استعمال کیا جاتا ہے دونوں کے درمیان کون سی نسبت ہے؟ اس کے متعلق دو قول ہیں (۱) دونوں مترادف ہیں (۲) مشہور عام ہے، اور مستفیض خاص، بایں طور کہ مستفیض وہ حدیث ہے جس کے راویوں کی تعداد ہر طبقہ میں برابر ہو کسی مقام پر کم وبیش نہ ہو، اور مشہور میں یہ قید نہیں ہے، چناں چہ یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات کے بقول ایسی حدیثوں کو بھی مشہور کہہ دیا جاتا ہے جن پر حدیث مشہور کی تعریف صادق نہیں آتی مگر چوں کہ کسی خاص طبقہ کے نزدیک وہ معروف اور زباں زد ہو جاتی ہے اس لیے اس کو مشہور کہہ دیا جاتا ہے۔

(۲) عزیز: وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر طبقہ میں کم از کم دو ہوں جیسے "لا یؤمن احدکم حتی اکون احب إليه من والده وولده والناس أجمعين. (رواہ البخاری)

یہ حدیث حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، پھر حضرت انسؓ سے قتادہ اور عبد العزیز نے نقل کیا ہے، اور قتادہ سے حضرت شعبہ اور حضرت سعید نے نقل کیا ہے، اور عبد العزیز سے اسماعیل بن علیہ نے پھر ہر ایک سے ایک ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔

(۳) غریب: وہ حدیث ہے جس کی سند میں صحابی کے بعد کسی جگہ یا تمام طبقات میں ایک ہی راوی ہو، غریب کو فرد بھی کہتے ہیں۔

خبر واحد کی تیسری تقسیم

خبر واحد کی راویوں کی صفات کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:

(۱) مقبول (۲) مردود

(۱) مقبول: وہ حدیث ہے، جس کے ثبوت واقعی کے رجحان پر کوئی دلیل موجود ہو۔

(۲) مردود: وہ حدیث ہے کہ اس کے ثبوت کے راجح ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو۔

خبر مقبول کی چار قسمیں ہیں:

(۱) صحیح لذاتہ (۲) صحیح لغیرہ (۳) حسن لذاتہ (۴) حسن لغیرہ

صحیح لذاتہ: وہ حدیث ہے جس کے راوی عادل، کامل الضبط ہوں اور اس کی سند متصل ہو، معلل اور شاذ نہ ہو۔

عادل کی قید سے وہ سب روایتیں خارج ہوں گی جن کے راوی عادل نہ ہوں، یا جن کی عدالت معروف نہ ہو یا جو مجہول الحال ہوں اور تام الضبط کی قید سے وہ روایتیں خارج ہوگئیں، جن کے راوی اگر چہ صدق وعدالت کے ساتھ متصف ہوں، مگر کامل الضبط نہ ہوں، متصل الاسناد کی قید سے وہ حدیثیں خارج ہوگئیں، جن کی اسناد میں ارسال یا انقطاع یا اعضال ہو، عدم شذوذ کی قید سے احادیث شاذہ اور عدم علت کی قید سے روایات معللہ خارج ہوگئیں۔

چوں کہ صحیح لذاتہ کا مدار عدالت اور ضبط وغیرہ اوصاف پر ہے اور ظاہر ہے کہ ان اوصاف میں بھی کوئی اعلیٰ، کوئی اوسط، اور کوئی ادنیٰ ہوتا ہے، لہٰذا ان اوصاف کے تفاوت کی وجہ سے صحیح لذاتہ کے درجات میں بھی تفاوت ہوگا "و هو ظاهر"۔

مثال: صحیح بخاری کی روایت ہے: "حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا

مالک عن ابن شهاب عن محمد بن جبیر بن مطعم عن ابیه قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قرء فی المغرب بالطور". (کتاب الاذان)

یہ حدیث صحیح ہے اس لیے کہ اس کی سند متصل ہے، رواۃ عادل وضابط ہیں اور حدیث شذوذ وعلت سے بھی خالی ہے۔

صحیح لغیرہ: وہ حدیث ہے جس میں صحیح لذاتہ کے تمام شرائط پائے جائیں، لیکن اس کے کسی راوی میں ضبط کی کچھ کمی ہو اور اس نقص کی تعدد طرق سے تلافی ہو جائے۔

مثال: بخاری کی حدیث ہے "**عن ابیؒ بن العباس بن سهل بن سعد عن أبیه عن جده فی ذکر خیل النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم**"

اس حدیث کے راویوں میں سے "ابی" کی امام احمدؒ، ابن معینؒ اور نسائیؒ نے قوت حفظ کی خرابی وکمزوری کی بنا پر تضعیف کی ہے، اس لیے ان کی حدیث "حسن" ہے، لیکن چوں کہ اسی حدیث کو ان کے بھائی "**عبد المهیمن**" نے بھی روایت کی ہے اس لیے یہ "صحیح لغیرہ" قرار پائی ہے۔ (تدریب: ج۱/ص۱۷۶)

حسن لذاتہ: وہ حدیث ہے جس کے رواۃ میں سے کوئی راوی خفیف الضبط ہو، تام الضبط نہ ہو، یعنی صحیح لذاتہ کے سب شرائط اس میں موجود ہوں، لیکن راوی کا صرف ضبط ناقص ہو اور اس نقص کی تلافی کثرت طرق یا تعدد طرق سے نہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ صحیح لغیرہ اور حسن لذاتہ میں صرف اتنا فرق ہے کہ حسن لذاتہ میں ضبط کے نقصان کی مکافاۃ نہیں ہوتی اور صحیح لغیرہ میں اس نقصان کی تلافی ایک چند معاضد سے ہو جاتی ہے۔

مثال: ترمذی کی روایت ہے: "حدثنا قتیبة حدثنا جعفر بن سلیمان الضبعي عن أبي عمران الجوني عن أبي بكر بن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ان ابواب الجنة تحت ظلال السيوف .... الحديث)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا کہ جنت تلواروں کے نیچے ہے۔

ترمذی نے اس حدیث کے متعلق کے فرمایا کہ یہ حدیث "حسن غریب ہے"۔

(ترمذی مع تحفة الاحوزی: ج ۵/ص ۳۰۰)

یہ حدیث "حسن" اس لیے ہے کہ اس کی سند کے چاروں روات "ثقہ" ہیں بجز "جعفر بن سلیمان ضبعی" کے کہ ان کا مرتبہ "ضبط" میں کم ہے، اس لیے حدیث کا مرتبہ "صحیح" سے گھٹ کر "حسن" کا قرار پایا ہے۔

حسن لغیرہ: اس حدیث کو کہتے ہیں، جس میں ایسا نقص ہو جو توقف کو مقتضی ہو، لیکن ایک یا چند عاضد کی وجہ سے اس کی قبولیت راجح ہو جائے، مثلاً: کسی حدیث کا کوئی راوی مستور الحال ہو، یا ضعف حافظہ کی وجہ سے ضعیف ہو اسلئے اس کی روایت قابل توقف ہے، مگر تعدد طرق کی وجہ سے توقف زائل ہو جائے، اور قبولیت راجح ہو جائے تو اس کو حسن لغیرہ کہتے ہیں، اس لیے کہ دوسرے طرق کی وجہ سے اس میں قوت پیدا ہوئی ہے، بذات خود اس میں صلاحیت قبولیت نہیں۔

مثال: ترمذی کی روایت ہے: " عن شعبة عن عاصم عن عبيد الله عن عبد الله بن عامر بن ربيعة عن أبيه ان امرأة من بني فزارة تزوجت على

نعلین ...... الحدیث) قال الترمذی و فی الباب عن عمر و ابی هریرة و عائشة و أبی حدود".

اس حدیث کے رواۃ میں عاصم سوءِ حفظ کی وجہ سے ضعیف ہیں لیکن دوسرے طرق سے اس حدیث کے مروی ہونے کی بنا پر ترمذیؒ نے اس کی تحسین کی ہے۔ (تدریب: ج۱/ص۱۷۶)

فائدہ (۱): خبر مقبول کے بارے میں الفاظ مستعملہ، محدثین مندرجہ ذیل الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں:

جید ، قوی ، صالح ، معروف ، محفوظ ، مجود ، ثابت ، مستحسن

بعض علماء محدثین صحیح اور جید اور قوی میں فرق نہیں کرتے بلکہ جید اور قوی کو صحیح کے مساوی قرار دیتے ہیں، مگر حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ کبار محدثین صحیح کے بجائے جید اور قوی کا لفظ بغیر کسی نکتہ کے استعمال نہیں فرماتے ہیں، مثلاً جب کوئی حدیث حسن لذاتہٖ سے اونچی ہوتی ہے اور صحت کے درجہ تک پہونچنے میں تردد ہوتا ہے تو اس وقت اس کو جید یا قوی کہتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جید اور قوی کا رتبہ صحیح سے کم ہے، اور صالح کا لفظ صحیح اور حسن دونوں کو شامل ہے کیوں کہ احتجاج واستدلال کی صلاحیت دونوں میں ہوتی ہے، بلکہ صالح کا اطلاق ایسی ضعیف روایت پر بھی ہوتا ہے، جس میں اعتبار کی صلاحیت ہو، اور لفظ معروف، منکر کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے، جو مقبول کی تمام قسموں کو شامل ہے، اور محفوظ کا اطلاق شاذ کے مقابل میں ہوتا ہے، اور مجود اور ثابت کا لفظ صحیح اور حسن دونوں کو شامل ہے اور مستحسن کا لفظ حسن اور حسن کے قریب کے لیے مستعمل ہے، لہٰذا کہا جاسکتا ہے، کہ مستحسن کا درجہ حسن سے کم ہے، شیخ صُبحی صالح نے کہا ہے کہ: جب محدثین کسی حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ مستحسن (پسندیدہ) ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ حدیث حسن اصطلاحی ہے، بلکہ اس میں صحیح و

حسن دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ (علوم الحدیث بحوالہ الجامع للخطیب)

فائدہ (۲): حافظ ابن صلاحؒ فرماتے ہیں کہ صحیح اور صحیح الاسناد، اسی طرح حسن اور حسن الاسناد میں فرق ہے، اس لیے کہ اسناد کے صحیح یا حسن ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث بھی صحیح یا حسن ہو، اس لیے کہ کبھی سند صحیح ہوتی ہے، لیکن شاذ یا معلل ہونے کی وجہ سے وہ حدیث صحیح نہیں ہوتی، لیکن جب کوئی معتمد مصنف صحیح الاسناد پر اکتفاء کرتا ہے، اور کوئی علت نہیں بیان کرتا نہ کوئی قدح کرتا تو ظاہر ہے کہ اس نے صحیح ہونے کا حکم لگا دیا، کیوں کہ عدم علت وعدم قادح ہی اصل وظاہر ہے انتہیٰ، لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ جب کوئی امام صحیح کے بجائے صحیح الاسناد کہتا ہے تو اس میں کوئی راز ضرور ہوتا ہے، اس لیے صحیح الاسناد اور حسن الاسناد کا درجہ صحیح حسن سے کم ہے۔

اقسام مردود:

ضعیف: وہ حدیث ہے جس کے راوی میں صحیح اور حسن کے شرائط پائے نہ جائیں۔

مثال: ترمذی نے روایت ذکر کی ہے 'حدثنا قتیبة حدثنا رشدین بن سعد عن عبد الرحمن بن زیاد بن انعم عن عتبة عن حمید عن عباده بن نسی عن عبد الرحمن بن غنم عن معاذ بن جبل قال: رأیت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اذا توضأ مسح وجهه بطرف ثوبه.

ترجمہ: معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ جب وضو فرما لیتے تو اپنے کپڑے کے ایک طرف میں اپنا چہرہ پونچھتے تھے۔

اس روایت کے متعلق امام ترمذیؒ لکھتے ہیں کہ: ''هذا حدیث غریب واسناده

ضعيف ورشدين بن سعد وعبد الرحمن بن زياد بن انعم الافريقي يضعفان في هذا الحديث". (جامع الترمذي باب ماجاء بالتمندل بعد الوضوء)

یعنی یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند ضعیف اسلئے کہ اس میں رشدین بن سعد اور عبدالرحمن بن زیاد بن انعم افریقی ہیں اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

متروک: وہ حدیث ہے جس کا راوی متہم بالکذب ہو یا وہ روایت قواعد معلومہ فی الدین کے خلاف ہو۔

مثال: عمرو بن شمر جعفی کوفی شیعی کی روایت "عن جابر عن ابی الطفیل عن علی و عمار قالا کان النبی صلی الله علیه وسلم .... الحدیث" (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر میں قنوت پڑھا کرتے تھے اور یوم عرفہ کی فجر کی نماز سے ہی تکبیر کہا کرتے تھے اور ایام تشریق کے آخری دن بوقت عصر بند کر دیتے تھے)۔

اس کے راوی "عمرو بن شمر" کے متعلق نسائی اور دار قطنی وغیرہ کا بیان ہے کہ "یہ متروک الحدیث ہے" اس کی حدیث جھوٹ کی تہمت کی بنا پر قبول نہیں کی جائے گی۔

(میزان الاعتدال: ج ۳/ص ۲٦۸)

شاذ: وہ حدیث ہے جس کا راوی خود ثقہ ہو مگر ایسی جماعت کی مخالفت کرتا ہو، جو اس سے زیادہ ثقہ ہو۔

محفوظ: وہ حدیث ہے جو شاذ کے مقابل ہو۔

مثال: ابوداؤد و ترمذی کی نقل کردہ، عبدالواحد بن زیاد کی روایت: "عن الأعمش عن أبي صالح عن أبي هريرة مرفوعًا "اذا صلى أحدكم الفجر فليضطجع عن يمينه" (یعنی جب تم میں سے کوئی فجر کی نماز پڑھ لیا کرے تو داہنی کروٹ پر لیٹ جایا کرے)

بیہقی کا بیان ہے عبدالواحد نے اس روایت میں ایک کثیر التعداد روات کی مخالفت کی ہے، اس لیے کہ دوسرے حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے طور پر اس کو روایت کیا ہے، اور عبدالواحد جو کہ امام اعمش کے ثقہ اصحاب میں سے تھے، انہوں نے تنہا اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بتایا ہے، عبدالواحد کی روایت ''شاذ'' ہے، اور دوسروں کی ''محفوظ'' ہے۔ (تدریب)

منکر: وہ حدیث ہے جس کا راوی باوجود ضعیف ہونے کے جماعت ثقات کے مخالف روایت کرے۔

معروف: وہ حدیث ہے جو منکر کے مقابل ہو (یعنی ثقات کی حدیث)۔

مثال: ابن ابی حاتم کی روایت جو حبیب بن حبیب کے طریق سے ہے بواسطہ ابو اسحق عن العیزار بن حریث عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ''من اقام الصلوۃ و اٰتی الزکاۃ و حج البیت وصام وقری الضیف دخل الجنۃ'' یعنی جو آدمی نماز پڑھے، زکاۃ ادا کرے بیت اللہ کا حج کرے، روزہ رکھے اور مہمان نوازی کرے جنت میں داخل ہوگا۔

ابو حاتم کا قول ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اسلئے کہ معتمد روات نے اس کو ابو اسحٰق سے موقوفاً روایت کیا ہے یعنی حضرت ابن عباس سے ہی نقل کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں، مذکورہ روایت ''منکر'' ہے اور دوسرے ثقات کی نقل کردہ ''معروف'' ہے۔

مضطرب: وہ حدیث ہے جس کی سند یا متن میں ایسا اختلاف ہو کہ اس میں ترجیح یا تطبیق نہ ہو سکے۔

مثال: ترمذی کی روایت ہے: "عن شریک عن ابی حمزة عن الشعبی عن فاطمة بنت قیس رضی اللّٰہ عنها قالت سئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عن الزکاة فقال ان فی المال حقًا سوی الزکاة" (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زکاۃ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا، مال میں زکاۃ کے علاوہ بھی کچھ حق ہے)۔

ابن ماجہ نے اس کو اسی سند سے بایں الفاظ ذکر کیا ہے "لیس فی المال حق سوی الزکاة" (یعنی مال میں زکاۃ کے علاوہ کوئی اور حق نہیں ہے) ظاہر ہے کہ یہ اضطراب ہے اور ایسا کہ اس کی توجیہ ممکن نہیں۔

مقلوب: وہ حدیث ہے جس میں راوی نے بھول سے متن یا سند میں تقدیم یا تاخیر کر دی ہو، یعنی لفظ مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر دیا ہو، یا ایک راوی کی جگہ دوسرے راوی کا نام رکھ دیا ہو۔

مثال: امام مسلم کی نقل کردہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے، ان سات حضرات کی بابت جن کو حشر کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی سایہ میں رکھا جائے گا جبکہ کوئی دوسرا سایہ نہیں ہوگا، اس حدیث میں ایک متعلق فرمایا گیا ہے: "رجل تصدق بصدقة فاخفاها حتی لاتعلم یمینه ما تنفق شماله" (رواہ مسلم) اس میں کسی راوی کے ذریعہ آخری ٹکڑے میں قلب ہو گیا ہے صحیح یوں ہے: "حتی لاتعلم شماله ما تنفق یمینه" (یعنی ان سات حضرات میں سے وہ بھی ہوگا جو اتنا چھپا کر صدقہ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو دائیں کے خرچ کی خبر نہ لگے۔

مصحف: وہ حدیث ہے جس میں باوجود صورت خطی باقی رہنے کے لفظوں وحرکتوں وسکونوں کے تغیر کی وجہ سے لفظ میں غلطی واقع ہو جائے، کبھی تصحیف راوی میں ہوتی ہے، جیسے شعبہ کی وہ حدیث جس کو انہوں نے عوام بن مراجم (بالراء والجیم) سے نقل کیا ہے، اس کو یحییٰ بن معینؒ نے غلطی سے مراجم کے بجائے مزاحم (بالزاء والجیم) ذکر کیا ہے۔

کبھی تصحیف حدیث میں ہوتی ہے جیسے "من صام رمضان واتبعه ستا من شوال" کو بعض راوی نے "شیأ" (بالشین المعجمۃ) ذکر کیا ہے۔

مدرج: وہ حدیث ہے جس میں کسی جگہ راوی نے اپنا کلام درج کیا ہو۔

مثال: ترمذی کی حدیث "عن بندار عن ابن مهدی عن سفیان الثوری عن واصل ومنصور والأعمش عن ابی وائل عن عمرو بن شرحبیل عن عبد الله ... الحدیث".

اس حدیث میں سفیان ثوری کے تین شیوخ مذکور ہیں جن کا سند کے اگلے حصہ میں یہ اختلاف ہے کہ ان میں "واصل" نے "ابو وائل" اور "عبد اللہ" کے "درمیان" "عمرو بن شرحبیل" کا واسطہ نہیں بیان کیا ہے، باقی دو نے اس واسطہ کا ذکر کیا ہے مگر روایت کرنے والوں نے تینوں سے بالاتفاق "عمرو" کا واسطہ ہونا نقل کیا ہے۔

معلل: وہ حدیث ہے جس میں کوئی ایسی چھپی ہوئی بیماری ہو جس کو کوئی ماہر فن ہی جان سکتا ہے۔

مثال: موسیٰ بن عقبہ سہیل بن ابی صالح سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد سے وہ ابو ہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایسی مجلس میں بیٹھا جہاں بہت شور وغل

ہواور مجلس برخاست کرنے سے قبل یہ کلمات کہے "سبحٰنک اللّٰھمّ وبحمدک لاالٰہ الاّ أنت استغفرک واتوب إلیک" تو اس سے جو گناہ اس مجلس میں صادر ہوئے تھے وہ معاف کردیتے ہیں، مروی ہے کہ امام مسلم امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا، جناب امام نے فرمایا "یہ بڑی خوبصورت حدیث ہے اور دنیا بھر میں اس مضمون کی یہ واحد حدیث ہے البتہ یہ معلول ہے، یہ حدیث ہمیں موسیٰ ابن اسماعیل وُہیب سے سن کر بتائی وُہیب نے سہیل سے اور اس نے عون بن عبداللہ سے سنی حالاں کہ موسیٰ بن عقبہ کا سماع سہیل بن ابی صالح سے معروف نہیں۔

(معرفة علوم الحديث: ص ۱۱۳، ۱۱٤)

خبرواحد کی چوتھی تقسیم

خبرواحد سقوط وعدم سقوط راوی کے اعتبار سے سات قسم پر ہے:

متصل، مسند، منقطع، معلق، معضل، مرسل، مدلس

متصل: وہ حدیث ہے جس کی سند میں سارے راوی مذکور ہوں کوئی راوی حذف نہ ہو۔

مثال "حدثنا الحميدی قال حدثنا سفيانؒ قال حدثنا يحيٰی بن سعيد الأنصاری قال اخبرنی محمد بن ابراهيم التيمی انه سمع علقمة بن وقاص الليثی يقول سمعت عمر بن الخطاب رضی الله عنه علی المنبر يقول: انما الاعمال با لنيات وانما لا مرئ ما نو ی ومن كانت هجرته الی دنيا يصيبها أو إلی امرأة ينكحهافهجرته إلی ما ها جر اليه". (بخاری: ج ۱/ص ۲)

مسند: وہ حدیث ہے کہ اس کی سند آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو۔

مثال: بخاری کی روایت ہے: "حدثنا عبد الله بن يوسف عن مالک عن

أبی الزناد عن الاعرج عن ابی هريرة قال ان رسو ل اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قال اذا شرب الکلب في إناء احدكم فليغسله سبعا" (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب کتا کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اسے سات مرتبہ دھوئے۔ یہ حدیث مرفوع اور اس کی سند متصل ہے۔

منقطع: وہ حدیث ہے جس سند کے درمیان راوی گرا ہوا ہو۔

مثال: عبدالرزاق کی روایت جو انہوں نے سفیان ثوری سے نقل کی ہے " عن أبی اسحق عن زيد بن يثيع عن حذيفة مرفوعاً ان وليتموها ابا بكر فقوی امين "

(اگر تم ابوبکر کے سپرد خلافت کرو تو اس کے حقدار بھی ہیں اس لیے کہ وہ قوی وامین ہیں)

اس حدیث کی سند کے درمیان کا ایک راوی مذکور نہیں اور وہ شریک ہیں جو "ثوری" اور اسحٰق کے درمیان ہیں اس لیے ثوری نے براہ راست ابواسحٰق سے حدیث کی تحصیل نہیں کی ہے بلکہ شریک سے تحصیل کی ہے اور شریک نے ابواسحٰق سے، یہ صورت ایسی ہے کہ معلق، مرسل، معضل، تینوں سے الگ ہے۔ (معرفة علوم الحديث :ص ٣٦ ؛ تدريب: ج١/ ص ٢١٤)

معلق: وہ حدیث ہے جس کی سند کے شروع سے ایک یا زیادہ راوی گرے ہوئے ہوں۔

مثال: بخاری کی حدیث جو انہوں نے باب ما يذكر في الفخذ کے مقدمہ میں ذکر کی ہے: "و قال أبو موسى غطى النبي صلى الله عليه وسلم ركبتيه حين دخل عثمان"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عثمان گھر کے اندر تشریف لائے تو اپنی رانوں کو ڈھانک لیا) اس حدیث میں چوں کہ بخاری نے بجز صحابی کے پوری سند چھوڑ دی ہے اسلئے یہ حدیث معلق ہے۔

معضل: وہ حدیث ہے جس کی سند میں ایک سے زیادہ راوی پے در پے گرے ہوئے ہوں۔

مثال: حاکم کی روایت ہے جوانہوں نے بواسطہ قعنبی امام مالک سے نقل کی ہے "عن مالک انه بلغه ان أبا هريرة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم للمملوک طعامه و کسوته بالمعروف و لا يكلف من العمل الا ما يطيق".
(یعنی مملوک کا کھانا و کپڑا قاعدے کے مطابق اس کا حق ہے اور اس کو اسی کام کا مکلف بنایا جائے جس کی وہ طاقت رکھتا ہو)

حاکم کا بیان ہے کہ یہ حدیث معضل ہے امام مالک نے اسے مؤطا میں معضلاً ذکر کیا ہے، اس لیے اس میں حضرت ابو ہریرہؓ اور امام مالکؒ کے درمیان پے در پے دو راوی مذکور نہیں ہیں اس کا علم اس سند سے ہوا ہے: "عن مالک عن محمد عن عجلان عن ابيه عن ابی هريرة".

مرسل: وہ حدیث ہے جس کی سند کے آخر سے کوئی راوی گرا ہوا ہو، یعنی صحابیؓ۔

مثال: مسلم کی روایت: "حدثني محمد بن رافع ثنا حجين ثنا الليث عن عقيل عن ابن شهاب عن سعيد بن المسيب ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن لمزابنة" (یعنی حضورؐ نے "مزابنہ" جو کہ دور جاہلیت میں خرید و فروخت کی رائج صورتوں میں سے ایک تھی اس کے نامناسب ہونے کی وجہ سے اس سے منع فرمادیا)۔ (کتاب البیوع)

اس حدیث کو حضرت سعید بن مسیب نے جو کہ اکابر تابعین میں سے ہیں حضورؐ سے براہ راست نقل کیا ہے اور اپنے بعد کے راوی کا ذکر چھوڑ دیا ہے جس کی کم از کم حد یہ ہے کہ ایک صحابی ہو، اور احتمال ایک سے زائد کا بھی ہے جو کہ صحابی بھی ہو سکتا ہے، اور تابعی بھی، اس لیے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تابعی کسی دوسرے تابعی کے واسطے سے حدیث حاصل کرتا ہے جیسے کہ صحابہؓ میں بھی ایسا ہوتا رہا کہ ایک دوسرے سے بھی سنتے اور روایت کرتے رہے۔

مدلس: وہ حدیث ہے جس کی روایت میں راوی نے اپنے شیخ یا شیخ کے شیخ کا نام اس طرح چھپا دیا ہو کہ شیخ مذکور سے سننے کا وہم ہوتا ہو۔

حدیث مدلس کی تین قسمیں ہیں

(۱) تدلیس الاسناد:

یہ وہ حدیث ہے جو راوی ایسے شخص سے روایت کرے جو اس کا ہم عصر ہو اور اس سے مل چکا ہو مگر اس سے اس کا سماع ثابت نہ ہو۔ یا ایسے ہم عصر سے روایت کرے جسے ملا نہ ہو مگر دوسرے کو یہ تاثر دے کہ اس نے اپنے معاصر سے سن کر یہ روایت بیان کی ہے۔

اس کی مثال علی بن خشرم کا یہ قول ہے:

''ہم سفیان بن عیینہ کے یہاں حاضر تھے۔ سفیان نے کہا'' زہری نے یوں فرمایا ''سفیان سے پوچھا گیا'' کیا آپ نے زہری سے سنا ہے''؟

سفیان نے کہا'' مجھے عبدالرزاق نے بتایا، اس نے معمر سے سنا اور معمر نے زہری سے سنا''

(اختصار علوم الحدیث، ص ۵۸)

مذکورہ صدر اسناد میں سفیان زہری کے ہم عصر تھے اور ان سے مل چکے تھے۔ مگر انہوں نے زہری سے کوئی روایت نہیں سنی۔ بخلاف ازیں سفیان نے یہ روایت عبدالرزاق سے سنی، عبدالرزاق نے معمر سے اور معمر نے زہری سے اخذ کی۔ بنابریں اس سند میں تدلیس یہ ہے کہ سفیان نے اور عبدالرزاق اور معمر دونوں کا نام حذف کر دیا اور ایسے الفاظ روایت کی جن سے وہم ہوتا ہے کہ انہوں نے براہ راست یہ حدیث زہری سے سنی۔

یہ تدلیس کی نہایت بدترین قسم ہے۔

شعبہ فرماتے ہیں: ''میں تدلیس کا مرتکب ہونے کی نسبت زنا کاری کو ترجیح دیتا ہوں۔'' (التوضیح: ج ۱/ ص ۳۲۶)

(۲) تدلیس الشیوخ:

تدلیس الشیوخ سے مراد یہ ہے کہ راوی بڑھا چڑھا کر اپنے شیخ کے القاب بیان کرے، یا کنیت کے بجائے اس کا نام ذکر کرے، مقصد یہ ہو اس کی پہچان نہ ہو سکے مثلا یوں کہے: ''یہ حدیث مجھے فلاں علامہ امام ضابط اور حافظ نے سنائی''۔

اس کی مثال وہ حدیث ہے جو ابوبکر بن مجاہد المقری نے ابوبکر بن ابوداؤد سے روایت کی اس نے کہا کہ مجھے عبداللہ بن ابوعبداللہ نے حدیث سنائی اس نے ابوبکر بن حسن نقاش مفسر سے سنا، اس نے کہا ہمیں محمد بن سید نے بتایا۔

اس اسناد میں رواى کے والد کے بجائے اس کی نسبت اس کے دادا کی طرف کر دی گئی ہے، حالاں کہ اس کی نسبت والد کی جانب مشہور تر ہے۔

(۳) تدلیس التسویہ:

تدلیس تسویہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی راوی کے شیخ کا نام اس لیے ذکر نہ کیا جائے کہ وہ ضعیف یا صغیر السن ہے، اس کے بجائے یہ ظاہر کیا جائے کہ حدیث صرف ثقات سے مروی ہے، تاکہ اسے صحیح اور مقبول قرار دیا جائے، یہ تدلیس کی بدترین قسم ہے، کیوں کہ اس میں شدید ترین دھوکہ پایا جاتا ہے۔

ولید بن مسلم اس قسم کی تدلیس میں مشہور تھے، چنانچہ وہ اوزاعی کے ضعیف شیوخ کو حذف کر کے صرف ثقات کا نام ذکر کرتے، جب اس ضمن میں ولید سے سوال کیا گیا تو اس نے کہا ''اوزاعی کا مقام اس سے کہیں زیادہ بلند ہے کہ وہ ایسے ضعیف راویوں سے حدیث روایت کرے''۔

پھر ولید سے کہا گیا ''جب اوزاعی ضعیف راویوں سے منکر روایتین نقل کریں اور آپ ان کو حذف کر کے ان کی جگہ ثقہ راویوں کے نام ذکر کر دیں تو پھر اوزاعی کو ضعیف راوی قرار دینا چاہئے'' ولید نے یہ سن کر کچھ جواب نہ دیا۔

مدلسین کے الفاظ ان کے خبث باطن کو غمازی کرتے ہیں، مثلاً بعض مدلسین اپنے شیخ کی تعظیم کے لیے ایک مبہم اور متشابہ لفظ بولتے ہیں، اور اس طرح کسی شہر یا قبیلہ کی عظمت و فضیلت کے پردہ میں شیخ کی عظمت جتانا چاہتے ہیں، مثلاً ایک مصری شخص کہے کہ ''حدثنی فلان بالاندلس'' یعنی مجھے اندلس کے فلاں شخص نے حدیث سنائی؛ اور اندلس سے مراد وہ مقام ہو جو ''القرافۃ'' میں واقع ہے، یا ''زقاق حلب'' کہے اور قاہرہ کی ایک جگہ مراد لے، یا ایک بغدادی شخص کہے ''حدثنی فلان بماوراء النھر'' یعنی ماوراء النہر کے شخص نے مجھے حدیث سنائی، اور اس سے مراد یہ لے کہ دریائے دجلہ کے پار اس نے مجھے حدیث سنائی۔

یا یوں کہے ''رقہ'' میں مجھے حدیث سنائی، اور رقہ (ایک شہر کا نام) سے دریائے دجلہ کے کنارے پر ایک باغ مراد لے، یا دمشق کا رہنے والا یوں کہے کہ ''مجھے فلاں شخص نے کرک میں حدیث سنائی'' اور کرک سے ''کرک نوح'' مراد لے جو دمشق کے قریب ایک بستی کا نام ہے۔

ان تمام الفاظ سے سامع کے ذہن میں یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ یہ شخص طلب حدیث میں کافی سفر و سیاحت کر چکا ہوگا، حافظ بن حجر عسقلانی اس ملمع سازی اور دجل وفریب کو ''تدلیس البلاد'' سے تعبیر کرتے اور کہتے ہیں، یہ ''تدلیس الشیوخ'' سے ملتی جلتی ایک اصطلاح ہے۔

بعض تدلیس پیشہ محدثین تدلیس میں لطف و لذت محسوس کرتے تھے، انہیں مذاق کا یہ انداز بڑا پسند آتا تھا کہ سہل انگاری سے ایک مبہم روایت بیان کرتے پھر اس پر ندامت کا اظہار کرنے لگتے، ہشیم بن بشیر سے دریافت کیا گیا آپ کو تدلیس پر کیا چیز آمادہ کرتی ہے؟ ہشیم نے کہا ''تدلیس میں بڑی لذت ہے''۔ (امداد الباری؛ علوم الحدیث للاسعدی؛ علوم الحدیث للصبحی)
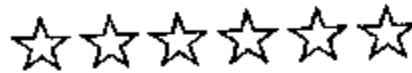
☆☆☆☆☆☆

إن جاء كم فاسق بنبأ فتبينوا (القرآن)

عمدة الأقاويل فی تحقیق الأباطیل

(غیر معتبر احادیث کی تحقیق)

(۱)

مؤلف

حضرت مولانا محمد رضوان الدین معروفی / مدظلہ العالی

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا

ضلع نندوربار، مہاراشٹر

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الأنبیاء و المرسلین و الہ الطیبین و أصحابہ الکاملین. أجمعین!

احادیث موضوعہ کے متعلق محدثین کی بعض اصطلاحات کا تعارف

محدثین ناقدین نے احادیث کی تحقیق کے دوران بے سند، جعلی، من گھڑت روایات کی طرف جن الفاظ سے اشارہ کیے ہیں، وہ کثیر التعداد ہیں۔

شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ نے اس موضوع پر بہت گہرائی وگیرائی سے غور فرمایا؛ اور احادیث مکذوبہ اور روایات موضوعہ پر لکھی گئی، علماء متقدمین ومتاخرین کی تمام اہم کتابوں کی ورق گردانی کی اور ان کے مزاج ومنہج اور عبارات واشارات سے ایک نہایت جامع خلاصہ تیار فرمایا، جو ملا علی قاریؒ کی کتاب "المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع" کے ساتھ بطور مقدمہ طبع ہوا ہے، اس موضوع پر یہ مقدمہ نہایت بصیرت افروز، معلومات افزاء اور تحقیق وتفتیش کی خوبیوں کا حامل ہے، یہاں شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ کے اسی مقدمہ کی تلخیص پیش کی جارہی ہے۔

محدثین نے کسی روایت کا موضوع، مکذوب اور بے سند وجعلی ہونے یا سند کے باوجود غیر معتبر ہونے کو بتلانے کے لیے جن اصطلاحات وکلمات کا استعمال فرمایا ہے، وہ تو

بہت ہیں لیکن ان کو اساسی طور پر چند قسموں میں لایا جا سکتا ہے۔

قسم اول: ''لا أصل له ''اور اس کی اخوات......یعنی وہ کلمات جو حدیث کے بے اصل ہونے کو بتلائیں، ایسے کلمات کی کئی انواع ہیں مثلاً:

(الف)''هذا الحديث لااصل له، لا اصل له بهذا للفظ ، ليس له اصل، لايعرف له اصل، لم يو جد له اصل، لم يو جد'' وغیرہ۔

ان تعبیرات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کی کوئی سند نہیں ہے، اور سند کے بغیر کوئی حدیث معتبر نہیں ہو سکتی، لہٰذا ایسی حدیث موضوع کہلائے گی۔

تدریب الراوی میں امام سیوطیؒ لکھتے ہیں۔

"قولهم هذا الحديث ليس لهٗ أصل أو لا أصل لهٗ قال ابن تيمية: معناه ليس له اسناد"۔

یعنی جب محدثین کسی حدیث کے متعلق "ليس لهٗ اصل" یا "لا أصل لهٗ" کہتے ہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کی کوئی سند نہیں پائی جاتی۔

(النوع الثاني و العشرون:۱۹۵)

(ب) کبھی محدثین ''لااصل له ''جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں، مگر ان کا مقصد بے سند ہونا بتلانا نہیں ہوتا ہے، بل کہ وہ یہ بتلانا چاہتے ہیں، کہ اس روایت کی سند تو ہے مگر اس کی سند میں کذاب اور وضاع راوی پایا جاتا ہے، گویا اس صورت میں اصلیت سند کی نفی مقصود نہیں ہوتی، بل کہ اصلیت حدیث کی نفی مقصود ہوتی ہے، کہ یہ مضمون (حدیث) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

مثلاً: امام غزالیؒ نے احیاء علوم الدین (۴/۶۰۶) میں ترتیب الاوراد میں

ایک حدیث اس طرح ذکر فرمائی ہے کہ "کرز بن دبرة عن رجل من أهل الشام عن ابراهيم التيمي ان الخضر علمني المسبعات العشر وقال الخضر في آخرها اعطانيها محمد صلى الله عليه وسلم"۔

یعنی ابراہیم تیمیؒ کہتے ہیں کہ مجھ کو حضرت خضر علیہ السلام نے مسبعات عشر (ایک طویل دُعا) کی تعلیم دی اور آخر میں خضر علیہ السلام نے بتلایا کہ یہ دعاء مجھ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عطاء کی ہے۔

اس حدیث کے متعلق علامہ عراقی (جنہوں نے احیاء علوم الدین کی احادیث کی تحقیق وتخریج کا کام کیا ہے) لکھتے ہیں "حدیث کرز بن وبرة ليس لهٗ اصل و لم يصح في حديث قط اجتماع الخضر بالنبي صلى الله عليه وسلم ولا عدم اجتماعه و لا حياته و لا موته".

یعنی اس روایت کی سند تو موجود ہے مگر قابلِ اعتبار نہیں ہے، اس لیے علامہ عراقیؒ نے "ليس له اصل" فرمایا۔

(ج) هذا الحديث لا أصل له في الكتاب ولا في السنة الصحيحة ولا الضعيفة.

اس عبارت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ مضمون نہ تو قرآن کریم میں ہے نہ ہی کسی صحیح یا ضعیف حدیث میں، بل کہ شریعت مطہرہ میں یہ بات ایک بالکل نئی سی بات ہے۔

(د) هذا الحديث لا أصل لهٗ في الكتاب و لا في السنة الصحيحة.

اس عبارت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس روایت کا مضمون قرآن اور صحیح حدیث سے تو ثابت نہیں ہے، ممکن ہے کسی ضعیف حدیث میں اس کا ذکر ہو۔

دوسری قسم:"لا اعرفهٗ ، لم أعرفهٗ، لم أقف عليه، لااعرف لهٗ اصلا، لم أجد لهٗ أصل، لم اقف لهٗ على أصل، لا أعرفه بهذا اللفظ، لم أره بهذا اللفظ، لم اجده، لم أجدهٗ هكذا، لم يرد فيه شيء، لا نعلم من اخرجه و لا إسناده".

ان کلمات میں سے اگر کوئی لفظ کسی حدیث کے متعلق استعمال کیا جائے تو حکم یہ ہے کہ اگر ان الفاظ کا استعمال کرنے والا مشہور حفاظ حدیث میں سے کوئی محدث ہو اور کسی نے اس کا تعاقب نہ کیا ہو تو یہ علامت ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ امام سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ:

"قال الحافظ ابن حجر إذا قال الحافظ المطلع الناقد في حديث لااعرفه اعتمد ذلك في نفيه".

(تدریب الراوی النوع الثانی والعشرون:۱۹۵)

یعنی حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ جب کوئی صاحبِ بصیرت ناقد محدث کسی حدیث کے بارے میں "لا أعرفه" کہے (میں اس حدیث کو نہیں جانتا) تو اس روایت کے ثابت نہ ہونے کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے۔

اس پر اضافہ کرتے ہوئے امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ جب ماہرین فن حدیث کو ایک حدیث نہیں ملی اور بعد کا کوئی آدمی سنا رہا ہے تو ظاہر ہے کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے، بعد میں کہیں سے تیار ہوئی ہے، یہی بات شیخ ابن العراقؒ، اور شیخ علائی نے بھی کہی ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ اس طبقۂ محدثین میں کون کون حضرات داخل ہیں، جن کا "لاأعرفه" کہہ دینا حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل ہے۔ تو ابن العراق کنانیؒ نے شیخ علائیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ، علی بن المدینیؒ، یحییٰ بن معینؒ، امام بخاریؒ، ابوحاتم، ابوزرعہؒ، امام نسائیؒ، دارقطنیؒ اسی زمرۂ محدثین سے تعلق رکھتے ہیں۔

اور بقول شیخ ابوغدہ، حافظ ضیاء مقدسیؒ، ابن الصلاحؒ، صاغانیؒ، منذریؒ، نوویؒ، ابن دقیق العیدؒ، دمیاطیؒ، ابن تیمیہؒ، مزیؒ، ذہبیؒ، سبکیؒ، زیلعیؒ، ابن کثیرؒ، زرکشیؒ، ابن رجبؒ، ابن الملقنؒ، عراقیؒ، ہیثمیؒ، ابن حجرؒ، عینیؒ، ابن الہمامؒ، سخاویؒ، سیوطیؒ، زرقانیؒ اور ابن ہمات الدمشقیؒ وغیرہم بھی اسی طبقہ میں شامل ہیں کہ اگر کسی حدیث کے متعلق یہ حضرات ناواقفیت کا اظہار کریں تو حدیث کے عدم ثبوت کے لیے کافی ہوگا، لیکن ان کے ماسوا دوسرے محدثین کا یہ مقام نہیں ہے، یعنی ان کے "لا اعرفه، لم اجده" کہنے کا اس درجہ میں اعتبار نہیں ہے، لہٰذا ان کا عدمِ وجدان، عدمِ وجود کی دلیل نہ ہوگا۔

تیسری قسم: "لایصح، لا یثبت، لم یصح، لم یثبت، لیس بصحیح، لیس بثابت، غیر ثابت، لایثبت فیه شيء وغیره".

ان تعبیرات کا حکم یہ ہے کہ

جب ان میں سے کوئی تعبیر ایسی کتاب میں استعمال کی جائے جو ضعیف رواۃ یا موضوع احادیث کے عنوان پر لکھی گئی ہو تو اشارہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

اور جب احکام سے متعلق احادیث کے لیے اس کا اطلاق کیا جائے تو صرف صحت حدیث کی نفی مقصود ہوتی ہے، پس اس دوسری صورت میں یہ ممکن ہے کہ یہ حدیث کسی درجہ میں ثابت ہو، اگر چہ کہ احادیث صحیحہ کے مقام تک نہ پہنچی ہو۔

علامہ کوثریؒ نے "انتقاد المغنی عن الحفظ والکتاب" کے مقدمہ (ج۱/ص۱) میں لکھا ہے کہ:

"یقول المسند الاوحد ابن همات الدمشقي في "التنکیت و الافادة" في تخریج أحادیث "خاتمة سفر السعادة" اعلم ان البخاری و کل

من صنف في الأحكام يريد بقوله "لم يصح" الصحة الاصطلاحية".

"ومن صنف في الموضوعات والضعفاء يريد بقوله" لم يصح" أو "لم يثبت" المعنى الاعم ولا يلزم من الأول نفي الحسن أو الضعف و يلزم من الثاني البطلان". (مقدمة المصنوع:۲۷)

ترجمہ: ابن ہمام الدمشقی نے "التنكيت و الافادة في تخريج أخاديث خاتمة سفر السعادة "میں فرماتے ہیں کہ معلوم ہونا چاہیے کہ بخاری اور جن لوگوں نے احکام کے باب میں تصنیف کی ہے ان کے "لم يصح "یا "لم يثبت "سے مراد صحت اصطلاحیہ ہوتی ہے؛ اور جنہوں نے موضوعات اور ضعفاء میں کتابیں تصنیف کی ہیں ان کے قول "لم يصح "یا "لم يثبت "سے معنی اعم مراد ہوتا ہے۔ اول سے حسن یا ضعف کی نفی لازم نہیں ہوتی۔ البتہ ثانی سے بطلان لازم آتا ہے۔

قسم رابع: "موضوع، كذب، مكذوب، ليس بحديث، منكر، باطل منكر، منكر جدا، منكر باطل وغیرہ" یہ وہ کلمات ہیں جن سے حدیث کا موضوع ہونا صراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔

اجمال بعد التفصیل

فائدہ: احادیث موضوعہ کی طرف اشارہ کرنے والے تمام الفاظ اصطلاحیہ کو اجمالاً نو اقسام میں بترتیب ذیل دیکھا جا سکتا ہے:

۱	باطل لا أصل له	تا	ماعرفت اصله
۲	لا يثبت فيه شيءٌ	تا	ولا يثبت بهذا اللفظ
۳	لا يصح	تا	لا يصح لفظه مرفوعًا
۴	لا يعرف	تا	لا اعرفه بهذه اللفظ
۵	لم يوجد	تا	لم اجده مرفوعًا
۶	لم اقف عليه	تا	لم اقف له على سند
۷	لا يعلم من اخرجه ولا اسناده	تا	ماعلمته في المرفوع
۸	لم يردفيه شيء	تا	لا استحضره في المرفوع
۹	منكر	تا	منكرباطل

یہ وہ کلمات ہیں جو کسی حدیث کے متعلق استعمال کیے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ حدیث بے سند، جعلی یا باسند مگر من گھڑت اور موضوع ہے۔

سلسلة الأحاديث الموضوعة

(۱) (الف)" ابی اللّٰہ ان یصح الا کتابہ "

(ب)" ابی اللّٰہ الا ان یصح کتابہ "

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاوی، شیخ عجلونی، ملا علی قاری، شیخ ابن الدیبع، علامہ شوکانی، شیخ محمد الامیر الکبیر مالکی، شیخ محمد خلیل مشیشی طرابلسی، علامہ طاہر پٹنی وغیرہم، ان تمام محدثین کرام نے اس حدیث کو بے سند اور موضوع قرار دیا ہے، صاحب" النخبة البهیئة" شیخ محمد امیر مالکی نے اس روایت کو نقل فرما کر لکھا کہ " لم یرد اصلا " اس حدیث کا کوئی اصل ہونا بالکل ثابت نہیں ہے، امام سخاوی" المقاصد الحسنة" میں لکھتے ہیں " لا اعرفه ولكن قال الله تعالیٰ ولو كان من عند غير الله لوجدوه فيه اختلافا كثيرا " ۔(سورۃ النساء)

ولذا قال امامنا الشافعي رحمه الله فيما رويناه في مناقبه لابي عبد الله بن شاكر من طريق محمد بن عامر عن البويطي قال سمعت الشافعي يقول لقد الفت هذه الفت الكتب ولم ال فيها ولا بد ان يوجد فيها الخطأ لان الله تعالیٰ يقول لو كان من عند غير الله لوجدوه .... الاية " فما وجدتم في كتبي هذا مما يخالف الكتاب والسنة فقد رجعت عنه ولبعضهم.

شعر:

كم من كتاب تصفحته ... وقلت في نفسي اصلحته

حتى اذا طالعته ثانيًا ... وجدت تصحيفا فصححته

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ روایت مذکورہ کا حدیث ہونا مجھے معلوم نہیں، یعنی یہ روایت بے سند اور موضوع ہے، لیکن یہ بات سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے متعلق فرمایا "لو کان من عند غیر اللہ لوجدوہ فیہ اختلافا کثیرا" یعنی اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت سارے اختلاف ہوتے۔

اسی بنا پر سیدنا امام شافعیؒ سے منقول ہے جس کو ان کے شاگرد شیخ بویطی روایت کرتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا کہ میں نے اپنی یہ کتابیں لکھی اور ان میں کسی قسم کی کوئی لاپرواہی نہیں کی لیکن پھر بھی اس میں غلطی کا پایا جانا ضروری ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "لو کان من عند غیر اللہ ... الآیۃ"۔

لہٰذا میری کتابوں میں جو بات کتاب وسنت کے خلاف ہو تو سنو کہ میں اس سے رجوع کر رہا ہوں، اور اسی مناسبت سے کسی کا یہ شعر بھی ہے۔

کم من کتاب تصفحتہ و قلت فی نفسی اصلحتہ

حتی اذا طالعتہ ثانیا وجدت تصحیفا فصححتہ

یعنی: میں نے بہت سی کتابیں لکھی اور مجھے خیال ہوا کہ میں نے بالکل صحیح اور درست لکھی ہے، لیکن جب دوبارہ ران کتابوں پہ نگاہ ڈالی تو مجھے ان میں غلطیاں نظر آئیں پھر میں نے ان کی تصحیح کی۔

ملا علی قاری نے موضوعات صغریٰ میں اور موضوعات کبریٰ دونوں کتابوں میں اس روایت کو نقل فرما کر لکھا" قال السخاوی لا اعرفہ " پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ ابوغدہ عبدالفتاح رحمہ اللہ موضوعات صغریٰ (المصنوع) کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"ھو من کلام الامام الشافعی رضی اللّٰہ عنہ، قال المزنی تلمیذ الشافعی:

قرأت كتاب " الرسالة " على الشافعي ثمانين مرة ، فما من مرة إلا و كان يقف على خطأ ، فقال الشافعي : هيه ! أى حسبک و اكفف " ابى الله أن يكون كتاب صحيحا غير كتابه "ذكره الإمام عبد العزيز البخارى في أول شرحه على أصول الإمام البزدوى المسمى كشف الاسرار : ج ١ / ص ۴ونقله عنه الشيخ ابن العابدين في حاشيته رد المحتار : ج ١ / ص ١٩ ".

یعنی شیخ عبدالعزیز بخاری م۷۳۰ھ نے اپنی کتاب اصول بزدوی کی "شرح کشف الاسرار : ج ١ / ص ۴ " پر لکھا ہے اور پھر علامہ شامی نے اپنی کتاب "ردالمحتار حاشية الدرالمختار : ج ١ / ص ١٩ " پر اس کو نقل فرمایا ہے کہ یہ روایت سیدنا امام الشافعیؒ کا کلام ہے حضرت کے شاگرد شیخ مزنی نے فرمایا کہ میں نے امام شافعی کے سامنے ان کی کتاب " الرسالة " اسی مرتبہ پڑھی، اور ہر مرتبہ دوران قراءت کسی نہ کسی غلطی کا انکشاف ہوتا رہا، بالآخر حضرت نے فرمایا" هيه ابى الله ان يكون كتاب صحيحا غير كتاب " چھوڑو جی رہنے دو اللہ کو منظور ہی نہیں ہے اس کی کتاب کے سوا کوئی دوسری کتاب غلطی سے پاک ہو۔

اور خطیب بغدادی نے اپنی کتاب "موضح اوهام الجمع و التفريق: ج ١ /ص ٦ " پر شیخ مزنی کے حوالہ سے حضرت امام شافعی کا یہ قول اس طرح نقل فرمایا ہے "لو عورض كتاب سبعين مرة لو جد فيه خطأ ابى الله ان يكون كتاب صحيحا غير كتابه".

اگر کسی کتاب پر ستر مرتبہ بھی نظر ثانی کی جائے تو ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی غلطی ملتی رہے گی کیوں کہ اللہ کو یہ پسند ہی نہیں کہ اس کی کتاب قرآن کے علاوہ کوئی اور کتاب صحیح ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ روایت مذکورہ حدیث نبوی نہیں ہے، حضرت امام شافعیؒ کا کلام ہے، اور یہ کلام اپنی جگہ بالکل صحیح ہے جس کی تائید قرآن کی آیت مذکور سے ہو رہی ہے۔

(المقاصد الحسنة: ص ٥ ؛ كشف الخفاء: ج ١ / ص ٣٥؛ النخبة في الاحاديث المكذوبة: ج ١/ ص ٢؛ الفوائد المجموعة: ج ١/ص ٣٠٩؛ اللؤ لؤ المرصوع: ج ١ / ص ٢٩؛ المصنوع: ص ٥٠؛ الاسرار المرفوعة: ص ٤٨)

☆☆☆☆☆

(۲) اتق شر من احسنت إليه

ترجمہ: جس شخص پر تم نے احسان کیا ہے اس کے شر سے بچ کر رہنا۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ فرماتے ہیں کہ "لا اعرفه، و يشبه ان يكون من كلام بعض السلف " مجھے اس کا حدیث ہونا معلوم نہیں ہے، یعنی میرے علم کے مطابق یہ حدیث موضوع ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں، بہت ممکن ہے کہ اسلاف میں سے کسی کا قول ہو، یہی بات علامہ عجلونیؒ، ملا علی قاریؒ، علامہ پٹنیؒ نے بھی لکھی ہے۔

تنبیہ: یہ روایت اگرچہ حدیثِ نبوی نہیں ہے مگر اس کا مضمون ایک حد تک صحیح ہے، کیوں کہ علی الاطلاق تو ہر شخص کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے ساتھ احسان کرو تو اس کے شر سے بچو کہ وہ شر پہنچانے کے درپے ہوتا ہے، لیکن کم ظرفوں اور کمینوں کا حال ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ کسی کا احسان پا کر بجائے شکر گذاری کے ایذاء رسانی پر آمادہ ہو جاتے ہیں، رہ گئے شرفاء اور بااخلاق حضرات تو ایسے لوگ تو کسی کا احسان پا کر جذبۂ منت شناسی کی وجہ سے احسان کرنے والے کے مزید گرویدہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ''الکریم یلین اذا استعطف واللئیم یقسوا اذا الطف ''یعنی نیک طبیعت انسان پر جب احسان کیا جائے تو وہ اپنے محسن کے لیے بالکل نرم ہو جاتا ہے، اور کمینہ خصلت آدمی کسی کا احسان پا کر مزید سخت دل ہو جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے: ''ما وجدت لئیمًا قط الا قلیل المروءۃ''۔ یعنی میں نے کمینہ لوگوں کو ہمیشہ انسانیت سے محروم پایا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے: ''وما نقموا منہم الا ان اغناھم اللّٰہ ورسولہ من فضلہ''۔

یعنی اور یہ انہوں نے صرف اس بات کا بدلہ لیا ہے کہ ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے رزق خداوندی سے مالدار کر دیا۔ (التوبہ:٧٤)

امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں محمد بن حاتم المظفریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ'' اتق شر من یصحبک لنائلۃ فانہا اذا انقطعت عنہ لم یعذر ولم یبال ما قال وما قیل فیہ'' (شعب الایمان:٨٧٥٦)

یعنی جو شخص کسی منفعت کی بنیاد پر تمہارا ساتھی بنا ہو اس کے شر سے بچ کر رہو کیوں کہ جس وقت یہ منفعت ختم ہو جائے گی وہ تمہاری کسی مجبوری کا اعتبار کئے بغیر بے ہودہ بکواس میں مبتلا ہو جائے گا۔

شیخ ابوعمرو بن العلاءؒ نے اپنے احباب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''کن من الکریم علی حذر اذا اھنتہ ومن اللئیم اذا اکرمتہ ومن العاقل اذا احرجتہ ومن الأحمق اذا رحمتہ ومن الفاجر اذا عاشرتہ ولیس من الادب ان تجیب من لا یسئلک او تسأل من لا یجیبک أو تحدث من

لا ینصت لک"۔

یعنی: تم ہمیشہ چوکنا اور بچ بچ کر رہنا اس شریف النفس آدمی سے جس کی تم نے توہین کردی ہو اور اس بداخلاق سے جس پر تم نے کوئی انعام کیا ہو اور اس عقلمند سے جس کو تم نے کسی موقع پر تنگ کردیا ہو اور اس احمق سے جس کے ساتھ تم نے ہمدردی کی ہو، اور اس بد کردار فاجر شخص سے جس کی تم نے صحبت اختیار کرلی ہے۔ اور آداب واصول سے ہٹ کر یہ بات ہے کہ تم ایسے شخص کو کوئی جواب دو جس نے تم سے سوال نہ کیا ہو، یا ایسے آدمی سے کوئی بات پوچھو جو تم کو جواب نہ دے یا اس سے تم بات کرو جو تمہاری بات سننے کے لیے تیار نہ ہو۔

(المقاصد الحسنة: ص ٢٠ ؛ الاسرار: ص ٥٠ ؛ المصنوع: ص ٤٥ ؛ کشف الخفا: ج ١/ص ٤٣ ؛ تذکرة الموضوعات: ج ١/ص ٦٩)

خلاصہ: سطور بالا سے معلوم ہوا کہ روایت مذکورہ **(اتق شر من احسنت الیه)** کا مضمون تو صحیح اور بعض اسلاف سے منقول ہے، مگر یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

(۳) اتقوا مواضع التهم

ترجمہ: تہمت کی جگہوں سے بچ بچ کر رہو۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس روایت کو حدیث مرفوع کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ مگر صاحب تخریج احادیث احیاء، شیخ عراقیؒ نے فرمایا" لم اجدله اصلاً " مجھے اس کی کوئی اصل نہیں ملی۔ (تخریج احیاء: ۳/۱۲)

اسی طرح علامہ شوکانیؒ نے بھی اس کو بے اصل قرار دیا ہے۔

شیخ عجلونیؒ نے کشف الخفا: ۱ر۴۴ میں اس کو بے اصل، بے سند اور موضوع قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اس کا کلام نبی ہونا تو ثابت نہیں، البتہ اس کا مضمون، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسری حدیث اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو اثر سے ملتا جلتا ہے۔

وہ حدیث یہ ہے جس کو شیخ الخرائطیؒ نے مکارم الاخلاق میں مرفوعاً نقل کیا ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’**من اقام نفسه مقام التهم فلا يلومن من اساء الظن به**‘‘۔

یعنی: جو شخص اپنے آپ کو تہمت کی جگہ پر لا کر کھڑا کرے، پھر اس کے ساتھ کوئی بدگمانی کرے تو اس کو برا بھلا نہ کہے۔

اور حضرت عمرؓ کے دو اثر یہ ہیں:

(الف) من سلك مسالك الظن اتهم۔

یعنی جو بدگمانی کی راہ پر چلتا ہے اس پر تہمت آ ہی جاتی ہے۔

(ب) ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ زریں حکمت آموز باتیں تحریر فرمائیں جن میں ایک بات یہ تھی کہ ’’**من عرض نفسه للتهمة فلا يلومن من اساء الظن به**‘‘۔

یعنی: جس نے خود کو تہمت کی جگہ ڈالا تو بدگمانی کرنے والے کو ملامت نہ کرے۔

خلاصہ یہ کہ روایت مذکورہ کا مضمون تو صحیح اور معقول و منقول ہے مگر ان الفاظ (**اتقوا مواضع التهم**) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

(تخریج احیاء: ج۳/ص۱۷؛ الفوائد للشوکانی: ج۱/ص۲۵؛ کشف: ج۱/ص۴۴؛ ۲/۲۵۴؛ المقاصد الحسنة: ج۱/ص۲۱۸؛ الدرر المنتثرة للسیوطی: ج۱/ص۱۹؛ تذکرة الموضوعات: ج۱ص۲۰۴)

(۴) إذا حضر العشاء والعشاء فابدؤا بالعشاء

ترجمہ: جب عَشا اور عِشاء (یعنی رات کا کھانا اور رات کی نماز) دونوں جمع ہو جائیں تو پہلے کھانا کھالو۔

حکم: یہ حدیث ان الفاظ میں موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ سخاوی، ملا علی قاری، ابن حجر عسقلانی، شیخ عجلونی امام سیوطی اور علامہ محمد بن طاہر پٹنی یہ سبھی حضرات اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

امام سخاوی مقاصد حسنہ میں لکھتے ہیں کہ علامہ عراقی نے شرح الترمذی میں فرمایا کہ "لا اصل لہ فی کتب الحدیث بھذااللفظ" یعنی یہ روایت ان الفاظ میں کتب حدیث میں موجود نہیں ہے۔

یہاں تین باتیں قابل توجہ ہیں:

(۱) یہ حدیث ان الفاظ میں کتب حدیث میں موجود نہیں ہے، البتہ الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ اس روایت کا ثبوت ہے، مثلاً صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے:

"اذا وضع العشاء واقیمت الصلوۃ فابدأوا بالعشاء"

(بخاری، الأطعمة: ٥٠٤٢؛ مسلم الصلاة)

صحیحین اور اسی طرح سنن ابوداؤد اور مسند امام احمد میں بھی ایک روایت مذکور ہے "عن ابن عمران النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا وضع عشاء أحدکم واقیمت الصلوۃ فلا یقوم حتی یفرغ"

یعنی حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب رات کا کھانا حاضر ہو اور جماعت بھی کھڑی ہو رہی ہو تو جب تک کھانے سے فارغ نہ ہو جائے نماز کے لیے نہ جائے''۔

(سنن أبي داؤد: ج ۱ /ص ۲۰۳ ؛ مسند امام أحمد: ج ۱ /ص ۱۵)

(۲) امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ روایت انہیں الفاظ میں مصنف ابن ابی شیبہ میں اسماعیل بن علیہ کی سند سے مرفوعاً مروی ہے، مگر یہ خیال صحیح نہیں ہے اس لیے کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی ''و حضرت الصلوٰۃ'' منقول ہے، نہ کہ ''حضرت العشاء''۔ اور پوری روایت اس طرح مذکور ہے'' عن اسماعیل بن علیة عن اسحق قال حدثنی عبد الله بن رافع عن ام سلمة مرفوعًا ''اذا حضر العشاء وحضرت الصلوة فأبدأوا بالعشاء'' اور انہیں الفاظ میں امام احمدؒ نے بھی اپنی مسند میں اس کو ذکر فرمایا ہے۔

(۳) یہ روایت اگرچہ الفاظ مذکورہ (اذا حضر العشاء والعشاء ......) میں ثابت نہیں ہے مگر اس کا مفہوم و مضمون صحیح ہے کہ آدمی کو سخت بھوک کا تقاضا ہو اور اسی وقت جماعت کھڑی ہو جائے تو پہلے کھانا کھا کر بھوک مٹا لینی چاہیے، پھر نماز شروع کرنی چاہیے تاکہ نماز کا خشوع و خضوع باقی رہے، اور دل نماز کی طرف متوجہ رہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق سنن ابی داؤد میں منقول ہے کہ '' وکان عبد الله اذا وضع عشاؤه أو حضر عشاؤه لم يقم حتى يفرغ و ان سمع الا قامة وان سمع قراءة الإمام''۔

یعنی حضرت ابن عمرؓ کا معمول تھا، کہ جب رات کا کھانا اور عشاء کی جماعت دونوں

اکٹھے ہو جائیں تو اگر چہ اقامت اور امام کی قراءت سنتے ہوتے مگر دستر خوان سے نہ اٹھتے یہاں تک کہ فارغ ہو جاتے۔

(سنن أبي داؤد:ج ۱۰/ص ۲۰۳ ؛ الدرر المنتثرة:ج ۱/ص ۵ ؛ الاسرار المرفوعه:ص ٥٤ ؛ المقاصد الحسنة:ص ۳۸ ؛ كشف الخفاء:ج ۱/ص ۸۷ ؛ فتح الباری:ج ۳/ص ۲؛ تذكرة الموضوعات: ج ۱ ص ۱٤۲)

☆☆☆☆☆

(۵) أربع لا يشبعن من أربع أرض من مطر و انثى من ذكر و عين من نظر وعالم من علم.

ترجمہ: چار کو چار سے کبھی سیرابی نہیں ہوتی، زمین کو بارش سے، مونث کو مذکر سے، آنکھ کو دیکھنے سے، اور عالم کو علم سے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ ابن جوزیؒ، ملا علی قاریؒ، علامہ عجلونیؒ اور علامہ طاہر پٹنیؒ اور حافظ ذہبی نے اس روایت کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔

علامہ طاہر پٹنیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت ایسے راویوں سے مروی ہے، جو متہم بالوضع اور متہم بالکذب ہیں۔

امام سخاویؒ نے اس روایت کی تمام سندوں کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ روایت متعدد سندوں سے منقول ہے مگر کوئی سند معتبر نہیں ہے، کیوں کہ ہر سند میں غیر معتبر راوی پایا جاتا ہے۔

پہلی سند: جس کو حاکم نیشاپوریؒ نے اپنی کتاب "تاریخ نیسابور" میں اور ابو نعیمؒ

نے "حلیہ" میں ذکر کیا ہے جو محمد بن الفضل بن عطیہؒ سے گذرتی ہوئی حضرت ابو ہریرہؓ تک پہنچتی ہے مگر محمد بن الفضل پر وضع اور کذب کی تہمت ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے اس کے متعلق فرمایا: " لیس بشيء، حديثه حديث أهل الكذب".

ترجمہ: اس کی کوئی حیثیت نہیں، اس کی حدیث کاذبین کی حدیثوں کے درجہ میں ہے۔

یحیٰی بن معینؒ نے کہا "كان كذابًا "اور یہی بات سعدی اور فلاس نے بھی کہی ہے۔

امام نسائیؒ نے اس کو متروک الحدیث لکھا ہے۔

ابن حبان نے کہا کہ " كان يروي الموضوعات عن الاثبات لا يحل كتب حديثه إلا على سبيل الاعتبار"

یہ شخص ثقہ راویوں کے حوالہ سے موضوع روایات سنایا کرتا تھا جن کا لکھنا جائز نہیں، ہاں اس کی باتیں عبرت اور نصیحت لینے کی غرض سے نقل کی جا سکتی ہیں، مگر ان کو حدیث نہ سمجھا جائے۔

دوسری سند: جس کو امام عقیلیؒ نے اپنی کتاب "الضعفاء" میں نقل کیا ہے، جو محمد بن الحسن بن زبالہ سے چل کر ابو ہریرہؓ پر منتہی ہوتی ہے، مگر محمد بن الحسن بن زبالہ کے متعلق یحیٰی بن معینؒ نے بھی "ليس بثقة" اور کبھی " كان كذابًا" جیسے الفاظ لکھے ہیں؛ اور امام نسائیؒ نے اس کو متروک الحدیث کہا ہے۔

تیسری سند: جس کو ابن عدیؒ نے "الکامل" میں عبد السلام بن عبد القدوس عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشہؓ کے طریق سے نقل کیا ہے، مگر عبد السلام کی وجہ سے یہ روایت منکر ہے، اور ابن الجوزیؒ نے کہا کہ اس میں ایک دوسرا راوی عباس بن الولید الخلال ہے،

جس کے متعلق ابن حبان لکھتے ہیں: "یروی العجائب لا یجوز الاحتجاج به بحال و لا کتب حدیثه الا للاعتبار".

نیز عبدالسلام کے متعلق فرمایا کہ "یروی الموضوعات لا یجوز الاحتجاج به" اور آخر میں فرمایا: "والحدیث موضوع" کہ یہ حدیث من گھڑت اور موضوع ہے۔

ابن عدیؒ لکھتے ہیں کہ ہشام سے نقل کرنے والا تنہا عبدالسلام ہی ہے کوئی متابع نہیں ہے۔

امام عقیلیؒ نے فرمایا کہ " لا یروی هذا الکلام عن رسول الله صلی الله علیه وسلم عن جهة تثبت" یعنی یہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی معتبر سند سے ثابت نہیں۔

اس روایت کو امام ذہبیؒ نے " میزان الاعتدال" میں عبدالسلام بن عبدالقدوس کے ترجمہ کے تحت ذکر کیا ہے پھر حسین بن علوان الکلبی کے ترجمہ کے تحت نقل کر کے طنز کے انداز میں اس کے مکذوب ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے روایت کے آخر میں "عالم من علم" کے بعد "و کذاب من کذب" کا اضافہ کیا ہے اور حسین بن علوان کے متعلق لکھتے ہیں "قال یحیٰی کذاب و قال علي ضعیف جدًا ...... و قال ابو حاتم والنسائي والدارقطني متروک الحدیث وقال ابن حبان کان یضع الحدیث علی هشام وغیره وضعًا لا یحل کتب حدیثه الا علی جهة التعجب، وله عن هشام عن ربیعة عن عائشة مرفوعًا، اربع لا یشبعن عن اربع ...... قلت وکذاب من کذب. (میزان الاعتدال: ج ۱/ص ۵۴۲)

یعنی: یحییٰ بن معین نے اس کو کذاب، علی بن مدینی نے ضعیف جدا، ابو حاتم، نسائی

اور دارقطنی نے متروک الحدیث کہا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ ہشام وغیرہ کے نام حدیثیں گھڑ کر پیش کردیا کرتا تھا، اس کی احادیث کو لینا درست نہیں؛ ہاں اظہار تعجب اور رد وقدح کے لیے اس سے تعرض کیا جا سکتا ہے، اس کی موضوعات ومکذوبات میں سے یہ روایت (اربع لا یشبعن... الخ) بھی ہے جس کو اس نے ہشام کی سند سے حضرت عائشہؓ کے حوالہ سے مرفوعاً گھڑ کر چلتی کردی ہے۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ جس طرح چار کا چار سے پیٹ نہیں بھرتا اسی طرح کذاب کا کذب سے پیٹ نہیں بھرتا۔

☆☆☆☆☆

(٦) أفضل العبادات احمزها

ترجمہ: سب سے افضل عبادت وہ ہے جو سب سے زیادہ مشقت والی ہو۔

حکم: ان الفاظ میں یہ حدیث موضوع ہے۔

تحقیق: ملاعلی قاریؒ، عجلونیؒ، ابن درویشؒ، سیوطیؒ اور سخاویؒ وغیرہم اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

علامہ زرکشیؒ نے فرمایا "لا یعرف"۔ علامہ ابن القیمؒ نے شرح المنازل میں فرمایا: "لا اصل لهٗ"۔

امام مزیؒ فرماتے ہیں "هو من غرائب الاحادیث ولم یرو فی شیء من کتب السنة" یہ ایک عجیب وغریب حدیث ہے جس کا کتب حدیث میں کہیں کوئی پتہ نہیں۔

صاحب "اسنی المطالب" نے لکھا ہے کہ "هو من کلام ابن عباس کما فی النهایة" یہ حدیث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں، بل کہ ابن عباسؓ کا کلام

ہے۔(اسنی المطالب:ص۵۳)

علامہ ابن الاثیرؒ کی نہایہ میں یہ جملہ ابن عباسؓ کی طرف منسوب ہے (دیکھئے النہایہ فی غریب الحدیث باب الحاء مع المیم)۔امام سخاویؒ بھی یہی فرماتے ہیں، نیز فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا "أی الأعمال افضل" کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے ،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "احمزھا" یعنی سب سے افضل عمل وہ ہے جو سب سے مشکل ہو،اس سوال وجواب کے مجموعہ سے کہ "افضل العبادات احمزھا" والی روایت تیار ہوگئی۔

تنبیہ(۱): یہ روایت دو طرح منقول ہے۔

(الف) افضل العبادات احمزھا. (کشف الخفاء: ج۱/ص۱۵۵)

(ب) افضل العبادة احمزھا. (ایضًا)

تنبیہ(۲): اس روایت کا ان الفاظ میں اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت نہیں ہے مگر اس کا مضمون صحیح ہے،اور دوسرے الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت بھی ہے،مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عمرہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اجرک علی قدر نفقتک، أو علی قدر نصبک، أو علی قدر تعبک"۔

اور ایک روایت میں واؤ کے ساتھ وارد ہے" ان لک من الأجر علی قدر نصبک و نفقتک"۔

عبداللہ بن المبارکؒ نے حضرت سفیان ثوریؒ کا ایک قول بھی ان الفاظ میں نقل کیا ہے:"انما الاجر علی قدر الصبر"۔

خلاصہ: معلوم ہوا کہ روایت مذکورہ (افضل العبادات احمزھا) کلام نبوی تو نہیں ہے

مگر اس کا مضمون صحیح ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری احادیث سے ماخوذ ہے۔

(صحیح البخاری و مسلم؛ الا سرار المرفوعة:ص ۶۱ ؛ کشف الخفاء: ج ۱/ص ۱۵۵، ج ۱/ ۴۹؛ اسنی المطالب:ص ۵۳؛ المقاصد الحسنة:ص ۶۹؛ الدرر المنتثرة للسیوطی: ج ۱/ص ۲)

☆☆☆☆☆
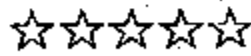
(۷) اللّٰهم أيد الإسلام بأحد العمرين

ترجمہ: اے اللہ اسلام کو قوت پہنچا، دو عمروں (یعنی عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام) میں سے کسی ایک کے ذریعہ۔

حکم: ان الفاظ میں یہ روایت موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ اور شیخ عجلونیؒ وغیرہم نے اس روایت کو موضوع اور بے اصل لکھا ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ "لا أصل له بهذا اللفظ" اس حدیث کی اس لفظ کے ساتھ کوئی اصل موجود نہیں ہے" **و معنى الحديث صحيح ثابت فقد رواه الامام أحمد و الترمذي في جامع وغيرهما عن ابن عمر مرفوعاً بلفظ "اَللّٰهم أيد الإسلام باحب هذين الرجلين اليك بأبي جهل أو عمر بن الخطاب، و في بعض الروايات " اللهم اعز الاسلام بعمر خاصةً "** اس آخری روایت میں صرف عمر کا ذکر ہے، اور عمر کی تخصیص کی وجہ یہ ہوئی کہ جب بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا کہ ابو جہل کی تقدیر میں اسلام نہیں ہے، تو صرف حضرت عمر کے لیے دعا فرماتے تھے، اسی طرح یہ روایت" **بساحب العمرين** " کے لفظ کے ساتھ بھی مروی ہے، مگر یہ روایت بھی ثابت نہیں ہے۔

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: ''قد اشتهر هذا الحديث الآن على الألسنة بلفظ احب العمرين لا اصل له في شيء من طرق الحديث بعد الفحص البالغ ''۔

یعنی یہ حدیث لوگوں کی زبانوں پر ''احب العمرین'' کے لفظ کے ساتھ مشہور ہے، مگر تتبع بلیغ کے بعد بھی کسی سند یا حدیث میں اس کی اصل نہیں ملی۔

(المقاصد الحسنة:ص ۸۷ ؛ الدرر المنتثرة:ج ۱ /ص ۳ ؛ مختصر المقاصد الحسنة.ص ٦٧ ؛ كشف الخفاء:ص ١٨٤؛ الاسرار المرفوعة:ص ٦٨)

☆☆☆☆☆
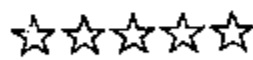
(۸) اللّٰهم اغفر للمعلّمين ثلاثًا و اطل اعمارهم و بارک لهم في كسبهم

ترجمہ: اے اللہ معلّمین کی مغفرت فرمادے (یہ دعا تین مرتبہ فرمائی) اور ان کی عمریں دراز کردے اور ان کی کمائی میں برکت ڈال دے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: معلّمین کے لیے دعاء مغفرت سے متعلق روایت کتب حدیث میں مندرجہ ذیل مختلف الفاظ میں منقول ہے، لیکن ان میں سے کوئی ایک روایت بھی ثابت نہیں ہے، جس کو امام سیوطیؒ نے مفصل بیان فرمایا ہے۔

(۱) ''اللّٰهم اغفر للمعلّمين ثلاثًا و أطل اعمار هم و بارک لهم في كسبهم ''

اس کی سند میں تین راوی غیر معتبر ہیں:

اول: اصرم بن حوشب، دوم: نہشل بن سعید، یہ دونوں کذاب ہیں، اور تیسرا راوی محمد بن علی ہے جو مجہول ہے، اور یہ احادیث منکر کہلاتی ہیں، اس لیے یہ روایت موضوع ہے۔

(۲) اللّٰھم اغفر للمعلمین و اطل اعمارھم و اظلھم تحت ظلک فانھم یعلمون کتابک المنزل"۔

یعنی اے اللہ معلّمین کی مغفرت فرما اوران کو عمر طویل عطا کردے اوران کو اپنے سایہ میں جگہ نصیب فرمادے اس لیے کہ یہ لوگ آپ کی نازل کردہ کتاب قرآن مجید کی تعلیم دیتے ہیں۔

یہ روایت بھی موضوع ہے کیوں کہ اس میں ایک راوی ابوالطیب محمد ابن الفرغانی بن روزبہ مولی المتوکل ہے جو حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔

(۳) عن انسؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اجتمعوا و ارفعوا أیدکم فاجتمعنا و رفعنا أیدنا ثم قال اللّٰھم اغفر للمعلمین کیلا یذھب القرآن واعز العلماء کیلا یذھب الدین۔

ترجمہ: حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! جمع ہوجاؤ اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھاؤ، چناں چہ ہم جمع ہوگئے اور ہم نے دعاء کا ہاتھ بھی اٹھالیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی، "اللّٰھم اغفر للمعلمین کیلا یذھب القرآن واعز العلماء کیلا یذھب الدین" یعنی اے اللہ معلمین کی مغفرت فرما تاکہ قرآن نہ مٹے اور علماء کی عزت فرما تاکہ دین برباد نہ ہو۔

یہ روایت بھی موضوع ہے اس لیے کہ اس کی سند میں چار راوی ساقط الاعتبار ہیں۔

اول: سعدان بن عبدۃ القداحی۔

دوم: اس کا شاگرد احمد بن اسحاق بن یونس یہ دونوں مجہول ہیں۔

سوم: محمد بن دینار بن داؤد الفارسی ہے جو روایت، کذب بیانی سے کیا کرتا تھا۔

چہارم: عبیداللہ بن عبداللہ العتکی ہے جس کے پاس منکر حدیثیں ہوا کرتی تھیں۔

(اللآلی المصنوعة:۱/۱۹۸)

امام سیوطیؒ، علامہ شوکانیؒ، علامہ عجلونیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ، ملا علی قاریؒ، ان تمام محدثین نے ان روایات کو موضوع بتلایا ہے۔

(الفوائد المجموعة: ۱/۲۷٦؛ کشف الخفاء: ۱/۴۸؛ تذکرة الموضوعات:۱/۹۸؛ الاسرار المرفوعة:۱۵ اللآلی المصنوعة۱/۱۹۸)

☆☆☆☆☆
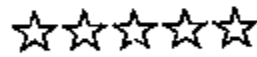
(۹)(الف)انا عند المنكسرة قلوبهم لاجلي

(ب) انا عند المندرسة قبورهم لاجلي

ترجمہ: دونوں رواتیوں کا حاصل یہ ہے کہ میں ان دلوں میں رہتا ہوں جو میری نسبت پر ٹوٹے ٹوٹے سے رہتے ہیں۔

حکم: دونوں موضوع ہیں۔

تحقیق: شیخ عجلونیؒ، ملا علی قاریؒ اور سید بن درویشؒ نے ان دونوں رواتیوں کو موضوع قرار دیا ہے، اسنی المطالب میں ہے کہ "ذكره الغزالي في البداية ولم يسنده"۔

امام غزالیؒ نے یہ روایت "البداية" میں ذکر کی ہے مگر اس کی کوئی سند ذکر نہیں فرمائی۔

(الاسرار المرفوعة:ص ۷۱؛ کشف الخفاء: ج۱/ص۲۰۳/ج۲/ص۳۲۵؛ اسنی المطالب:ص ۷۹)

☆☆☆☆☆
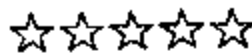
(۱۰) الأنبياء قادة و الفقهاء سادة و مجالستهم زيادة

ترجمہ: انبیاء قائد ہیں، فقہاء سردار ہیں اوران کی صحبت (علم وغیرہ میں) زیادتی کا باعث ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ صغانیؒ، علامہ طیبیؒ، ملاعلی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ، علامہ شوکانیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ نے اس روایت کو موضوع لکھا ہے۔

ملاعلی قاریؒ نے "المصنوع" میں روایت مذکورہ کو نقل فرما کر لکھا کہ "موضوع علی مافی الخلاصه" یعنی یہ روایت موضوع ہے۔ "خلاصه" میں ایسا ہی مذکور ہے۔

"خلاصه" سے مراد شیخ محقق علامہ حسین بن عبداللہ الطیبی کی کتاب "الخلاصة فی معرفة الحدیث" ہے۔

اس میں علامہ طیبیؒ نے امام صغانی کی "الدر الملتقط فی تبیین الغلط" سے استفادہ کرتے ہوئے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔

تنبیہ: شیخ عبدالفتاح ابوغدہ حاشیۂ المصنوع میں تحریر فرماتے ہیں کہ طبرانی کی معجم کبیر، ہیثمی کی مجمع الزوائد اور ابونعیم کی حلیۃ الاولیاء میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول منقول ہے۔ "المتقون سادة والفقهاء قادة ومجالستهم زيادة"

ترجمہ: متقین سردار ہیں، فقہاء قائد ہیں اور ان کی ہم نشینی اضافہ کا سبب ہے۔

یہ کلام اپنی جگہ نہایت قیمتی مبنی برحقیقت اور انتہائی مفید ہے، مگر سچ یہ ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے، حدیث نبوی نہیں ہے۔ شاید اسی کلام کو اصل بنا کر کسی نے قدرے تغیر کے ساتھ ایک جملہ تیار کیا، اور اس کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

منسوب کردیا۔ (المصنوع مع الحاشیة:٦١)

تنبیہ: اسی انداز کی ایک روایت علامہ ابن الجوزیؒ نے اپنی "الــمــوضــوعــات" میں تحریر فرما کر اس کو بھی موضوع قرار دیا ہے۔ چناں چہ لکھتے ہیں۔

"عن أنس بن مالک قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الأنبیاء سادة أهل الجنة والعلماء قواد اهل الجنة وأهل القرآن عرفاء اهل الجنة".

یعنی انبیاء کرام علیہ السلام اہل جنت کے سردار ہیں، اور علماء اہل جنت کے قائد ہیں، اور اہل قرآن اہل جنت کے نمائندے ہیں۔

اس روایت کے متعلق علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ "هذا حدیث لایصح" یہ بھی بے اصل و بے سند ہے۔

(کشف الخفاء:٢٠٥، تذکرة الموضوعات:١/١٨؛ الخلاصة الطیبي؛ الدر الملتقط للصغاني؛ الاسرار المرفوعة:٤٧؛ الفوائد المجموعة:١/٢٨٤؛ الموضوعات ٢/٢٥٧،٤=٢)

☆☆☆☆☆
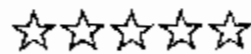
(١١) انفق ما فی الجیب یأتک ما فی الغیب

ترجمہ: جیب کا خزانہ خرچ کرو تو تمہارے پاس غیب کا خزانہ آئے گا۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ، علامہ عجلونیؒ اور امام سخاویؒ نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

علامہ عجلونیؒ لکھتے ہیں کہ "لیس بحدیث لکنه یقرب من معنی الحدیث المتقدم المتفق علیه، انفق انفق علیک و قوله تعالٰی و ما انفقتم من شیء فهو یخلفه"۔ (کشف: ج١/ص٢١٢)

یہ روایت، حدیث نہیں ہے، لیکن ایک متفق علیہ حدیث انفق انفق علیک (خرچ کرو تو میں تمہارے اوپر خرچ کروں گا) اور آیت کریمہ: و ما انفقتم من شیء فهو یخلفه (جو کچھ تم خرچ کروگے اللہ تعالیٰ اس کا بدل تم کو عطا فرمائیں گے) سے اس روایت کا مضمون ملتا جلتا ہے۔

علامہ عجلونیؒ نے یہ بھی لکھا کہ یحیٰ بن معاذ رازی کسی سفر میں خرچ کے تعلق سے متفکر تھے کسی ہاتف غیبی نے آواز دی جس کو ان کے قلب نے محسوس کیا کہ "انفق ما فی الجیب نعطیک من الغیب" ملا علی قاریؒ نے بھی " الاسرار المرفوعة: ج ا/ص ۷۲" میں یہی بات لکھی ہے: "لا اصل لمبناه ولکن معناه صحیح"۔

یعنی ان الفاظ میں یہ روایت تو حدیث نہیں ہے، لیکن اس کا مضمون صحیح ہے۔

(المقاصد الحسنة: ص ۱۰۵؛ الاسرار المرفوعة: ص ۷۲؛ کشف الخفاء: ج ۱/ص ۲۱۲)

☆☆☆☆☆

(۱۲) ان أهل الجنة ليحتاجون إلى العلماء في الجنة وذلك انهم يزورون الله في كل جمعة فيقول تمنوا على ماشئتم فيلتفتون إلى العلماء فيقولون ماذا نتمنّٰى على ربنا فيقولون كذا وكذا فهم يحتاجون إليهم في الجنة كما يحتاجون إليهم في الدنيا

ترجمہ: بے شک اہل جنت جنت میں بھی علماء کرام کے محتاج ہوں گے، ہر جمعہ کو جنتیوں کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی، اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے اہل جنت! تمہارے جی میں جو

آئے مجھ سے مانگ لو، سارے لوگ علماء کی طرف رجوع کریں گے اور ان سے سوال کریں گے اب ہم اپنے رب سے کس نعمت کی تمنا کریں، تو یہ علماء ان کی رہنمائی فرمائیں گے کہ فلاں فلاں نعمت کا سوال کرو پس عوام جس طرح دنیا میں علماء کے محتاج ہیں جنت میں بھی ان کے محتاج ہوں گے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ، ابن السید درویشؒ، شیخ عجلونیؒ، علامہ البانیؒ، علامہ پٹنیؒ، امام ذہبیؒ وغیرہم نے اس حدیث کے موضوع ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

شیخ البانیؒ ''سلسلة الاحاديث الضعيفة: ١٥٧/٧ '' میں لکھتے ہیں:

''أخرجه الديلمي وابن عساكر وابن الدواليبي في فضل العلم و فضل حملته من طريق مجاشع بن عمرو عن محمد بن الزبر قان عن مقاتل ابن حيان عن الزبير عن جابر بن عبد الله مرفوعًا''.

قلت: وهذا اسناد موضوع، آفته مجاشع هذا، قال ابن معين قد رأيتهُ أحد الكذابين.

قلت: وذكر له في ''الميزان'' و''اللسان'' من موضوعاته هذا الحديث.

و من العجائب ان السيوطي اورد هذا الحديث في ''الجامع الصغير'' من رواية ابن عساكر مع انه اورده ايضًا في ''ذيل الأحاديث الموضوعة'' من طريق الديلمي وقال عقبه قال في ''الميزان'' هذا موضوع و مجاشع قال فيه ابن معين أحد الكذابين ''. (السلسلة الضعيفة: ١٩٦/٦)

یعنی: اس روایت کو دیلمیؒ، ابن عساکر اور ابن دوالیبی نے علم اور اہل علم کی فضیلت

کے تحت ذکر کیا ہے، اور اس کی سند اس طرح بیان کی ہے "مجاشع بن عمرو عن محمد بن الزبر قان عن مقاتل ابن حیان عن ابی الزبیر عن جابر بن عبد اللّٰہ مرفوعا" میں (البانی) کہتا ہوں کہ یہ من گھڑت سند ہے اور اس میں آفت مجاشع ہے۔ ابن معین نے کہا میں اس کو "کذابین" میں سمجھتا ہوں اسی طرح یہ روایت "میزان الاعتدال" اور "لسان المیزان" میں موضوعات میں شمار کی گئی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ امام سیوطیؒ نے "الجامع الصغیر" میں اس حدیث کو ابن عساکر کی سند سے ذکر فرمایا ہے، اور دیلمیؒ کے حوالہ سے "ذیل الأحادیث الموضوعة" میں اس حدیث کو لکھنے کے بعد کہتے ہیں کہ علامہ ذہبیؒ نے اس حدیث کو میزان میں موضوع کہا؛ اس کی سند میں مجاشع ہے جس کے بارے میں یحی بن معینؒ نے بتلایا کہ وہ کذابین میں سے ایک کذاب ہے۔

اسی طرح شیخ البانیؒ نے "صحیح وضعیف الجامع الصغیر: ۱۱/۸۹" پر بھی اس روایت کو موضوع بتلایا ہے۔

شیخ ابن السید درویش بھی "اسنی المطالب: ۶۵" میں لکھتے ہیں:

"فیه مجاشع بن عمرو قال یحی هو احد الکذابین وقال الذهبی موضوع راوی کتاب الاهوال والقیامة وکله کذب".

یعنی اس میں مجاشع بن عمرو ہے جس کے بارے میں ابن معین نے کہا ہے کہ جھوٹوں میں سے ایک ہے۔۔۔۔حافظ ذہبیؒ نے بھی موضوع کہا ہے۔۔۔۔۔کتاب الاہوال والقیامۃ کو روایت کرنے والا شخص ہے جو پوری کی پوری جھوٹ ہے۔

شیخ عجلونیؒ اور شیخ طاہر پٹنیؒ نے بھی اس حدیث کو نقل فرما کر لکھا ہے کہ "قال القاری ذکر فی المیزان انه موضوع"۔

یعنی: ملا علیؒ کا کہنا ہے کہ امام ذہبیؒ نے یہ روایت میزان الاعتدال میں ذکر کی ہے اور فرمایا کہ یہ روایت موضوع ہے۔

الغرض! یہ روایت موضوع ہے، اس کی سند میں مجاشع بن عمرو واقع ہے جس کو ابن معین نے کذاب، عقیلی نے "**حدیثه منکر**" اور امام بخاریؒ نے "**منکر مجهول**" کہا ہے۔

(السلسلة الضعيفة:٦/١٩٦؛ اسنى المطالب:٦٥؛ المصنوع:٦٤؛
ميزان الاعتدال:٣/٤٣٦؛ تذكرة الموضوعات:١/١٨)

☆☆☆☆☆

(۱۳) ان العالم والمتعلم إذا مرا على قرية فان اللّٰه تعالٰى يرفع العذاب عن مقبرة تلك القرية أربعين يومًا

ترجمہ: دین کے کسی عالم یا متعلم کا کسی بستی پر گذر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بستی کے قبرستان سے چالیس دن کے لیے عذاب اٹھا لیتے ہیں۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ عجلونیؒ، ملا علی قاریؒ اور امام سیوطیؒ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ "**لا أصل له**" اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(المصنوع:ص٦٥؛ الاسرار المرفوعة:ص٧٤؛ كشف الخفاء:ج١/ص٢٥٦)

(۱۴) إن الله يقبل الصلوٰة على النبی صلى اللّٰه عليه وسلم

اس کی تحقیق کے لیے دیکھئے: "**الصلوة على النبی لا ترد**" حدیث نمبر ۳۸۔

☆☆☆☆☆

(۱۵) (الف) ان للّٰہ مدینة تحت العرش من مسک اذفر علی بابها تلک ینادی کل یوم ألامَن زار عالمًا فقد زارالرب و من زار الرب فله الجنة.

(ب)ان للّٰہ مدینة تحت العرش من مسک اذفر علی بابها تلک ینادی کل یوم الامن زار العلماء فقد زار الأنبیاء.

ترجمہ: عرش کے نیچے عمدہ مشک سے سجا ہوا اللہ تعالیٰ کا ایک شہر ہے جس کے دروازے پر روزانہ آواز دی جاتی ہے کہ جس شخص نے کسی عالم کی زیارت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی زیارت کی، اور جس نے اللہ تعالیٰ کی زیارت کی اس کو جنت نصیب ہوگئی۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ جس نے علماء کی زیارت کی اس نے انبیائے کرام کی زیارت کی۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ عجلونیؒ نے (کشف الخفاء:۱/۲۵۳) میں اس روایت کو موضوعات میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ "کذب موضوع کما نقله ابن حجر المکیؒ عن السیوطیؒ" یعنی یہ روایت موضوع اور جھوٹ ہے، ابن حجر مکیؒ نے امام سیوطیؒ سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

(۱۶) ان المیت یری النار فی بیته سبعة أیام

ترجمہ: مردہ اپنے گھر میں سات دن تک آگ دیکھتا ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام احمدؒ، امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، ابن السید درویشؒ، امام سیوطیؒ، شیخ عجلونیؒ، شیخ ابن عبدالباقی الزرقانیؒ۔ نے اس روایت کو موضوع لکھا ہے۔

امام سخاویؒ نے اس کو موضوع اور باطل قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:

"قال البیهقی فی مناقب الإمام: قال أحمد ابن منیع: سئل عنه احمد فقال باطل لا أصل له، و هو بدعة، قلت و ینظر معناه، وقد اخرجه ابوداؤد فی سننه عن عائشة قالت: لمامات النجاشی کنا نتحدث انه لا یزال علی قبره نور".

یعنی امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے مناقب میں امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ ابن منیعؒ نے بتلایا کہ امام احمدؒ سے روایت مذکورہ کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ یہ روایت باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور یہ ایک نو پید روایت ہے۔ میں (سخاوی) کہتا ہوں کہ اس روایت کے مفہوم میں غور کرنا چاہیے۔...... امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جب نجاشی کا انتقال ہوا اور دفن کر دیئے گئے تو ہمارے درمیان اس بات کا چرچا رہا کہ ان کی قبر پر مسلسل نور سایہ فگن رہا۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

”قال المنوفی: کلام مظلم، و واضعه مجرم، قبح اللّٰہ من وضعه، و لا برد مضجعه“۔

یعنی شیخ منوفیؒ نے اس روایت کے متعلق فرمایا کہ یہ ظلمت آلود کلام ہے، اس کا وضع کرنے والا مجرم ہے، اللہ اس کو رسوا کرے جس نے اس کو وضع کیا ہے اور اس کی قبر کو ٹھنڈی نہ کرے۔

امام سیوطیؒ نے بھی ”الدرر المنتثرۃ “میں یہی لکھا ہے کہ ”قال أحمد: باطل لا اصل له“ امام احمدؒ نے فرمایا کہ یہ باطل اور بے اصل ہے۔

روایت کا مطلب کیا ہے؟ اس کے متعلق امام سخاویؒ تو صرف اتنا کہہ کر گذر گئے کہ ”ینظر معناہ“ اس کی مراد میں غور کیا جائے، لیکن شیخ عجلونیؒ نے لکھا کہ ”واقول لعل المراد ببیته قبرہ“۔

یعنی بیت سے مراد قبر ہے اور مطلب یہ ہے کہ میت اپنی قبر میں سات دن تک آگ دیکھتا ہے اور غالباً امام سخاویؒ کے خیال میں بھی یہی مراد ہے اسی لیے اس کی تردید میں قبر پر نازل ہونے والے نور کا ذکر فرمایا، اور حدیث عائشہؓ سے اس کی طرف اشارہ فرمایا۔

(الدرر المنتثرۃ: ۱/۲۳؛ المقاصد الحسنۃ: ۱۳۰؛ کشف الخفاء: ۱/۲۵۵؛ مختصر المقاصد: ۷۷؛ اسنی المطالب: ۷۳؛ الأسرار المرفوعۃ: ۸۰؛ المصنوع: ۶۹؛ سنن ابو داؤد)
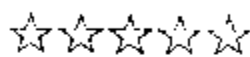
☆☆☆☆☆

(۱۷) عن ابن عمر قیل لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم أین اللّٰہ فی الأرض أو فی السماء؟ قال فی قلوب عباده المؤمنین.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اللہ کہاں ہے زمین میں یا آسمان میں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ مومن

بندوں کے قلوب میں ہیں۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے امام غزالیؒ نے "احیاء علوم الدین" میں ذکر کی ہے، مگر علامہ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ "لم ارله اصلا" یعنی مجھے اس کی اصل نہیں ملی۔

حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث بے سند اور بے اصل ہے۔ (تخریج أحادیث الأحیاء:۶/۳)

☆☆☆☆☆

(۱۸) البطنة أصل الداء و الحمية أصل الدواء

اس کی تحقیق کے لیے دیکھئے "المعدة بیت کل داء" حدیث نمبر ۱۷۔

☆☆☆☆☆

(۱۹) البطنة تذهب الفطنة

ترجمہ: شکم پُری قوت فہم کو کمزور کردیتی ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ اور صاحب اسنی المطالب وغیرہم؛ اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت نہیں ہے، بل کہ صحابی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے یہ کلام منقول ہے۔

ملا علی قاریؒ "الاسرار المرفوعة" میں لکھتے ہیں: "لیس له اصل فی مبناه و هو عن عمرو بن العاص وغیره من الصحابة فمن بعدهم بمعناه"۔

اور ''المصنوع'' (ص۷۷) میں لکھتے ہیں: '' ليس بحديث انما هو من كلام عمرو بن العاص وغيره''۔

''اسنى المطالب'' ص۹۱ میں ہے ''هو اثر ليس بحديث''.

(اللؤلؤ المرصوع: ج۱/ص ۶۲؛ المقاصد الحسنة: ص ۱۴۵؛ اسنى المطالب: ص ۹۱؛ المصنوع: ص ۷۷؛ كشف: ج ۱/ص ۲۸۶)

☆☆☆☆☆
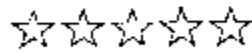
(۲۰) التائب حبيب الله

ترجمہ: توبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا پیارا ہوتا ہے۔

حکم: ان الفاظ میں یہ روایت موضوع ہے۔

تحقیق: اس روایت کو امام غزالیؒ نے احیاء میں نقل فرمایا ہے، مگر علامہ عراقیؒ نے اس کی تخریج میں فرمایا کہ بعینہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے، کتب حدیث میں اس کا کوئی پتہ ونشان نہیں، ہاں اس سے قدرے میل کھاتی ہوئی روایتیں ملتی ہیں مثلاً:

(الف) ان الله يحب الشاب التائب رواه ابن أبي الدنيا و أبو الشيخ عن انس رضى الله تعالىٰ عنه.

یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ نوجوانی میں توبہ کرنے والے کو محبوب رکھتے ہیں۔

(ب) ان الله يحب العبد المؤمن المفتن التواب.

یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ اس مومن بندے سے محبت کرتے ہیں جو حالات وابتلاءات سے دوچار رہو اور توبہ کرتے والا ہو۔ (رواه عبد الله بن أحمد في زوائد المسند وأبي يعلى)

ان دونوں حدیثوں سے روایت مذکورہ کے مضمون پر روشنی پڑتی ہے مگر یہ روایت

حدیث نبوی نہیں ہے؛ اور یہ دونوں حدیثیں بھی ضعیف سند سے مروی ہیں۔

(تخریج الاحیاء: ج ٤/ص ٢)

شیخ البانی ''سلسلة الأحاديث الضعيفة: ١/١٧٢ ''میں لکھتے ہیں۔

''لا اصل له بهذا اللفظ وقد اورده الغزالی فی الاحیاء جازمًا بنسبته إلی النبی صلی الله علیه وسلم وقال الشیخ تاج الدین السبکی فی الطبقات لم اجد له اسنادا''. (السلسلة الضعيفة: ١/١٧٢)

یعنی: اس لفظ میں اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے، امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں یقین کے ساتھ اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے، مگر شیخ تاج الدین سبکیؒ نے ''الطبقات'' میں لکھا ہے کہ مجھے اس حدیث کی کوئی سند نہیں ملی۔

☆☆☆☆☆

(٢١)(الف)تفكر ساعة خير من عبادة سنة
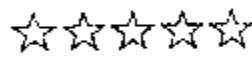
(ب)فكر ساعة خير من عبادة ستين سنة

یعنی تھوڑی دیر غور وفکر میں رہنا ایک سال (یا ساٹھ سال) کی عبادت سے بہتر ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: شیخ عجلونیؒ، ملا علی قاریؒ، شوکانیؒ اور ابن الجوزیؒ یہ تمام محدثین اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں ''ليس بحديث انما هو من كلام السری السقطی رحمه الله''. یہ روایت حدیث نبوی نہیں ہے، بل کہ شیخ سری سقطی البغدادیؒ کا کلام ہے۔

(المصنوع: ٨٢)

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں" رواه أبو الشيخ عن أبي هريرة مرفوعًا و في اسناده عثمان بن عبد الله القرشي واسحاق بن نجيح الملطي كذابان و المتهم به احدهما و قد رواه الديلمي من حديث انس من وجه آخر".

(الفوائد المجموعة:۲۴۲)

یعنی اس روایت کو ابو الشیخ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔اس کی سند میں عثمان بن عبداللہ القرشی اور اسحاق بن نجیح الملطی دونوں کذاب ہیں؛ ان میں سے ایک اس حدیث کے وضع میں متہم ہے۔

شیخ عراقیؒ تخریج احیاء میں لکھتے ہیں کہ شیخ ابو المنصور دیلمیؒ نے مسند الفردوس میں حضرت انسؓ سے مرفوعاً یہ روایت ذکر کی ہے، جس میں ستین سنہ کے بجائے ثمانین سنہ کا لفظ وارد ہے، مگر اس کی اسناد بہت ہی زیادہ ضعیف ہیں۔

تخریج احادیث احیاء؛ کشف الخفاء:ج۲/ص۳۶۹؛ الموضوعات:ج۳/ص۱۴۴؛

الاسرار:ص۹۷؛ المصنوع:ص۸۲؛ الفوائد المجموعة:ج۱ص۲۴۲)

تنبیہ(۱): روایت مذکور کا حدیث ہونا تو ثابت نہیں، البتہ خود تفکرِ خیر کا خیر ہونا اپنی جگہ مسلم اور ثابت ہے۔

امام غزالیؒ نے فرمایا کہ کسی عمل کے وجود میں آنے کے لیے کل تین مراحل ہیں:

اول تفکر، دوم علم، سوم حال، ان مراحل سے گذر کر آدمی عمل کا اقدام کرتا ہے، اسی بنیاد پر تفکر خیر کی اسلام میں بہت ہی اہمیت ہے، قرآن وحدیث میں جگہ جگہ اس کی دعوت دی گئی ہے۔

تنبیہ(۲): تفکر کی اہمیت پر مشتمل کئی دوسری روایات وارد ہیں، جو گرچہ ضعیف سند کے ساتھ ہیں مگر ثابت ہیں۔

(الف)عن عبد اللّٰه بن سلام قال خرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على ناس من اصحابه وهم يتفكرون فى خلق اللّٰه، فقال لهم فيما كنتم تفكرون؟ قالوا: نتفكر فى خلق اللّٰه، قال وتفكروا فى خلق اللّٰه، فان ربنا خلق ملكا قدماه السابعة السفلى و رأسه قد جاوز أسماء العليا من بين قدميه إلى كعبيه مسيرة ستمأة عام، ومابين كعبيه الى اخمص قدميه مسيرة ستمأة عام ، الخالق اعظم من المخلوق. (رواه ابو نعيم فى الحلية،المقاصد:ص ۱۵۹)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سلام سے مروی ہے،فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ میں سے چندلوگوں کے پاس سے گذر ہوا، وہ اللہ کی مخلوق کے بارےمیں سوچ رہے تھے، آپ نے ان سے فرمایا: کس چیز کے بارے میں تم سوچ رہے تھے؟ صحابہ نے کہا اللہ کی مخلوق کے متعلق سوچ رہے تھے، آپ نے فرمایا اللہ کی مخلوق کے تعلق سے غور وفکر کیا کرو کیوں کہ ہمارے رب نے ایک ایسا فرشتہ پیدا کیا ہے جس کے دونوں پیر کے نیچے ساتویں زمین ہے اوراس کا سرآسمان بریں سے متجاوز ہے، اس کے پیر سے ٹخنوں تک کی مسافت چھ سوسال کی ہے، اورٹخنوں سے تلوؤں تک کی مسافت (بھی) چھ سو برس کی ہے؛ خالق مخلوق سے بڑا ہے۔

(ب) عن ابن عمر مرفوعًا (ان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال تفكروا فى آلاء اللّٰه ولا تفكروا فى اللّٰه" رواه الطبرانى فى الاوسط و البيهقى فى الشعب . (المقاصد الحسنة:۱۵۹) اس کی سند میں وازع بن نافع ہےاوروہ متروک ہے۔(مجمع الزوائد:ج۱/ص ۸۱)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے متعلق غور وفکر کرتے رہا کرو، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں نہ سوچا کرو۔

(ج)عن ابن عباس "انه صلی اللّٰه علیه وسلم خرج علی اصحابه فقال ماجمعکم فقالوا اجتمعنا نذکر ربنا ونتفکر فی عظمته فقال تفکروا فی خلق اللّٰه فانکم لن تقدروا قدره". رواه ابو نعیم. (المقاصد الحسنۃ: ص ۱۵۹)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے پاس سے گذرے تو پوچھا کہ کیوں اکٹھا ہوئے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم لوگ جمع ہوکر اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کے تعلق سے غور وفکر کررہے تھے؛ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ کی مخلوق کے متعلق سوچا کرو، اللہ تعالیٰ کی قدر ومنزلت تک تمہاری عقل کی رسائی نہیں ہوسکتی۔

(د) حضرت ابن عباسؓ سے موقوفاً بھی اس قسم کی روایت منقول ہے یعنی ابن عباس کا قول ہے "تفکروا فی کل شیء ولا تفکروا فی اللّٰه". (المقاصد الحسنۃ: ص ۱۵۹)

ترجمہ: ہر چیز کے بارے میں سوچا کرو لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں نہ سوچا کرو۔

(ہ) حضرت ابن عباسؓ اور ابوالدرداءؓ کا ایک اور اثر مروی ہے، جس کو خطابی نے نقل کیا کہ ان حضرات نے فرمایا کہ فکرة ساعة خیر من قیام لیلة. (الاسرار: ص ۹۷)

☆☆☆☆☆

(۲۲) الجزاء من جنس العمل

ترجمہ: عمل کا بدلہ عمل کی جنس سے چکایا جاتا ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ ابن الدیبعؒ، شیخ عجلونیؒ، صاحب اسنی المطالبؒ اور صاحب مختصر المقاصد شیخ ابن عبدالباقی الزرقانیؒ ان تمام محدثین نے اس روایت کے موضوع ہونے کی صراحت کی ہے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: قال السخاویؒ: لم اقف علیہ بھذا اللفظ و یشیر إلیہ قولہ تعالٰی: "وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم بہ" و جزاء سیئة سیئةٌ؛ و کما تدین تدان".

امام سخاویؒ نے فرمایا کہ میں ان الفاظ میں اس حدیث سے واقف نہیں، یعنی یہ حدیث موضوع ہے، آیت کریمہ: "و ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم" (اور اگر تم سزا دو تو اسی انداز میں سزا دو جس انداز میں تم کو سزا دی گئی ہے۔ اور "جزاء سیئة سیئة" (برائی کا بدلہ برائی ہے) اور حدیث شریف: "کما تدین تدان" (جیسا کرو گے ویسا تمہارے ساتھ کیا جاوے گا) ان نصوص سے روایت مذکورہ بالا (الجزاء من جنس العمل) کے مضمون کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

"کشف الخفاء: ۱/۳۳۲" میں ہے: "قال فی التمییز لم اقف علیہ بھذا اللفظ".

یعنی شیخ ابن الدیبعؒ نے بھی "تمییز الطیب من الخبیث" میں یہی فرمایا کہ میں اس لفظ کے ساتھ کوئی حدیث نہیں جانتا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ روایت احادیث نبویہ علی صاحبہا التحیۃ کی قبیل سے نہیں ہے، لیکن اس کا مضمون درست ہے، جو قرآن پاک کی بعض آیات اور بعض احادیث کے مطابق ہے۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک قول بھی اسی کے ہم معنی منقول ہے جس کو ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں نقل فرمایا ہے۔ چناں چہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا" الناس مجزیون باعمالھم ان خیرا فخیر وان شرًا فشر"۔

یعنی: لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا ان کے اعمال بھلے ہوں گے تو بدلہ بھی بھلی شکل میں ہوگا اور اگر اعمال برے ہوں گے تو بدلہ بھی بری صورت میں ظاہر ہوگا۔

(المقاصد الحسنۃ:۱۷۳؛ الاسرار المرفوعۃ:۳۰۱؛ اسنی المطالب:۱۰۱؛ کشف الخفا:۱/۳۳۲؛ مختصر المقاصد:۹۲)

☆☆☆☆☆
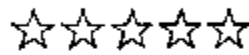
(۲۳) حب الوطن من الإيمان

ترجمہ: وطن کی محبت ایمان کا جزو ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ، زرکشیؒ، سخاویؒ، عجلونیؒ، صغانیؒ، سیوطیؒ اور علامہ پٹنیؒ وغیرہم ان تمام حضرات کے نزدیک یہ روایت من گھڑت بے اصل اور بے سند ہے۔

ملاعلی قاریؒ "الاسرار المرفوعة" میں لکھتے ہیں:"قال الزرکشی: لم اقف علیه، و قال السید معین الدین الصفوی لیس بثابت، قال السخاوی لم اقف علیه و معناه صحیح، و قال المنوفی: ما ادعاه من صحة معناه عجیب، و قال الصغانی موضوع وقال العجلونی: وقال النجم "لیس بحدیث" " وقال السیوطی فی الدرر المنتثرة فی الأحادیث المشتهرة: ج ۱ /ص ۹ / لم اقف علیه".

یعنی: امام زرکشیؒ نے فرمایا کہ مجھے اس حدیث کی خبر نہیں۔......سید معین الدین صفوی نے کہا کہ ثابت نہیں ہے۔......امام سخاویؒ نے فرمایا کہ میں اس حدیث سے واقف نہیں لیکن اس کا مضمون صحیح ہے۔......شیخ منوفی فرماتے ہیں کہ اس کے مضمون کی صحت کا دعوی کرنا ایک عجیب بات ہے۔......امام صغانیؒ نے اس کو موضوع کہا ہے۔......اور شیخ عجلونیؒ نے لکھا کہ شیخ النجم نے فرمایا کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔......امام سیوطیؒ نے فرمایا مجھے اس حدیث کی خبر نہیں۔

خلاصہ یہ کہ" حب الوطن من الایمان" کلام نبوی نہیں ہے، اور اس مضمون کی کوئی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد نہیں فرمائی ہے، رہ گئی یہ بات کہ اس کا مضمون صحیح ہے تو یہ بھی مختلف فیہ ہے، جیسا کہ معلوم ہوا کہ امام سخاویؒ اور شیخ منوفیؒ کے درمیان اس میں اختلاف ہے، مگر اس کے موضوع اور من گھڑت ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

لہٰذا ایسی روایت کے بیان کرنے سے بچنا واجب ہے۔

(المقاصد الحسنة:ص۱۸۳؛ الاسرار المرفوعة:ص۱۰۹؛ المصنوع:ص۹۹؛ موضوعات الصغانی: ج ۱/ص ۲؛ الدرر المنتثرة : ج۱ص۹/ کشف الخفاء: ج ۱/ ص ۳۴۵؛ تذکرة الموضوعات: ج ۱/ص ۱۱)

☆☆☆☆☆

(۲۴)حب الهرة من الإيمان

ترجمہ: بلی کی محبت ایمان کا جزو ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ، علامہ طاہر پٹنی، علامہ عجلونی، شیخ ابن السید درویش، ابن الخلیل طرابلسی اور علامہ ابوالفضل مقدسی نے موضوع قرار دیا ہے۔

(موضوعات الصنعانی: ۱/۲؛ الأسرار المرفوعة: ص ۱۱۱؛ المصنوع: ص ۹۱؛ تذکرة الموضوعات: ج ۱/ص ۱۱۱؛ کشف الخفاء: ج ۱/ص ۳۴۷؛ اسنی المطالب: ص ۱۰۳؛ اللؤلؤ و المرصوع: ج ۱/ص ۷۲؛ تذکرة الموضوعات للمقدسی: ۱/۵۴)

الاسرار المرفوعة میں ہے: **موضوع كما قال الصغاني وغيرهٗ و قد بسطت عليه بعض الكلام في رسالة مستقلة لتحقيق المرام، و الصحيح في تقديره "من خصال أهل الإيمان" و هو لا ينافي ما اتصف به بعض أهل الكفران كسائر مكارم الاحسان و لا يقدر من علامة الإيمان.** (ص ۱۱۱)

یعنی: ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ موضوع ہے جیسا کہ صغانیؒ وغیرہ کی تحقیق ہے، میں نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس کی صحیح تقدیر عبارت ہے: "**من خصال أهل الإيمان**" (بلی سے محبت کرنا اہل ایمان کے اخلاق میں سے ہے) اب اگر بعض اہل کفر اس سے متصف ہوں تو اس میں کوئی منافاۃ نہیں ہے، جس طرح دیگر احکامِ اخلاق کے وہ اصلاً مومنین کے خصال میں سے ہیں مگر کفار بھی اس سے متصف ہوتے ہیں۔ یہاں "**من علامة الإيمان**" مقدر نہیں مانا جائے گا۔

(۲۵) الحبیب لا یعذب حبیبه

ترجمہ: دوست اپنے دوست کو تکلیف نہیں دیتا ہے۔

حکم: ان الفاظ میں یہ روایت موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاری، شیخ عجلونی اور امام سخاوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

امام سخاویؒ لکھتے ہیں کہ" ما علمته في المرفوع و لكن قد يشير إليه قوله تعالٰی "و قالت اليهود والنصارى نحن أبناء الله وأحباء ه قل فلم يعذبكم بذنوبكم"۔ (مائدہ: آیت ۱۸)

یعنی: مجھے اس کا حدیث نبوی ہونا معلوم نہیں مگر آیت پاک:"و قالت اليهود و النصارى نحن ابناء الله واحباء ه قل فلم يعذبكم بذنوبكم" سے اس کے مضمون کا اشارہ ملتا ہے۔ یعنی یہود و نصاری نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں تو اے نبی! آپ ذرا ان سے پوچھئے کہ پھر اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے جرائم کی سزا کیوں دیتا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ روایت حدیث تو نہیں ہے، مگر آیت مذکورہ سے اس روایت کے مضمون کا صحیح ہونا سمجھ میں آتا ہے کیوں کہ آیت میں یہ بتلایا گیا؟ اگر یہود و نصاری اپنے دعوی و خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے تو پھر اللہ تعالیٰ ان کو تکلیف نہ دیتا یعنی کوئی دوست اپنے دوست کو تکلیف نہیں دیا کرتا اور یہی بات روایت مذکورہ "الحبیب لا یعذب حبیبه" میں بھی کہی گئی ہے۔

ملا علی قاریؒ نے بھی امام سخاویؒ کے حوالے سے یہی بات کہی ہے کہ اس کا حدیث ہونا ثابت نہیں مگر اس کا مضمون صحیح ہے۔

امام عجلونیؒ نے کشف الخفاء میں دو روایتیں ذکر فرمائی ہیں جو مضمون کی صحت کو بتلاتی ہیں۔

(الف) عن انس مر النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فی نفر من اصحابه، و صبی فی الطریق، فلما رأت امه القوم خشیت علی ولدها ان یوطأ، فاقبلت تسعی و تقول ابنی ابنی! فسعت فأخذته، فقال القوم: یارسول الله ما کانت هٰذه لتلقی ولدها فی النار، فقال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: لا، واللّٰہ ولا یلقی حبیب حبیبه فی النار. (مسند احمد)

یعنی: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ ایک جگہ سے گذر رہے تھے راستہ میں ایک بچہ تھا، اس کی ماں نے جب لوگوں کا ہجوم دیکھا تو دوڑ کر اس کو بچانے کے لیے آئی کہ کوئی اس کو کچل نہ دے، اور کہنے لگی یہ میرا بیٹا ہے میرا بیٹا! اور لپک کر اس کو گود میں لے لیا، صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا یہ خاتون اپنے بچہ کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "و لا یلقی حبیب حبیبه فی النار" کوئی دوست اپنے دوست کو آگ میں ہرگز نہیں ڈالتا۔

(ب) عن الحسن مرسلاً......

واللّٰہ لا یعذب اللّٰہ حبیبه ولکن قد یبتلیه فی الدنیا۔ (الزهد لإمام احمد)

یعنی: حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو عذاب نہیں دیتے لیکن کبھی کبھی اس دنیا میں اس کی آزمائش ضرور فرماتے ہیں۔

(المقاصد الحسنة: ص ۱۸۲؛ کشف الخفاء: ج ۱/ص ۳۴٤؛ الاسرار المرفوعة: ص ۱۰۸)

☆☆☆☆☆

(۲۶) حسنوا نوافلکم فبها تکمل فرائضکم

ترجمہ: اپنی نفل نمازیں سنوار کر پڑھو کیوں کہ ان ہی کے ذریعہ تمہارے فرائض کی کمی پوری کی جائے گی۔

حکم: ان الفاظ میں یہ روایت موضوع ہے۔

تحقیق: ، ملا علیؒ قاری، شیخ عجلونیؒ اور علامہ سخاویؒ وغیرہم نے اس کو بے اصل اور بے سند قرار دیا ہے۔

ملا علی قاریؒ الاسرار: ص۱۱۳ر میں تحریر فرماتے ہیں: "لا اصل له بهذا المبنٰى و ان كان يصح في المعنى" ان الفاظ میں اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے مگر معنی ومضمون صحیح ہے۔ اور المصنوع: ص۹۴ر پر فرماتے ہیں: " لا أصل له بهذااللفظ"۔

اس کے حاشیہ میں شیخ عبدالفتاحؒ لکھتے ہیں کہ ملا علی قاریؒ کی عبارت میں اشارہ ہے کہ اس کا مضمون حدیث میں وارد ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے، کیوں کہ حضرت تمیم داریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اول ما يحاسب به العبد يوم القيامة صلوته فان كان اتمها كتبت له تامة وان لم يكن له اتمها قال الله تعالٰى لملائكته انظروا هل تجدون لعبدى من تطوع فتكملون بها فريضته ثم الزكاة كذالك ثم سائر الاعمال على حسب ذلك"۔ (رواه الإمام احمد وابوداؤد، وابن ماجه وغيرهم؛ المصنوع: ص ۹٤)

یعنی: قیامت کے دن سب سے پہلے بندوں کی فرض نماز کا حساب ہوگا اگر وہ پوری ثابت ہوئی تو پوری لکھ دی جائے گی اور اگر ناقص نکلی تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے کہ

دیکھو! میرے بندے کے پاس کوئی نفلی ذخیرہ ہے یا نہیں؟ اگر ہوگا تو اس کے ذریعہ سے اس کی فرض نمازوں کی کمی پوری کی جائے گی، پھر زکوۃ اور دوسرے اعمال کا بھی اسی انداز پر حساب ہوگا۔

اسی طرح امام دیلمیؒ نے "عبد اللّٰہ بن یرفا اللیثي عن ابیه عن جده" کی سند سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "النافلة هاية المؤمن إلى ربه فليحسن أحدكم هديته و ليطيبها"۔

یعنی: نفلی عبادت مومن کی طرف سے حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں ہدیہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے ہر شخص کو اپنا یہ ہدیہ سجا، سنوار کر پیش کرنا چاہیے۔

ان تمام نقول ونصوص سے معلوم ہوا کہ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے اور احادیث سے ثابت ہے کہ نوافل سے فرائض کی کمی پوری کی جائے گی مگر "حسنوا نوافلكم فبها تكمل فريضتكم" کا کلام نبوی ہونا ثابت نہیں ہے۔

(الأسرار المرفوعة:ص۱۱۳؛ المصنوع:ص۹٤؛ المقاصد الحسنة:ص۸۸؛ كشف الخفاء ج۱/ص۳۵۸)

☆☆☆☆☆

(۲۷) الخمول نعمة و كل يأباها
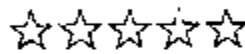
ترجمہ: گمنامی ایک نعمت ہے مگر ہر شخص اس کو ناپسند کرتا ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ یہ حضرات اس کے موضوع ہونے کی تصریح کرتے ہیں، کشف الخفاء میں ہے: "ليس بحديث و انما هو عن بعض السلف. ثم ثبت معناه عند أحمد و مسلم عن سعد مرفوعًا ان اللّٰه يحب العبد التقي

الغنی الخفی"۔ (کشف الخفاء:۱/۳۸۳)

یعنی "الخمول نعمۃ و کل یاباھا" حدیث نہیں ہے، اسلاف میں کسی کا قول ہے۔

ہاں خمول (گمنامی) کے متعلق ایک حدیث مرفوع امام احمدؒ اور امام مسلمؒ نے ذکر فرمائی ہے وہ ثابت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ کو محبوب رکھتے ہیں جو متقی ہو، غنی ہو اور گمنام ہو۔

تنبیہ: اسی کے قریب ایک دوسری روایت اس طرح مشہور ہے "**الخمول راحۃ و الشھرۃ آفۃ**" یعنی گمنامی راحت ہے اور شہرت آفت ہے، مگر یہ روایت بھی حدیث نہیں ہے، بل کہ کلام مشائخ کے قبیل سے ہے۔

شیخ عجلونیؒ اور ملا علی قاریؒ نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے، کشف الخفاء میں ہے کہ ابن الغرسؒ نے فرمایا کہ میں نے بعض تعلیقات میں یہ زیادتی پائی " **و الشھرۃ نقمۃ و کل یتوخاھا**" یعنی شہرت مصیبت ہے لیکن ہر ایک اس کا دیوانہ ہے، مگر یہ بھی حدیث مرفوع نہیں ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ احادیث میں اور اسلاف کے کلام میں شہرت اور اس کی طلب سے بچنے کی تاکید وارد ہے۔

ابراہیم بن ادہمؒ کے متعلق ہے "**کان یتحری الخفاء و یھرب من الشھرۃ**" یعنی گمنام رہنے کی فکر کرتے تھے اور شہرت سے بھاگتے تھے، نیز ان ہی کا یہ ملفوظ بھی ہے کہ "**حب لقاء الناس من حب الدنیا و ترکھم من ترک الدنیا**" لوگوں سے ملاقات کی محبت، دنیا کی محبت کا ایک حصہ ہے، اور لوگوں سے ملاقات کا ترک، دنیا کے ترک کے قبیل سے ہے۔ (المقاصد الحسنۃ:۲۰۲؛ الأسرار المرفوعۃ:۱۷۶؛ المصنوع:۹۹؛ کشف الخفاء:۱/۳۸۳؛ مختصر المقاصد الحسنۃ:۲۰۱)

(۲۸) دعاء الوالد لولده مثل دعاء النبی لأمته

ترجمہ:باپ کی دعاءاولاد کے لیےایسی ہے جیسے نبی کی دعاءاپنی امت کے لیے۔

حکم:موضوع ہے۔

تحقیق:امام احمدؒ،امام سیوطیؒ،ابن عراق کنانیؒ،ابن الجوزیؒ،شیخ عجلونیؒ اور علامہ طاہر پٹنیؒ یہ تمام محدثین اس روایت کوموضوع اور باطل قرار دیتے ہیں۔

علامہ ابن الجوزی "الموضوعات: ج ۲/ص ۲۸۰" میں لکھتے ہیں کہ"قال أحمد بن حنبلؒ "هذا حديث باطل منكر وسعيد ليس حديثه بشيء"۔

ابن عراق کنانیؒ نے لکھا"رواه يحيى بن سعيد القطان عن سعيد بن حبيب الأزدي وهو مجهول. عن يزيد الرقاشي عن انس قال أحمد بن حنبلؒ: حديث باطل منكر وسعيد ليس بشيء"۔

ان دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وسلم نے اس روایت کو باطل اور منکر قرار دیا ہے،اور وجہ یہ کہ اس کی سند میں سعید بن حبیب ازدی ہے جو مجروح ہے،اوراس کی حدیثیں ساقط الاعتبار ہیں۔محدثین کی زبان پروہ "مجھول" اور "ليس بشيء" ہے۔

(اللآلی المصنوعة: ج ۲/ص ۲۹۵؛ کشف الخفاء: ج ۱/ص ۴۰۵؛ تذکرة الموضوعات: ج ۱/ص ۲۰۲؛ تنزيه الشريعة: ج ۲/ص ۲۸۲)

☆☆☆☆☆

(۲۹) الدنیا مزرعة الآخرة

ترجمہ: دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ، امام صغانیؒ، علامہ پٹنیؒ اور شیخ عراقیؒ یہ سبھی حضرات اس روایت کو موضوع کہتے ہیں۔

علامہ طاہر پٹنیؒ لکھتے ہیں: ''الدنیا مزرعة الآخرة موضوع، و فی المختصر لم یوجد بهذا للفظ''. (تذکرة الموضوعات: ج۱/ص۱۷٤)

یعنی ''الدنیا مزرعة الآخرة'' موضوع حدیث ہے، اور مختصر میں ہے کہ ان الفاظ میں یہ حدیث ثابت نہیں۔

امام سخاویؒ فرماتے ہیں: ''لم اقف علیه مع ایراد الغزالی فی الأحیاء''.

(المقاصد الحسنة: ص ۲۱۷)

یعنی اس روایت کو امام غزالیؒ نے اگر چہ احیاء میں لکھا ہے مگر مجھے اس کی خبر نہیں۔

علامہ عراقیؒ لکھتے ہیں کہ ''لم أجده بهذا اللفظ مرفوعا''.

(تخریج احیاء: ج۸/ص۸۷)

یعنی مجھے یہ روایت ان الفاظ میں حدیث مرفوع کی حیثیت سے نہیں ملی۔

تنبیہ (۱): یہ روایت تو ثابت نہیں ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ہے، جس کو حدیث کہا جا سکے، لیکن ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مضمون صحیح ہے، اور آیت پاک ''من کان یرید حرث الآخرة نزد له فی حرثه'' سے اس کا مضمون ماخوذ ہے۔ یعنی جو

آخرت کی کھیتی چاہتا ہے تو ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیتے ہیں۔

تنبیہ (۲): اس روایت کے مضمون سے میل کھاتی ہوئی ایک دوسری روایت ملتی ہے، جس کو عقیلیؒ نے "ضعفاء" میں اور ابن لالؒ نے "مکارم الاخلاق" میں، طارق بن اُشیم کی سند سے مرفوعاً نقل فرمایا ہے۔ وہ روایت یہ ہے:

"نعم الدار الدنیا لمن تزود منها لآخرته" یعنی دار دنیا اس آدمی کے لیے کتنی بہتر چیز ہے، جو اس کے ذریعہ اپنی آخرت کی تیاری کرے۔

حاکم ابوعبداللہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، مگر امام ذہبیؒ نے فرمایا کہ اس میں ایک راوی عبدالجبار ہے جو غیر معروف ہے اس لیے یہ روایت منکر ہے، اور ظاہر ہے، ذہبی کے مقابلہ میں حاکم کی تصحیح معتبر نہیں۔

(موضوعات الصغانی: ج۱/ص۳؛ المقاصد الحسنة: ص۴۴۷،
تذکرة الموضوعات: ج۱/ص۱۷۴ تخریج الاحیاء: ج۸/ص۸۷، الاسرار المرفوعة:
المصنوع: ص۱۰۱؛ کشف الخفاء: ج۱/ص۴۱۲؛ اسنی المطالب: ص۱۲۱)

☆☆☆☆☆
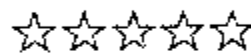
(۳۰) (الف) ریق المؤمن شفاء (ب) سؤر المؤمن شفاء

ترجمہ: مومن کے لعاب میں شفاء ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، ابن السید درویش، علامہ عراقی اور شیخ عجلونیؒ یہ تمام محدثین اس روایت کو بے اصل قرار دیتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ المصنوع: ص۱۱۰ پر لکھتے ہیں: "قال العراقی هكذا اشتهر على

الألسنة و لا أصل لـه بهذا اللفظ" یعنی شیخ عراقیؒ نے فرمایا کہ یہ روایت اسی طرح لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے، مگر اس کی ان الفاظ میں کوئی اصل نہیں ہے۔

ابن السید درویشؒ صاحب "اسنی المطالب" نے بھی یہی لکھا ہے کہ "لیس بحدیث" یہ جملہ، حدیث نبوی نہیں ہے۔

تنبیہ: یہ روایت اگرچہ ان الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، مگر اس کا مضمون صحیح ہے اور روایات معتبرہ سے ثابت ہے، مثلاً امام سخاویؒ نے لکھا کہ صحیحین کی ایک روایت میں مروی ہے۔

" انه صلى الله عليه وسلم كان اذا اشتكى الانسان الشيء أو كانت به قرحة او جرح قال باصبعه يعني سبابته الأرض ثم رفعها وقال بسم الله تربة ارضنا بريقة بعضنا أي ببصاق بني آدم يشفى سقيمنا باذن ربنا ...... الحديث"

یعنی: جب کسی آدمی کو کوئی مرض یا زخم وغیرہ لگتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی مبارک زمین پر لگاتے پھر اٹھا کر یہ پڑھتے "**بسم الله تربة أرضنا بريقة بعضنا يشفى سقيمنا باذن ربنا. .....**

اسی طرح ایک دوسری روایت امام سخاویؒ نے دارقطنیؒ کے حوالے سے نقل فرمائی ہے کہ "**عن ابن عباس رفعه: من التواضع ان يشرب الرجل من سؤر أخيه**".

یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مرفوعاً نقل فرمایا ہے کہ انسانی اخلاق (تواضع) کی بات ہے کہ آدمی اپنے بھائی کا چھوڑا ہوا جھوٹا پانی پیئے۔

پہلی روایت میں انسان کے لعاب کو شفاء کا ذریعہ کہا گیا ہے۔

اور دوسری روایت میں مومن کا لعاب پینے کو اخلاق حسنہ میں شمار کیا گیا ہے، اب

دونوں کے مجموعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مومن کا لعاب پینا چاہیے اس میں شفاء مضمر ہے، شاید انہیں باتوں کے پیش نظر کسی نے ''سؤر المؤمن شفاءٌ'' اور ''ریق المؤمن شفاءٌ'' جیسے جملوں کو حدیث کہہ دیا ہے۔

(المقاصد الحسنة: ص ۲۲۱؛ الأسرار المرفوعة: ص ۱۲۹؛ المصنوع: ص ۱۱۰؛ اسنى المطالب: ص ۱۲۷؛ كشف الخفاء: ج ۱/ص ۴۳۶)

☆☆☆☆☆
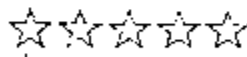
(۳۱) زكاة الأرض يبسها

ترجمہ: زمین کی پاکی اس کا خشک ہو جانا ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، امام زرکشیؒ، ملا علی قاریؒ، امام سیوطیؒ، ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ زیلعیؒ شیخ عجلونیؒ اور صاحبؒ اسنی المطالب؛ یہ بھی حضرات اس روایت کو موضوع کہتے ہیں اور حدیث نبوی ہونے کا انکار کرتے ہیں اور صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ یہ روایت ''زكاة الأرض يبسها'' کلام نبوی نہیں ہے، بل کہ محمد بن الحنفیہ یا ابو جعفر محمد بن علی الباقر یا ابو قلابہ کا قول ہے۔

امام سیوطیؒ نے ''الدرر المنثورة'' میں، ابن حجرؒ نے ''الدراية'' میں، ملا علی قاریؒ نے ''الاسرار'' میں اور شیخ عجلونیؒ نے ''کشف الخفاء'' میں لکھا ہے کہ اگرچہ صاحب ہدایہ علامہ مرغینانیؒ نے اس کو حدیث کہا ہے، اور اس سے استدلال کیا ہے، مگر یہ حدیث نہیں ہے۔

امام سخاویؒ لکھتے ہیں: ''احتج به الحنفية ولا اصل له في المرفوع، نعم ذكره ابن أبي شيبة موقوفا عن أبي جعفر محمد بن علي الباقر، وعن ابن الحنفية، وأبي قلابة، بلفظ اذاجفت الارض فقد زكت وقول ابن الحنفية

عند ابن جرير في تهذيبه أيضًا. و قول أبي قلابة رواه عبد الرزاق أيضًا بلفظ جفوف الارض طهورهَا"۔

علامہ زیلعیؒ نے "نصب الراية في تخريج احاديث الهدايه" میں لکھا کہ "احتج به الحنفية و لا أصل له في المرفوع نعم ذكره ابن أبي شيبة موقوفا عن ابي جعفر على الباقرؒ رواه عبد الرزاق عن ابي قلابة من قوله بلفظ جفوف الارض طهورها"۔

صاحب تبیین الحقائق بحوالہ صاحب فتح القدیر علامہ ابن الہمامؒ لکھتے ہیں کہ:

وحديث "ذكاة الأرض يبسها" ذكره بعض المشائخ اثرًا عن عائشة، و بعضهم عن محمد بن الحنفية، و كذا رواه ابن أبي شيبة عنه و رواه أيضًا عن أبي قلابة، و روى عبد الرزاق عنه جفوف الأرض طهورهَا و رفعه المصنف۔ (تبين الحقائق شرح كنز الدقائق: ج ۱/ص ۲۳۹)

عبارات مذکورہ سے تین باتیں مستفاد ہوتی ہیں:

(۱) روایت مذکورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے۔

(۲) یہ روایت مرفوع نہیں بل کہ موقوف ہے، ابوجعفر، یا ابن الحنفیۃ، یا ابوقلابہ کا قول ہے۔

(۳) یہ روایت اگرچہ لفظاً کلام نبوی نہیں ہے، مگر معناً اس کا مضمون صحیح ہے یعنی زمین کا خشک ہوجانے سے پاک ہونا صحیح ہے لیکن اس کے پیچھے دلائل دوسرے ہیں نہ کہ یہ روایت۔

(المقاصد الحسنة ص ۲۲۰؛ الاسرار المرفوعة: ص ۱۲٤؛ الدرر المنتثرة: ص ۱۱، نصب الراية: ص ٦۲؛ كشف الخفاء/ تلخيص: ج ۱ ص ۱٦٦؛ تبيين الحقائق: ج ۱/ ص ۲۳۹)

☆☆☆☆☆

(۳۲) (الف) سین بلال عند اللّٰہ شین

(ب)ان بلالا کان یبدل الشین فی الأذان سینًا

ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان میں شین کو سین پڑھا کرتے تھے، یعنی شین کی ادائیگی پر قادر نہیں تھے۔

حکم : بے سند غیر معتبر اور موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، امام سیوطیؒ، عجلونیؒ، طاہر پٹنیؒ اور سید ابن درویشؒ نے اس روایت کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں" انه ليس له اصل ولا يصح " اسی طرح شیخ برہان سفاقسیؒ نے نقل کیا ہے کہ علامہ مزیؒ نے فرمایا کہ یہ روایت جو حضرت بلالؓ کے متعلق مشہور ہے ہم کو کسی کتاب میں نہیں ملی ۔(الاسرار المرفوعة: ۷۳)

امام سخاویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ابن قدامہؒ نے "المغنی" میں لکھا ہے کہ حضرت بلالؓ "اشھد" کی جگہ" اسھد" کہا کرتے تھے۔

مگر یہ بات صحیح نہیں کیوں کہ حضرت بلالؓ بلند آواز، حسن الصوت، فصیح اللسان تھے، ان کے ترجمہ میں متعدد علماء نے تصریح کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے مسئلہ میں خواب دیکھنے والے صحابی حضرت عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اذان کے یہ کلمات جو تم کو خواب میں بتلائے گئے ہیں، بلال کو بتلاؤ، اس لیے کہ وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہے۔

نیز اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت بلالؓ شین کی ادائیگی پر قادر نہیں تھے تو کس قدر

قابل تعجب بات ہوگی کہ اذان جیسے اہم کلمات شرعیہ کی پکار کے لیے صحابۂ کرامؓ کی پوری جماعت میں انتخاب کیا گیا، تو ایسے شخص کا نام آیا جس کی زبان وتلفظ میں عیب تھا۔

نیز اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ حضرت بلالؓ شین کی ادائیگی پر قادر نہیں تھے، تو یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر یہ بات سچ ہوتی تو ایک، دو تو کیا کثیر تعداد میں روایات اس سلسلہ میں منقول ہوتیں، خصوصاً مخالفین اسلام تو خوب اچھالتے، اور استہزاء وتمسخر کرتے مگر اس قسم کی کوئی ایک روایت بھی موجود نہیں، معلوم ہوا کہ یہ حدیث بے سند غیر معتبر اور موضوع ہے۔

(مقاصد:ص ۲۴۷؛ الاسرار المرفوعة:ص ۷۳؛ کشف الخفاء:ج ۱/ص ۲۶۳، ص ۲۶۴؛ تذکرة الموضوعات:ج ۱/ص ۱۰۱؛ المصنوع:ص ۱۱۳؛ اسنی المطالب:ص ۱۳۴)

علامہ عجلونیؒ نے "کشف الخفاء" میں لکھا ہے کہ علامہ ابراہیم الناجیؒ فرماتے ہیں کہ "واشهد بالله ان سيدنا بلالا ما قال اسهد بالسين المهملة قط كماوقع لابن قدامة في مغنيه وقلده ابن اخيه الشيخ ابن عمر شمس الدين في شرح كتابه المقنع ورد عليه الحفاظ...... كما بسطته في ذكر مؤذنيه بل كان بلال من افصح الناس وانداهم صوتا......" (کشف:ج ۱/ص ۴۶۵)

یعنی ...... میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی بھی سین مہملہ کے ساتھ "اسهد" نہیں کہا، جیسا کہ ابن قدامہ کی "المغني" میں اور ان کے اتباع میں شیخ ابن عمر شمس الدین کی "المقنع" میں مذکور ہے، اس خیال کی حفاظ حدیث نے تردید فرمائی ہے، بل کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ فصیح اللسان اور بلند آواز انسان تھے۔

☆☆☆☆☆

(۳۳۳)الشیخ فی قومه کالنبی فی أمته

ترجمہ: شیخ کی اپنی قوم میں وہی حیثیت ہوتی ہے جو نبی کی اپنی امت میں ہوتی ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

الفاظ روایت: یہ روایت مختلف الفاظ میں نقل کی جاتی ہے۔

(الف) الشیخ فی قومه کالنبی فی امته.

(ب) الشیخ فی جماعته کالنبی فی قومه یتعلمون من علمه ویتأدبون من ادبه.

(ج) الشیخ فی أهله کالنبی فی امته.

(د) الشیخ فی بیته کالنبی فی قومه.

تحقیق: امام سخاویؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، شیخ ابن تیمیہؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ، امام سیوطیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ اور شیخ ابن درویشؒ یہ سارے حضرات اس روایت کو غیر ثابت، بے اصل اور موضوع قرار دیتے ہیں۔

امام سیوطیؒ "الدرر المنتشرة" ۱۲/۱ رمیں اس کو نقل کرنے کے بعد "لا أصل له" لکھتے ہیں۔ اور "مقاصد حسنه" میں امام سخاویؒ لکھتے ہیں "**وممن جزم بکونه موضوعا شیخنا ومن قبله التقی ابن تیمیة: فقال انه لیس من کلام النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و أنما یقوله بعض اهل العلم ..... وکل ذلک باطل**"۔

یعنی جن محدثین نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے ان میں ہمارے شیخ (ابن حجر عسقلانیؒ) بھی ہیں اور ان سے پہلے علامہ ابن تیمیہؒ بھی ہیں، جنہوں نے فرمایا کہ یہ

روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے، ہاں بعض اہلِ علم سے اس قسم کا قول منقول ہے، مگر یہ قول باطل ہے۔

(الاسرار المرفوعة:ص ١٤٤؛ المقاصد الحسنة:ص ٢٥٧؛ المصنوع:ص ١١٥؛ كشف الخفاء:ج ٢/ص ١٧، ص ٢٤٣؛ تذكرة الموضوعات:ج ١/ص ٢٠؛ اسنى المطالب:ص ١٤٠)

تنبیہ: خلاصہ یہ ہوا کہ مذکورہ روایت کا حدیث ہونا ثابت نہیں مگر علماء ومشائخ کی فضیلت وعظمت اپنی جگہ مسلم ہے جو دوسری نصوص سے مبرہن ومحقق ہے، منجملہ ان کے "العلماء ورثة الأنبياء" بہت قوی اور واضح حدیث ہے۔

(۳۴) صغروا الخبز و أكثروا عدده يبارك لكم فيه

ترجمہ: روٹی کے لقمے چھوٹے چھوٹے بناؤ اور اس کا عدد بڑھاؤ تو اس میں تم کو برکت ملے گی۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ ابن الجوزیؒ، امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ اور علامہ طاہر پٹنیؒ وغیرہم اس روایت کو غیر ثابت اور بے اصل قرار دیتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں "اسناده واهٍ و قد ذكره ابن الجوزي في الموضوعات و قال الزركشي حديث الامر بتصغير اللقمة وتدقيق المضغة قال النووي لا يصح". (الاسرار المرفوعة:ص ١٤٦)

ترجمہ: اس کی سند کمزور ہے، ابن الجوزیؒ نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے، اور امام زرکشیؒ فرماتے ہیں کہ امام نووی نے فرمایا کہ تصغیر لقمہ اور تدقیق مضغہ والی حدیث ثابت نہیں ہے۔

علامہ ابن الجوزیؒ لکھتے ہیں کہ "هذا حديث موضوع على رسول الله صلى الله عليه وسلم والمتهم به جابر بن سليم قال أبو الفتح الأزدي هو لايكتب حديثه". (الموضوعات: ج۲/ص ۱۹۵)

یعنی یہ حدیث موضوع ہے، گھڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی گئی ہے، اور اس میں متہم راوی جابر بن سلیم ہے جس کے متعلق شیخ ابوالفتح ازدی کا کہنا ہے کہ اس کی حدیثیں نہیں لکھی جانی چاہئیں۔

نیز ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ اسی سے ملتی جلتی ایک دوسری حدیث اس طرح نقل کی جاتی ہے۔

"البركة في صغر القرص وطول الرشا وصغر الجدول قال أبو عبد الرحمن النسائي هذا الحديث كذب". (الموضوعات: ج۲/ص ۱۹۵)

یعنی: برکت چھوٹی روٹی، لمبی رسی، اور چھوٹی نالی میں ہے، مگر امام ابوعبدالرحمن نسائی نے فرمایا کہ یہ حدیث جھوٹی ہے۔

شیخ عجلونیؒ نے شیخ ابن الغرسؒ کے حوالہ سے لکھا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ میں نے یہ بات تلاش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روٹی چھوٹی ہوا کرتی تھی یا بڑی تو مجھے اس کے متعلق کوئی بات معلوم نہ ہو سکی۔

(كشف الخفاء: ج۲/ص ۲۵؛ المقاصد الحسنة: ص ۲۶۲؛ الاسرار المرفوعة: ص ۱٤٦

المصنوع: ص ۱۱۸؛ الموضوعات: ج۲ ص ۱۹۵؛ تذكرة الموضوعات: ج۱ ص ۱٤۳

اسنى المطالب: ص ۱٤۲؛ كنز العمال: ج۱۵/ص ۲٤٦

☆☆☆☆☆

(۳۵)صلوۃ بخاتم تعدل سبعین بغیر خاتم

ترجمہ:انگوٹھی کے ساتھ ایک نماز بغیر انگوٹھی کے ستر نمازوں کے برابر ہے۔

حکم:موضوع ہے۔

تحقیق:ملاعلی قاریؒ، امام سخاویؒ، ابن حجر عسقلانیؒ، عجلونیؒ، شیخ ابن درویشؒ اور شوکانیؒ یہ سبھی حضرات اس حدیث کو موضوع کہتے ہیں۔

امام سخاویؒ لکھتے ہیں:''صلوۃ بخاتم تعدل سبعین بغیر خاتم هو موضوع کما قال شیخنا'' ۔یعنی روایت مذکورہ موضوع ہے ہمارے شیخ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہی فرمایا ہے۔

(المقاصد الحسنة: ص۲۶۳؛ تذکرة الموضوعات: ص۱۵۸؛ اسنی المطالب: ص۱۴۲، الاسرار المرفوعة: ص۱۴۷، المصنوع: ص۱۱۸، کشف: ج۲ ص۲۵)

(۳۶) (الف) صلوۃ بعمامة تعدل خمسًا و عشرین صلوةً و جمعة بعمامة تعدل سبعین جمعة

ترجمہ:عمامہ کے ساتھ ایک نماز (بغیر عمامہ کی) پچیس نمازوں کے برابر ہے اور ایک جمعہ عمامہ کے ساتھ (بغیر عمامہ کے) ستر جمعہ کے برابر ہے۔

(ب)الصلوۃ فی العمامة بعشرة آلاف

ترجمہ:عمامہ کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز دس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔

حکم:دونوں روایتیں موضوع ہیں۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ، امام سخاویؒ، عجلونیؒ، طاہر پٹنیؒ اور شوکانیؒ وغیرہم اس روایت کو موضوع بتلاتے ہیں۔

علامہ طاہر پٹنیؒ "تذکرۃ الموضوعات" میں لکھتے ہیں کہ ایک روایت حضرت ابن عمرؓ کے حوالہ سے نقل کی جاتی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"یا بنی احب العمامۃ یا بنی اعتم تبجل وتکرم وتوقر. و لا یراک الشیطان إلا ولّی هاربا سمعت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یقول ان صلوۃ بعمامۃ تعدل خمسًا و عشرین صلوۃ بغیر عمامۃ وجمعۃ بعمامۃ تعدل سبعین جمعۃ بغیر عمامۃ ان الملائکۃ لیشهدون الجمعۃ معتمین ولا یزالون یصلون علی أصحاب العمائم حتی تغرب الشمس".

قال ابن حجر موضوع. فیه عباس بن کثیر لم ارله ذکرًا فی الغرباء و فیه غیره قلت أخرجه ابن عساکر و الدیلمی قال المذنب فیه ایضًا العباس المذکور. (تذکرۃ الموضوعات ج۱/ص۱۵٦)

یعنی اے بیٹے عمامہ کو پسند کر، اے بیٹے عمامہ باندھا کر تو عزت واکرام اور وقار حاصل ہوگا اور شیطان تم کو دیکھے گا تو پیٹھ پھیر کر بھاگے گا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک نماز عمامہ کے ساتھ بغیر عمامہ کے پچیس نمازوں کے برابر ہے؛ اور ایک جمعہ عمامہ کے ساتھ بغیر عمامہ کے ستر جمعہ کے برابر ہے، جمعہ کی نماز میں ملائکہ بھی عمامہ باندھ کر حاضر ہوتے ہیں، اور عمامہ والے مصلیوں کے لیے غروب شمس تک دعاء رحمت کرتے رہتے ہیں۔

مگر بقول حافظ ابن حجر عسقلانیؒ یہ روایت موضوع ہے کیوں کہ اس کی سند میں عباس بن کثیر آیا ہے، جو غیر معتبر راوی ہے۔

نیز علامہ طاہر پٹنیؒ نے لکھا کہ "الصلوۃ فی العمامة عشرة آلاف" والی روایت بھی موضوع ہے، اس کی سند میں ایک راوی ابان آیا ہے، جو متہم ہے۔

(تذکرۃ الموضوعات: ج ۱/ص ۱۸۵؛ کشف: ج ۲/ص ۷۷٤ و ج ۲/ص ۵۹۰؛ الفوائد المجموعة: ج ۱/ص ۱۸۷؛ الاسرار المرفوعة: ص ۱٤۷؛ المصنوع: ص ۱۱۸؛ المقاصد: ص ۲٦۳)

☆☆☆☆☆

(۳۷) الصلوۃ خلف العالم بأربعة آلاف و أربع مأة و أربعين صلوة

ترجمہ: عالم کے پیچھے ایک نماز چار ہزار چار سو چالیس نمازوں کے برابر ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ نے مقاصد حسنہ میں اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ "هو باطل كما قال شيخنا" یعنی یہ حدیث باطل ہے جیسا کہ ہمارے شیخ (ابن حجرؒ) نے فرمایا ہے؛ علامہ شوکانیؒ، شیخ عجلونیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ اور ملا علی قاریؒ ان تمام حضرات کے نزدیک یہ حدیث بے سند، بے اصل اور باطل ہے، البتہ علماء کی امامت کی اہمیت کے متعلق کچھ روایات ضرور ثابت ہیں جو "من صلى خلف عالم تقي......" کے تحت لکھی جائیں گی۔

(المقاصد الحسنة: ص ۲٦٦؛ الاسرار المرفوعة: ص ۱٤۷؛ المصنوع: ص ۱۱۹؛ تذکرۃ المضوعات: ۱ص ۲۰؛ کشف: ج ۲ص ۲۹ / ۲ص ۵۹۷؛ الفوائد: ج ۱/ص ۲۸٦)

☆☆☆☆☆

(۳۸) (الف) الصلوة علی النبی لا ترد

(ب)الصلوةعلی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مقبولة

(ج)ان اللّٰہ یقبل الصلوة علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم

ترجمہ: ان تمام روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا جانے والا درود کبھی مردود نہیں ہوتا، بل کہ مقبول ہی ہوتا ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، علامہ عراقیؒ، ملا علی قاریؒ اور شیخ عجلونی وغیرہم نے اس حدیث کو موضوع بتلایا ہے۔

امام سخاوی لکھتے ہیں کہ اس روایت کو امام غزالیؒ نے "احیاء علوم الدین: ۱/ ۳۰۹" میں حدیث مرفوع کی حیثیت سے ذکر فرمایا ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے، اور مجھے اس حدیث کی خبر نہیں ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں:

"ھو من کلام أبی سلیمان الدارانی و لفظہٗ الصلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقبولة". (المقاصد الحسنة: ص٢٦٦)

یعنی یہ جملہ ابو سلیمان دارانیؒ کا کلام ہے، اور انہوں نے یوں فرمایا ہے: "الصلوة علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مقبولة".

یعنی ہر درود اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہی ہوتا ہے مردود نہیں ہوتا۔

نیز ملا علی قاریؒ نے تحریر فرمایا کہ علامہ ابن الجزریؒ کی حصن حصین کی تصریح کے مطابق شیخ ابو سلیمان دارانیؒ کے کلام کے الفاظ یہ ہیں:

"اذا سالت اللّٰه حاجة فابدأه بالصلوة على النبى صلى اللّٰه عليه وسلم ثم ادع بما شئت ثم اختم بالصلوة عليه فان اللّٰه سبحانه بكرمه يقبل الصلوتين و هو اكرم من ان يدع مابينهما". (الاسرار المرفوعة:ص ۱۴۹)

یعنی جب تم کسی ضرورت کے حل کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو دعاء کی ابتدا اور انتہا میں درود پڑھ لیا کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ دونوں درودوں کو ضرور قبول فرمائیں گے تو ان کی شان کریمی سے ہٹ کر یہ بات ہوگی کہ ابتداء وانتہاء کو تو قبول فرمائیں اور درمیان کی دعا کو رد فرمادیں۔

اسی طرح بقول امام سخاویؒ وملا علی قاریؒ یہ روایت حضرت ابوالدرداءؓ سے موقوفاً منقول ہے، یعنی خود ابوالدرداءؓ کا کلام ہونا تو ثابت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہونا ثابت نہیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "اذا سألتم اللّٰه فابدؤا بالصلوٰة على النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فان اللّٰه اكرم من ان يسأل حاجتين فيقضى أحدهما ويرد الاخرى". (المقاصد الحسنة:ص ۲۶۶ ؛ الاسرار المرفوعة: ص ۱۵۰)

یعنی: جب تم اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال کرو تو پہلے درود پڑھو یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نزولِ رحمت کی دعا کرو پھر اپنی ضرورت کا سوال کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کریم ہیں یہ ہو نہیں سکتا کہ اس کے سامنے دو سوال ایک ساتھ رکھے جائیں وہ ایک کو قبول کرے اور دوسرے کو رد کردے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت حضرت ابوالدرداء اور شیخ ابوسلیمان دارانیؒ کا کلام ہے، حدیث نبوی نہیں، اس لیے امام سخاویؒ فرماتے ہیں "ممالم اقف عليه" یہ ان روایاتِ موضوعہ میں سے ہیں جس کا حدیث ہونا ہمیں معلوم نہیں۔

(۳۹) صلاۃ النہار عجماء

ترجمہ: دن کی نمازیں گونگی ہوتی ہیں (یعنی جہری نہیں ہیں)۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ سخاویؒ، امام نوویؒ، ملا علی قاریؒ، امام دارقطنیؒ، امام زرکشیؒ، امام سیوطیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ اور علامہ زیلعیؒ یہ تمام محدثین اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

امام سخاویؒ فرماتے ہیں کہ امام نوویؒ نے "شرح المهذب" میں جهر بالقرأة کی بحث میں لکھا ہے کہ:

"انه باطل لا اصل له و كذا قال الدارقطني لم يرو عن النبي صلى الله عليه وسلم وانما هو من قول بعض الفقهاء" (المقاصد الحسنة: ص ۲۶۵)

یہ روایت باطل ہے، اس کی اصل نہیں ہے، اور یہی بات امام دارقطنیؒ نے بھی فرمائی کہ اس کا ثبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے، بل کہ کسی فقیہ کا قول ہے۔

پھر امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ اور علامہ زیلعیؒ وغیرہم نے محقق کیا ہے کہ یہ روایت "صلاۃ النہار عجماء" حسن بصریؒ، ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعودؓ یا مجاہدؒ کا قول ہے۔

تنبیہ: روایت مذکورہ تو حدیث نہیں ہے مگر اس کا مضمون دوسری روایات سے ثابت ہے یعنی یہ بات صحیح اور ثابت ہے کہ دن کی نمازوں میں (سوائے جمعہ وعیدین کے) قراءت سراً کی جائے گی اس اعتبار سے دیکھا جائے تو دن کی نمازیں گونگی ہوئیں۔

(الاسرار المرفوعة: ص ۱۴۸/ المصنوع: ص ۱۱۹/ المقاصد الحسنة: ص ۲۶۵/ الدرر المنتثرة: ج ۱ ص ۱۲/ تذكرة الموضوعات: ۱ ص ۳۸/ نصب الراية في تخريج احاديث الهداية: ص ۴۳۲)

(۴۰) عرضت علی أعمال امتی فوجدت منها المقبول و المردود إلا الصلوٰۃ علی

ترجمہ: میرے سامنے میری اِمت کے اعمال پیش کئے گئے تو میں نے ان میں سے بعض کو مقبول پایا اور بعض کو مردود، سوائے درود، کہ وہ کل کا کل مقبول ہی ہوتا ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ نے اس روایت کے متعلق فرمایا کہ ''لم اقف لہ علی سند ''میں اس کی کسی سند سے واقف نہیں ہوں۔

امام سیوطیؒ بھی اس کے حدیث ہونے کا انکار کرتے ہیں، نیز فرماتے ہیں یہ مضمون کلام نبوی تو نہیں مگر حضرت ابوالدرداءؓ اور شیخ سلیمان دارانیؒ کے کلام میں ایسا مضمون وارد ہوا ہے۔ جیسا کہ ''الصلوۃ علی النبی لا ترد'' کے تحت گفتگو ہوچکی ہے۔

(الاسرار المرفوعۃ: ص ۱۵۸؛ المصنوع: ص ۱۲۳)

☆☆☆☆☆

(۴۱) علماء أمتی کأنبیاء بنی اسرائیل

ترجمہ: میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں کہ ''قال شیخنا (ابن حجر) ومن قبلہ الدمیری و الزرکشی انہ لا اصل لہ وزاد بعضھم و لا یعرف فی کتاب معتبر''۔

ہمارے شیخ حافظ ابن حجرؒ اور ان سے پہلے کے محدثین علامہ دمیریؒ اور علامہ زرکشیؒ نے فرمایا کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے، اور کسی معتبر کتاب میں اس کا ذکر بھی نہیں۔

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "موضوعاتِ کبریٰ" اور "موضوعاتِ صغریٰ" دونوں کتابوں میں اور امام سیوطیؒ نے "الدرر المنتثرة" میں، عجلونیؒ نے "کشف الخفاء" میں علامہ طاہر پٹنیؒ نے "تذكرة الموضوعات" میں اس روایت کو موضوع اور بے اصل قرار دیا ہے۔

(المقاصد الحسنة: ص ۲۸۷؛ موضوعاتِ کبریٰ: ص ۱۵۹؛ موضوعاتِ صغریٰ: ص ۱۲۳؛
الدرر المنتثرة: ج ۱/ص ۱۴؛ کشف الخفاء: ج ۲ ص ۶۴؛ تذکرة الموضوعات: ج ۱/ص ۲۰)

تنبیہ (۱): اس روایت سے کسی قدر ملتی جلتی دو حدیثیں ہیں جو ضعیف سند سے مروی ہیں، انہیں کی روشنی میں شاید کسی نے مذکورہ روایت وضع کر ڈالی ہے۔

(۱) اكرموا حملة القرآن فمن أكرمهم فقد أكرمني، و من أكرمني فقد اكرم الله عز وجل. و في رواية: الا فلا تنقصوا حملة القرآن حقوقهم فانهم من الله بمكان كا دحملة القرآن ان يكونوا أنبياء الا انهم لا يوحى إليهم.

(المقاصد الحسنة: ص ۷۷، ص ۲۸۶)

یعنی حاملین قرآن کی عزت کرو، کیوں کہ جس نے ان کی عزت کی اس نے میری عزت کی اور جس نے میری عزت کی اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی عزت کی۔

یہ روایت امام سخاوی نے وائلی کی "الإبانة" اور دیلمی کے مسند سے نقل فرمائی ہے اور اس کی سند کے متعلق فرمایا "**انه غريب حقا من رواية الأكابر عن الأصاغر. وفيه من لا يعرف و احسنه غير صحيح**" یعنی یہ حدیث روایت الاکابر عن الاصاغر کی قبیل

سے ہے، مگر اس روایت کی سند بہت غریب ہے، اس میں غیر معروف راوی پائے جاتے ہیں اور اس کی بہت اچھی سند بھی صحیح نہیں ہے۔ (المقاصد:۷۷)

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ خبردار! حاملینِ قرآن کی ناقدری نہ کرنا اس لیے کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ مقام ہے کہ اگر نبوت کا دروازہ کھلا ہوتا تو یہ لوگ نبوت سے سرفراز کئے جاتے۔

(۲)اقرب الناس درجة من درجة النبوة اهل العلم و الجهاد رواه ابو نعيم عن ابن عباس بسنده الضعيف. (المقاصد الحسنة:ص ۲۸٦)

یعنی لوگوں میں سے سب سے زیادہ درجۂ نبوت سے قریب علماء اور مجاہدین ہیں۔

یہ روایت ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک ضعیف سند کے ساتھ نقل کی ہے۔

تنبیہ (۲): یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ جس طرح اقوام سابقہ میں ایک ہی وقت میں مختلف علاقوں میں متعدد انبیاء کرام ہوا کرتے تھے، یہی حال اس امت کا ہے کہ اب آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں مگر بندوں کی رہنمائی و ہدایت کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین یعنی علماء کرام کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتے رہیں گے، جو حسبِ ضرورت مختلف علاقوں، طبقوں میں پہنچ کر احیاءِ دین، اعلاءِ حق، اشاعت سنت کا فریضہ انجام دیتے رہیں گے، یہ بات بالکل صحیح ہے اور بحمد اللہ اس کے مصداق علماء کرام اپنی ذمہ داریوں میں مشغول ہیں، اور دین وملت کے محافظ ہیں، اور یہی مطلب تھا "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" کا، مگر پھر بھی یہ روایت، حدیثِ رسول نہیں ہے۔

تنبیہ (۳): اس روایت سے متعلق دو واقعے بھی بڑے عجیب مشہور ہیں:

(واقعہ:۱) شب معراج کو جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ سے ملاقی ہوئے تو حضرت موسیٰ نے استفسار فرمایا کہ "علماء أمتي كأنبياء بني اسرائيل" جو آپ نے کہا ہے کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ حضرت حجۃ الاسلام امام غزالیؒ حاضر ہوئے اور سلام باضافۂ الفاظ "وبركاته و مغفرته" وغیرہ عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا: "یہ طوالت بزرگوں کے سامنے کرتے ہو" آپ نے عرض کیا کہ آپ سے حق تعالیٰ نے صرف اس قدر پوچھا تھا "وما تلك بيمينك يا موسى!" تو آپ نے کیوں جواب میں اتنا طول دیا کہ "هي عصاي اتوكأ عليها" الآیۃ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ادب يا غزالي" ادب کر اے غزالی!

(واقعہ:۲) قاضی نصیر الدین بن قاضی سراج محمد حنفی برہانپوری جو شیخ نظام برہانپوری (جن کے زیر اہتمام فتاویٰ عالمگیری مرتب ہوا) کے استاذ ہیں، فقہ وحدیث کے ممتاز علماء میں ان کا شمار ہوتا تھا؛ انہوں نے فرمایا کہ حدیث "علماء أمتي كأنبياء بني اسرائيل" موضوع اور بے اصل ہے، اس حقیقت کا ان کی زبان سے اظہار ہونا تھا کہ ان کے خلاف ایک طوفان برپا کر دیا گیا، حد یہ ہے کہ خود ان کے خسر علم اللہ بیجاپوری نے انہیں کافر قرار دے دیا، اور فتویٰ دیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے اور آگ میں جلا دیا جائے، اس فتویٰ پر عمل درآمد کے لیے انہوں نے محضر نامہ مرتب کیا جس پر علماء سے دستخط لیے اور مہر ثبت کرائیں۔ صرف شیخ فضل اللہ برہانپوری اور شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی نے اس کی تصدیق وتصویب سے انکار کر دیا اور بڑی مشکل سے ان کی جان بخشی ہوئی۔

(تذكرة الموضوعات:ص ۱۳۰؛ كشف الخفاء: ج۲/ص ۱۸۹۰؛

الفوائد:ج۱/ص۲۸۷ ؛ المقاصد الحسنة:ص٤٤٦ ؛ العلل المتناهية:ص۸۲۸)

(۴۲) العلم علمان علم الأبدان و علم الأديان

ترجمہ: علم دو قسم کے ہیں: "علم ابدان" اور "علم ادیان"۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سیوطیؒ، ملا علی قاریؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ، شیخ عجلونیؒ، امام صغانیؒ، شیخ علامہ طیبیؒ نے اس کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے۔

ملا علی قاریؒ اپنی "موضوعات کبری" اور "صغری" میں نیز شیخ عجلونیؒ "کشف الخفاء اور مزیل الالباس" میں لکھتے ہیں: "قال في الخلاصة موضوع" یعنی خلاصہ میں ہے کہ یہ روایت موضوع ہے، اور خلاصہ سے مراد علامہ طیبیؒ کی "الخلاصة: في معرفة الحديث" ہے۔

بلکہ روایت مذکورہ کے متعلق امام سیوطیؒ نے بتلایا کہ یہ سیدنا امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علم طب سے دلچسپی رکھنے والے کسی شخص نے ترغیب و تحریض کی غرض سے اس کو گھڑ دیا ہے۔

اور یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ علم طب بھی مستقل قابل توجہ ایک فن ہے، مگر جملۂ مذکورہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے۔

(موضوعات الصغانی: ۱/۲؛ کشف الخفاء: ۲/۶۸؛ تذکرة الموضوعات: ۱/۱۸، الخلاصة للطیبی: ۸۵؛ الاسرار المرفوعة: ۱۶۰؛ المصنوع: ۱۲۴)

☆☆☆☆☆

(۴۳) علیکم بحسن الخط فانه من مفاتیح الرزق

ترجمہ: خوش خطی کا اہتمام کرو اس لیے کہ یہ رزق کی کنجی ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ صغانیؒ، شیخ عجلونیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

شیخ عجلونیؒ "کشف الخفاء: ۲/۷۱" میں لکھتے ہیں کہ "قال الصغانی موضوع"۔

(الموضوعات للصغانی: ج ۱/ص ۲ ؛ کشف الخفاء: ج ۲/ص ۷۱ و ۴/۲۰۷ ؛ تذکرة الموضوعات: ج ۱/ص ۱۳۰)

(۴۴) علیکم بدین العجائز

ترجمہ: بوڑھی پرانی عورتوں کے طرز زندگی کو لازم پکڑلو۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، ابن الجوزیؒ، عجلونیؒ، علامہ شوکانیؒ، ابن السید درویشؒ، امام سیوطیؒ، شیخ البانیؒ، علامہ پٹنیؒ، امام صغانیؒ اور علامہ عراقیؒ یہ تمام حضرات محدثین کرام اس روایت کو بے اصل اور موضوع کہتے ہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: "قال السخاوی لا أصل له بهذا اللفظ وورد بمعناه" أحادیث لا تخلو عن ضعف، و قال الزرکشی رواه الدیلمی عن ابن عمر بلفظ "اذا کان آخر الزمان واختلفت الا هواء، فعلیکم بدین البادیة والنساء. وسنده واهٍ بل قال الصغانی موضوع"۔ (الاسرار المرفوعة: ۱۶۰)

علامہ پٹنیؒ کی تذکرۃ الموضوعات ۱۶/۱ میں ہے:

قال ابن طاهر: لم اقف له على اصل، و انما رأيت حديثا لابن السلماني "اذا كان في آخر الزمان واختلفت الاهواء، فعليكم بدين اهل البادية و النساء. و لابن السلماني نسخة اتهم بوضعها؛ و قال الصغاني موضوع؛ و في المقاصد: لا أصل له بهذا اللفظ لكن عند الديلمي عن ابن السلماني و هو ضعيف جدا حدث عن أبيه بمأتي حديث كلها موضوعة لا يحل ذكرها الا على وجه التعجب".

یعنی دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ امام سخاویؒ نے فرمایا کہ ان الفاظ میں اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے، اس لیے موضوع ہے البتہ اس کے ہم معنی دو احادیث وارد ہیں، مگر وہ بھی ضعیف ہیں...... اور علامہ زرکشیؒ نے بتلایا کہ دیلمیؒ نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ " اذا كان آخر الزمان واختلفت الاهواء فعليكم بدين أهل البادية و النساء" (جب آخری زمانہ آجائے اور خواہشات کی رنگینیاں پھیل جائیں تو تم دیہاتیوں اور عورتوں کے طرز پر جینا لازم کرلو) یعنی بہت کم لوگوں سے ملاقاتیں کرو۔ مگر اس روایت کی سند بھی غیر معتبر ہے۔ بل کہ علامہ صغانیؒ نے تو اس کو موضوع بتلایا ہے...... کیوں کہ اس کی سند میں ابن السلمانی آیا ہے جو وضع حدیث کی تہمت سے متہم ہے۔ اور امام سخاویؒ نے تو اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ شخص اپنے والد کے حوالے سے دو سو روایتیں سناتا ہے، مگر وہ سب موضوع ہیں ان کا بیان کرنا جائز نہیں۔

(موضوعات الصغاني: ۱/۳؛ المصنوع: ۱۲۴؛ اسنى المطالب: ۱۵۵؛ المقاصد الحسنة: ۲۹۰؛ الاسرار المرفوعة: ۱۶۰؛ مختصر المقاصد الحسنة: ۱۳۶؛ تخريج أحاديث أحياء للعراقي: ۲/ ۳۷۰؛ الدرر المنتثرة: ۱/ ۱۴؛ السلسلة الضعيفة: ۱/ ۱۳۰)

(۴۵) عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة

ترجمہ: صلحاء کے تذکرہ کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ عراقیؒ، قاضی شوکانیؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ، ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ سخاویؒ یہ سبھی حضرات اس روایت کو بے اصل اور موضوع کہتے ہیں۔

اس روایت کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا: ''لا اصل له''۔

حافظ عراقیؒ نے تخریج احیاء میں فرمایا: " لیس له اصل فی المرفوع وانما هو قول سفیان بن عیینة'' یعنی اس کے حدیث ہونے کی کوئی اصل نہیں ہے، یہ سفیان بن عیینہؒ کا قول ہے۔

تنبیہ: علامہ ابن الصلاحؒ نے ''علوم الحدیث'' میں کہا کہ ابو عمرو اسماعیل بن نجید نے ابو جعفر احمد بن حمدان سے سوال کیا کہ "بای نیة اکتب الحدیث" میں حدیث کس نیت سے لکھوں؟ تو احمد بن حمدانؒ نے جواب دیا کہ ''الستم ترون ان عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة'' یعنی کیا تم نہیں کہتے کہ صالحین کے تذکرہ کے وقت حق تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ تو ابن نجید نے کہا کیوں نہیں؟ پھر احمد نے کہا کہ جب یہ بات ہے تو خود سمجھ لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو صالحین کے امام ہیں۔ (لہٰذا تم کو احادیث اس نیت سے لکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہماری طرف متوجہ ہو)۔

اس واقعہ سے صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ حدیث کی کتابت اور اہل صلاح و تقویٰ کے تذکرہ کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے مگر اس کا کلامِ نبوی اور حدیث ہونا ثابت

نہیں ہوتا، کیوں کہ یہاں دونوں بزرگوں کے سوال وجواب کے ضمن میں ایک لفظ آیا ''الستم تروون'' اس کے متعلق دو احتمال ہے:

اول یہ کہ ''تَرَوْنَ'' یا ''تُرَوْنَ'' (بصیغۂ معروف یا بصیغۂ مجہول) ہے جو رای یری رأیا سے مشتق ہے اور رائے خیال کے معنی میں ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کیا تمہارا یہ خیال نہیں کہ تذکرۂ صالحین کے وقت رحمت ہوتی ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے، صرف ان حضرات کی ایک رائے اور خیال ہے اور خیال کے صحیح ہونے سے حدیث ہونا لازم نہیں آتا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ لفظ ''تروون'' پڑھا جائے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ کیا تم یہ روایت نہیں کرتے، اس صورت میں یہ وہم ہوتا ہے کہ شاید یہ روایت حدیث ہو، مگر ظاہر ہے کہ اس کی حیثیت وہم کی ہی ہے نہ کہ حقیقت کی، کیوں کہ اس میں حدیث ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے؛ نیز اس کی کوئی سند نہیں پائی جاتی پھر حدیث کیوں کر ہو؟

(الاسرار المرفوعة:ص ۱٦١؛ المقاصد الحسنة:ص ۲۹۲؛ کشف الخفاء ج ۲ ص ۷٦۳؛ تذکرة الموضوعات: ص ۱۵۷۰؛ تخریج احادیث الاحیاء: ج ۲ ص ۲۱۰؛ الفوائد المجموعة ج ۱ ص ۲۵٤/ ج ۱ ص ۵۰۸)

☆☆☆☆☆
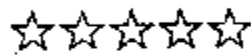
(۴٦) الفقر فخری وبه افتخر

ترجمہ: فقر میرا سرمایہ فخر ہے، اور میں اس پر فخر کرتا ہوں۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، امام صغانیؒ، شیخ عجلونیؒ، شیخ ابن درویشؒ اور علامہ طاہر پٹنیؒ ان تمام حضرات نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

ملا علی قاریؒ نے کہا کہ: قال العسقلانی هو باطل موضوع. وقال ابن التيمية هو كذب.

یعنی علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا کہ یہ روایت باطل اور بے سند ہے اور علامہ ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ یہ روایت جھوٹی ہے۔

تلخیص الحبیر ۴/۱۵۶ میں ہے کہ: "هذا الحديث سئل عنه الحافظ ابن التيمية فقال انه كذب لا يعرف في شئ من كتب المسلمين المروية. وجزم الصغاني بانه موضوع".

یعنی اس حدیث کے متعلق حافظ ابن تیمیہؒ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ یہ حدیث جھوٹی ہے مسلمانوں کے ذخیرۂ کتب میں کہیں بھی اس کا نام ونشان نہیں۔

اور علامہ صغانیؒ نے جزم ویقین کے ساتھ اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔

(تخليص الحبير: ج ٤/ص ١٥٦؛ الاسرار المرفوعة: ص ١٦٦؛ المقاصد الحسنة: ص ٣٠٠؛ كشف الخفاء: ج ٢/ص ٨٧؛ اسنى المطالب: ص ١٦٤؛ تذكرة الموضوعات: ج ١/ص ١٧٨؛ المصنوع: ص ١٢٨)

☆☆☆☆☆

(۴۷) فكر ساعةٍ خير من عبادة ستين سنة

اس کی تحقیق کے لیے دیکھئے "تفكر ساعة خير من عبادة سنة" حدیث نمبر ۲۱

☆☆☆☆☆

(۴۸) قدس العدس على لسان سبعين نبيًا آخرهم عيسىٰؑ

ترجمہ: ستر انبیاء کی زبانوں پر دال کی تقدیس (تعریف) کی گئی ہے، جن میں سب سے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علی بن المدینی، علامہ ابن المبارک، امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، امام زرکشی، امام سیوطیؒ، ابن الجوزیؒ، شیخ عجلونیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ، علامہ نجم غیطیؒ، وغیرہم نے اس روایت کو بے سند اور موضوع قرار دیا ہے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

قال الزركشي باطل نص عليه جماعة من الحفاظ كابن المبارك والليث بن سعد ومن المتاخرين ابن المديني. (الاسرار:ص ١٦٩)

ترجمہ: امام زرکشی نے فرمایا کہ یہ روایت باطل ہے، حفاظ حدیث کی ایک جماعت مثلاً عبداللہ ابن مبارک، لیث بن سعد، اور متاخرین میں سے شیخ علی بن المدینی نے اس کے بطلان کی تصریح فرمائی ہے۔

نیز ملا علی قاریؒ مزید لکھتے ہیں:

قال السخاويؒ اخرجه الطبراني من حديث واثلة به مرفوعاً واسنده ابونعيم في المعرفة وفي الباب عن علي رضي الله عنه ولا يصح من ذالك شيء بل هو باطل كما قال له ابن المدينيؒ وذكره ابن الجوزي في الموضوعات.

خلاصہ یہ کہ سخاوی نے فرمایا کہ اگر چہ اس روایت کو طبرانی واثلہؓ کی سند سے مرفوعاً نقل کیا ہے اور ابونعیم نے بھی اس کو مسند پیش کیا ہے، اور حضرت علیؓ سے بھی یہ روایت نقل کی جاتی ہے قرآن میں سے کوئی روایت بھی ثابت نہیں بلکہ ساری کی ساری باطل ہیں، اور ابن الجوزیؒ نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔

علامہ ابن الجوزیؒ نے یہ روایت کسی قدر تغیر الفاظ کے ساتھ دو سند سے ذکر فرمائی ہے، اور دونوں کا کھوٹ بتلا کر حدیث کو موضوع کہا ہے۔

پہلی سند: أنبأنا هبة الله بن احمد الجريرى انبانا ابراهيم بن عمر البرمكي انبانا أبوبكر بن بخت انبأ نا أبو القاسم عبد الله بن أحمد قال حدثني أبي حدثني علي ابن أبي طالب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عليكم بالعدس فانه مبارك وانه يرق له القلب وتكثر له الدمعة وانه قد بارك فيه سبعون نبيًا.

ترجمہ: حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم دال کھانا لازم پکڑ لو اس لیے کہ دال بابرکت غذا ہے، اس کی وجہ سے دل نرم ہوتا ہے، آنکھوں سے گرنے والے آنسوؤں میں اضافہ ہوتا ہے اس کے حق میں ستر انبیاءِ کرام نے برکت کی دعاء فرمائی ہے۔

اس روایت کی سند میں عبداللہ بن احمد یا اس کا باپ احمد بن عامر تہمت زدہ غیر معتبر ہے، یہ دونوں (باپ بیٹے) اہل بیت نبوت کے حوالہ سے بے سند روایات سنایا کرتے تھے۔

دوسری سند: انبأ نا ابن خيرون انبأنا احمد بن علي الحافظ انبأنا أبوسعيد أحمد بن محمد الماليني انبأنا منصور بن العباس بن منصور البوسخي عيسٰى بن شعيب عن الحجاج بن الميمون عن حميد بن ابى حميد عن عبد الرحمٰن بن دلهم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قدس العدس على لسان سبعين نبياً منهم عيسٰى (عليه السلام) بن مريم يرق القلب و يسرع الدمعة.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ستر انبیاء کی زبانوں پر دال کی تعریف وارد ہوئی ہے، جن میں حضرت عیسیٰؑ بھی ہیں، دال دل کو نرم کرتی ہے، اور آنکھوں سے آنسوؤں کے گرنے میں مدد کرتی ہے۔

اس روایت میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ابن دلہم صحابی نہیں ہیں، اسلئے یہ روایت منقطع ہوئی، دوسری بات یہ کہ اس میں عیسیٰ بن شعیب واقع ہے جس کے متعلق ابن حبان کی رائے ہے کہ وہ فاحش الخطاء اور واجب الترک ہے۔

ان دونوں حدیثوں کے متعلق ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ کسی بدمعاش نے یہ دونوں روایتیں شریعت مطہرہ منورہ کو داغدار دکھانے کی نیت سے وضع کی ہیں، کیوں کہ دال گھٹیا درجہ کی چیز ہے، جب اس کی اس قدر تعریف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے پیش کی جائے گی تو اسلام سے تعلق نہ رکھنے والا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ناعقلی کی نسبت کرے گا۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ: عبداللہ بن المبارکؒ سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا واقعی ستر انبیاء کی زبانوں پر دال کی تعریف وتقدیس کی بات صحیح ہے تو فرمایا نہیں، ستر تو دور کی بات ہے، ایک نبی کی زبان پر بھی نہیں، بلکہ دال تو تکلیف دہ ہے اور سانس پھولنے کی بیماری پیدا کرتی ہے۔

ابن المبارک نے پوچھا تم کو یہ حدیث کس نے بتلائی، تو لوگوں نے بتلایا کہ سلمہ بن سالم نے پھر ابن المبارک نے پوچھا کس کے حوالہ سے تو لوگوں نے کہا کہ آپ کے حوالہ سے تو آپ نے کہا اچھا! میرے حوالہ سے؟

اور سلمہ بن سالم کے بارے میں یحییٰ بن معین کی رائے ہے وہ لیس بشیء ہے۔

مقاصد حسنہ میں علامہ ابن الصلاح نے بھی ابن المبارک سے اس حدیث کا بطلان نقل کیا ہے۔

حافظ ابن موسیٰ مدینی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث باطل ہے، بلا سند کے حضرت ابن عباس اور حضرت واثلہ کے حوالہ سے نقل کردی گئی ہے۔

(الفوائد المجموعة، ص۱۶۳/میزان الاعتدال، ج۲ ص ۱۸۵/الکشف الحثیث: ج۱/ص۱٤۹؛
المقاصد ص۳۰۳؛ الاسرار: ص۱٦۹؛ المصنوع: ص۱۲۹؛ مختصر المقاصد، ص ۱٤٥؛
الموضوعات لابن الجوزی: ج۲/ص۲۹٤؛ الدرار المنتثرة، ج۱، ص ۱٥؛ کشف الخفاء ج۲/ص۹۲؛
تذکرة الموضوعات: ج۱/ص۱٤۷؛ اللآلی، ج۲/ص ۲۱۲؛ تنزیه: ج۲/ص۲۳۹)

☆☆☆☆☆

(۴۹) القلب بیت الرب

ترجمہ: دل اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ نے فرمایا کہ "لیس لهٔ أصل في المرفوع" امام ابن تیمیہؒ، شیخ عجلونیؒ، ملا علی قاریؒ، امام سیوطیؒ، امام زرکشیؒ، شیخ ابن العراقؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ ان تمام حضرات نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔

(المقاصد الحسنة: ج۱/ص۱٦۱؛ الدرر المنتثرة: ج۱/ص۱٥؛ کشف الخفاء: ج۲/ص۹۹؛
الاسرار المرفوعة: ص۱۷۰؛ تذکرة الموضوعات: ج۱/ص۲۰۰؛ تنزیه الشریعة: ج۱/ص۱٤۸)

☆☆☆☆☆
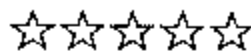
(۵۰) (الف) الکلام فی المسجد یأکل الحسنات کما تأکل النار الحطب

ترجمہ: مسجد میں بات کرنا نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

(ب) الحدیث فی المسجد یأکل الحسنات کما تأکل البھیمة الحشیش.

ترجمہ: مسجد میں بات کرنا نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح جانور چارہ کو۔

(ج) الکلام المباح فی المسجد یأکل الحسنات کما تأکل النار الحطب.

ترجمہ: مسجد میں مباح کلام کرنا نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ عراقیؒ نے (تخریج احادیث، احیاء: ج۱/ص۱۴۱۰ میں) لکھا ہے کہ "لم اقف له علی اصل" مجھے اس روایت کی کوئی اصل نہیں مل سکی۔

اس روایت کو امام غزالیؒ نے "احیاء" میں اور زمخشریؒ نے "کشاف" میں ذکر کیا ہے، اور بعض دوسری کتب میں حدیث کی حیثیت سے مذکور ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے، ان کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح نہیں ہے، محدثین کرام کی تصریحات اس کے موضوع ہونے پر موجود ہیں۔

علامہ ابن الجوزیؒ، ملا علی قاریؒ، علامہ فیروز آبادیؒ، علامہ شوکانی اور علامہ طاہر پٹنی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔

علامہ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ "لم أقف له علی أصل" مجھے اس کی اصل معلوم نہیں۔

اور محدثین کا ایک طبقہ ہے جو کسی حدیث کے متعلق " لم اقف له علی اصل " یا "لم أجد" جیسے الفاظ استعمال کریں تو یہ جملہ اس حدیث کے موضوع ہونے کی علامت ہے۔

علامہ عبدالفتاح ابوغدہ لکھتے ہیں کہ علامہ زمخشریؒ نے یہ حدیث اپنی تفسیر میں دو مقام پر نقل کی ہے۔

اول سورۂ براءت کی آیت:" انما یعمر مساجد اللّٰه من آمن باللّٰه والیوم الآخر" کے تحت۔

دوم سورۂ لقمان آیت ۶ "ومن الناس من یشتری لهو الحدیث لیضل عن سبیل اللّٰه" کے ذیل میں۔ حافظ ابن حجرؒ نے کشاف کی احادیث کی تخریج کی ہے مگر یہاں ان کا عجیب حال رہا ہے کہ آیت براءۃ میں تو فرمایا:" سیأتی فی سورة لقمان" کہ سورۃ لقمان میں اس کی تحقیق آئے گی اور آیت لقمان آئی تو لکھ دیا کہ تقدم فی سورۃ براءۃ یعنی سورۃ براءت میں اس کی حقیقت گذر چکی ہے؛ اب شیخ عبدالفتاح ابوغدہ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ کا یہ انداز اور طرز عمل بتلا رہا ہے کہ حافظ عراقیؒ کی طرح یہ بھی بے اصل سمجھ رہے ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک اس کی کوئی اصل ہوتی تو ضرور ذکر فرماتے، علامہ سفارینیؒ نے "غذاء الألباب شرح منظومة الأدب : ج۲/ص۲۵۷" میں تحریر فرمایا کہ : "و اما ما اشتهر علی الألسنة من قولهم ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال الحدیث فی المسجد و بعضهم یزید المباح یأکل الحسنات کما تأکل البهیمة الحشیش و بعضهم یقول کما تأکل النار الحطب. فهو کذب لا أصل له" اس کی کوئی اصل نہیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک جھوٹ ہے، المصنوع کے حاشیہ میں شیخ ابوغدہ فرماتے ہیں کہ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ردالمحتار میں تحقیق فرمائی ہے کہ مسجد میں مباح کلام

کی اجازت ہے، کیوں کہ اصحاب صفہ کا قیام مسجد میں ہوتا تھا اور یقیناً وہ باتیں کرتے تھے۔

اسی طرح ابن حزم نے مسجد میں مباح کلام جس میں کوئی غلط بات شامل نہ ہو اس کے جواز پر کئی پختہ دلائل فراہم کیے ہیں، ان باتوں سے مذکورہ حدیث کا بطلان ثابت ہوتا ہے۔

رہی یہ بات کہ علامہ زمخشریؒ، رازیؒ، آلوسیؒ اور بعض فقہاء صوفیہ کا اس حدیث کو نقل کرنا باوجود ان کے تبحر علمی وعلو مرتبت کے یہ ان کی چوک ہے، ان کو تمام علوم میں کامل دسترس تھی مگر علم حدیث میں ان کی وہ شان نہیں تھی، جو محدثین ناقدین کو حاصل تھی، اس لیے تحقیق روایات میں ماہرین فنِ حدیث کی طرف رجوع اور ان ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

(تخریج احیاء: ج ۱/ص ۱۰۷؛ الفوائد المجموعة: ج ۱/ص ۲۵؛ کشف الخفاء: ج ۱ ص ۱۰۶؛ تذکرۃ الموضوعات: ج ۱/ص ۲۴۹؛ المصنوع: ص ۹۲)

☆☆☆☆☆

(۵۱) کن ذنبًا ولا تکن رأسًا فان الرأس یھلک والذنب یسلم

ترجمہ: دم بن کر رہو، سر نہ بنو، اس لیے کہ سر تھپڑ کھاتا ہے، اور دم محفوظ رہتی ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، شیخ عجلونیؒ، ملا علی قاریؒ اس کو موضوع کہتے ہیں، نیز فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ابراہیم بن ادہم کا کلام ہے جو انہوں نے احباب کو بطورِ نصیحت سنایا تھا۔

شیخ عجلونیؒ "کشف الخفاء" میں لکھتے ہیں "وقال النجم رواہ الدینوری عن ابراھیم بن ادھم ولیس بحدیث وقد اوصی بہ بعض اصحابہ".

یعنی شیخ النجمؒ نے فرمایا کہ یہ روایت حدیث نہیں ہے، بل کہ شیخ دینوریؒ نے اس کو ابراہیم بن ادہمؒ سے نقل کیا ہے، جس کو انہوں نے اپنے اصحاب کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا۔

(۵۲) کنت کنزًا مخفیًا فاحببت ان اعرف، فخلقت خلقًا فعرفتهم بی فعرفونی. و فی روایة فتعرفت إلیهم فبی عرفونی.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں چھپا ہوا خزانہ تھا پھر میں نے چاہا کہ میں جانا پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا پھر ان کو اپنا تعارف کرایا تو اس نے مجھے پہچانا۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ، ابن تیمیہؒ، شیخ پٹنیؒ، صاحب اسنی المطالبؒ، ابن السید درویشؒ اور علامہ ابن العراق کنانیؒ یہ سارے محدثین اس روایت کو بے سند اور موضوع قرار دیتے ہیں۔

امام سخاویؒ لکھتے ہیں "قال ابن تیمیة انه لیس من کلام النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ولا یعرف له سند صحیح ولا ضعیف وتبعه الزرکشی وشیخنا"

یعنی ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ یہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے اور اس کی نہ تو کوئی صحیح سند موجود ہے، نہ ضعیف اور امام زرکشیؒ اور ہمارے شیخ (ابن حجر عسقلانی) بھی یہی کہتے ہیں۔

شیخ عجلونیؒ لکھتے ہیں، کہ یہ روایت بے سند ہے مگر اس پر صوفیاء کے کلام و مواعظ کی بنیاد ہوتی ہے اور یہ روایت ان کے کلام میں بکثرت رائج ہے۔

امام سیوطیؒ نے "الدرر المنتثرة" میں موضوعات میں شمار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "لا اصل له"۔

تنبیہ: ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ یہ روایت کلام نبوی تو نہیں ہے مگر اس کا مضمون صحیح اور معتبر ہے، قرآن مجید کی آیت " وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون " سے مستفاد ہے، اس لیے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے "لیعبدون" کی تفسیر "لیعرفون" سے کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جن وانس کی تخلیق سے اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ تھا کہ جن وانس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو، گویا اللہ تعالیٰ یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے ان کو اس لیے پیدا کیا تا کہ یہ مجھے پہچانیں، اس اعتبار سے روایت اور آیت دونوں کا مفہوم ایک جیسا ہے، مگر پھر بھی یہ روایت حدیث نبوی نہیں ہے۔

تنبیہ: یہ روایت مفسرین اور صوفیاء کی بہت سی کتابوں میں مذکور ہے، اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے کیوں کہ علامہ آلوسیؒ نے آیت مذکورہ " وَمَا خَلَقْتُ الجنَّ وَ الإنسَ إلاَّ لِيَعْبُدُونِ " کے تحت لکھا ہے کہ اس آیت کے ذیل میں یہ روایت ذکر کی جاتی ہے، مثلاً سعد الدین سعید الفرغانی نے "منتهى المدارك " میں اور شیخ اکبر نے "فتوحات کے باب: ص ۱۹۸" میں یہی روایت الفاظ کے تھوڑے تغیر کے ساتھ لکھی ہے، مگر محدثین مثلاً ابن تیمیہؒ، زرکشیؒ اور ابن حجرؒ وغیرہم نے ان کا تعاقب کیا ہے اور مکمل تردید فرمائی ہے، اور بعض صوفیاء تو اس کو غیر ثابت مانتے ہیں، پھر بھی اس کو حدیث کی حیثیت سے نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ روایت اگر چہ اصول حدیث کی رو سے ثابت نہیں ہے مگر بطریق کشف اس کا ثبوت ہے، چناں چہ شیخ اکبرؒ نے اسی انداز کی بات کہی ہے، جب کہ تصحیح کشفی کوئی چیز نہیں یعنی کشف، ثبوتِ روایت کا کوئی معتبر ذریعہ نہیں۔

آگے شیخ عبد الفتاح ابو غدہ اس پر حاشیہ لکھتے ہیں کہ علامہ آلوسیؒ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ صوفیاء کی تصحیح کشفی کا محدثین کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں، اور حدیث کی حیثیت متعین

کرنے میں محدثین ہی کی بات کو لینا ضروری ہے، کیوں کہ یہی لوگ اس فن کے شہسوار ہیں، اور اس فن کے محافظ و نگران ہیں۔ (حاشیة المصنوع: ص ۱٤۱ تا ۱٤۲؛ الأسرار المرفوعة: ص ۱۷۹؛ المقاصد الحسنة: ص ۳۲۷؛ اسنی المطالب: ص ۱۸۳؛ کشف الخفاء ج ۲/ص ۱۳۲؛ تذکرة الموضوعات: ج ۱/ص ۲٥؛ للدرر المنتثرة: ص ۳٥۲؛ تنزیه الشریعة: ج ۱/ص ۱٤۸)

☆☆☆☆☆
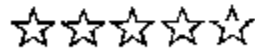
(۵۳) کنت نبیًا و آدم بین الماء وَ الطین

ترجمہ: میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔

الفاظ روایت: (الف) کنت نبیًا و آدم بین الماء و الطین.

(ب) کنت نبیًا و لا آدم و لا ماء و لا طین.

(ج) کنت نبیًا و لا أرض ولا ماء و لا طین.

حکم: ان تمام الفاظ میں یہ روایت موضوع ہے۔

تحقیق: اما سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، علامہ صغانیؒ، شیخ عجلونیؒ، ابن درویشؒ، امام زرکشیؒ، امام ابن تیمیہؒ اور علامہ طاہر پٹنیؒ وغیرہم کی تصریحات سے مذکورہ بالا تینوں روایتوں کا موضوع ہونا معلوم ہوتا ہے۔

امام سخاویؒ لکھتے ہیں" واما الذی علی الالسنة بلفظ کنت نبیا و آدم بین الماء والطین فلم نقف علیه بهذا اللفظ فضلاً عن زیادة و کنت نبیا ولا آدم ولا ماء ولا طین". (المقاصد الحسنة: ص ۳۲۷)

یعنی: "کنت نبیا و آدم بین الماء والطین" اور "کنت نبیًا ولا آدم ولا ماء و لا طین" جو عام زبانوں پر دائر ہے ہمیں ان الفاظ میں یہ روایت نہیں ملی۔

"کشف الخفاء" میں شیخ عجلونیؒ نے لکھا ہے کہ "وقال الزرکشي: لاأصل لہٗ بهذا اللفظ وقال السيوطي في الدرر، وزادالعوام فيه ولا آدم ولا ماء ولا طين لااصل له ايضًا".

(كشف الخفاء:ج٢/ص١٢٩؛ الدرر المنتثرة:ج١/ص١١٥؛ اسنى المطالب:ص١٨٤؛ الأسرار المرفوعة: ص١٧٨)

یعنی زرکشیؒ نے فرمایا کہ اس لفظ میں اس کی کوئی اصل نہیں اور سیوطیؒ نے فرمایا کہ عوام نے جو "لا آدم ولا ماء ولا طين" کا اضافہ کیا ہے اس کی بھی کوئی اصل نہیں۔

"تذكرة الموضوعات" میں علامہ طاہر پٹنیؒ نے اس روایت کو موضوعات میں شمار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ "وقال ابن تيمية: موضوع" (تذكرة الموضوعات:ج١/ص٨٦)

علامہ ابن العراق کنانیؒ نے بھی "تنزيه الشريعة:ص۳۴۱" میں یہی لکھا ہے۔

تنبیہ: یہ بات اپنی جگہ مسلم اور یقینی وقطعی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا فیصلہ اور اس کا تحقق اس وقت ہو چکا تھا جب کہ ابھی آدم علیہ السلام کی تخلیق بھی نہیں ہوئی تھی مگر یہ مضمون مذکورہ الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہیں، بل کہ یہ الفاظ تو کسی کے گھڑے ہوئے ہیں، البتہ متعدد و معتبر احادیث میں یہی مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ مثلاً:

(۱) حديث ميسرة الفجرؓ قال قلت يارسول الله متى كنت نبيًا، قال كنت نبيًا وآدم بين الروح والجسد.

(اخرجه احمد والبخاري في تاريخه والحاكم في المستدرك و صححه)

(۲) حديث ابي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال قيل للنبي صلى الله عليه وسلم متى كنت نبيًا؟ قال: وآدم بين الروح والجسد.

(اخرجه الترمذي والحاكم و صححه)

(۳)حديث العرباض بن سارية مرفوعًا: اني عند الله لمكتوب خاتم النبيين وان آدم لمنجدل في طينة. (اخرجه ابن حبان والحاكم في صحيحهما)

(۴)حديث ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال قيل يارسول الله! متى كنت نبيًا؟ قال: وآدم بين الروح والجسد.

(اخرجه الدارمي، المقاصد الحسنة: ص۳۲۷؛ المصنوع: ۱٤۲)

خلاصہ: یہ کہ مضمون روایت تو اپنی جگہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا فیصلہ اس وقت ہو چکا تھا جب کہ آدم علیہ السلام مرحلہ تخلیق میں مٹی اور گارے کے درمیان تھے۔ مگر وہ خاص تین الفاظ جو اوپر (الف، ب، ج میں) ذکر کیے گئے، ان کا حدیث ہونا ثابت نہیں۔

☆☆☆☆☆
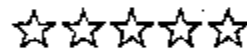
(۵۴) لا ادری نصف العلم

ترجمہ: لا ادری (میں نہیں جانتا) نصف علم ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ، امام سیوطیؒ، شیخ ابن السید درویشؒ وغیرہم اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

شیخ ابن السید درویشؒ "اسنی المطالب" میں لکھتے ہیں: "هو من كلام السلف مالك وغيره"۔

ملا علی قاریؒ "الأسرار المرفوعة" میں تحریر فرماتے ہیں "قول الشعبي كما رواه الدارمي في مسنده والبيهقي في مدخله"۔

امام سخاویؒ نے کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ روایت حدیث مرفوع (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت) نہیں ہے، بل کہ امام شعبیؒ کا قول ہے۔ جس کی امام دارمیؒ نے اپنی مسند میں اور بیہقی نے اپنی مدخل میں تخریج کی ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی انداز کا کلام منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا" اذا سئل احدکم عمالا ادری فلیقل: لا یدری فانۃ ثلث العلم"

یعنی جب کسی سے کسی نامعلوم شئ کے متعلق کہا جائے پھر وہ کہے" لاادری "میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا تو علم کا ایک تہائی حصہ اس کو حاصل ہے۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ" المصنوع "کے حاشیہ میں لکھتے ہیں، روایت مذکورہ کا جس طرح امام مالکؒ اور عامر شعبیؒ کا قول ہونا مذکور ہوا، اسی طرح یہ ایک صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے جس کو حافظ ابن عبدالبرؒ نے" جامع بیان العلم و فضلہ: ج ۲/ص ۵۴ "میں" باب مایلزم العالم اذا سئل عما لا یدریہ من وجوہ العلم " کے تحت اور اپنی کتاب" الانتقاء: ص ۳۸ "پر لکھا ہے کہ:

"صح عن أبی الدرداء رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہٗ قال "لا ادری نصف العلم"

اور جب صحابی سے بھی یہ جملہ منقول ہے تو ان ہی کی طرف نسبت کرنا زیادہ بہتر ہے۔

فائدہ: لاادری، نصف علم یا ثلث علم ہے کا مطلب یہ ہے کہ یہاں علم کی دو قسم ہے:

ایک تو یہ کہ کسی مسئلہ کے تعلق سے اس کو مکمل معلومات ہو تو اس صورت میں یہ علم کامل ہوا۔

دوسری قسم: یہ کہ اس مسئلہ کی معلومات اس کے پاس نہیں مگر وہ یقین رکھتا ہے کہ مجھ کو یہ مسئلہ معلوم نہیں تو یہ ہے نصف علم یا ثلث علم کہ اگر چہ اس کو اس مسئلہ کا علم نہیں مگر اپنے جہل کا

علم تو ہے، پس اس کو ایک درجہ علم کا حاصل ہے۔

اور ایک تیسری قسم بھی ہے وہ یہ کہ آدمی کو صحیح مسئلہ کا علم نہیں بل کہ بے بنیاد غلط معلومات رکھتا ہے تو یہ جہل ہے بل کہ جہل مرکب ہے۔

(المقاصد الحسنة:ص ٤٥٨؛ المصنوع:ص ٢٠٥؛ الاسرار المرفوعة: ص ٢٦٢؛ اسنى المطالب:ص ٢٦٨؛ الدرر المنتثرة: ج ١ ص ٢٢)

☆☆☆☆☆
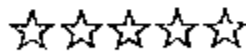
(۵۵) لا تلد الحية إلا الحية

ترجمہ: سانپ کے پیٹ سے سانپ ہی پیدا ہوتا ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ اور شیخ ابن السید درویشؒ نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے، امام سخاویؒ نے لکھا ہے:

"هو فی کلمات بعضهم، و ذالک فی الأغلب، والیه اشارة بقوله تعالٰی "و لا یلدوا الا فاجرًا کفارًا" ومن هنا قیل اذا طاب اصل المرء طابت فروعه".

یہ جملہ بعض لوگوں کا کلام ہے، اور اس کا مضمون بھی علی الاطلاق نہیں بلکہ اکثری حالت کے اعتبار سے درست ہے، اور آیت کریمہ: **"و لا یلدوا الا فاجرًا کفارًا"** (یہ بے ایمان لوگ کافر فاجر کو ہی جنم دیں گے) میں اسی طرف اشارہ ہے، اور اسی قبیل سے یہ مقولہ بھی مشہور ہے۔

"اذا طاب أصل المرء طابت فروعه" یعنی جب آدمی کی اصل اچھی ہوتی ہے، تو اس کی نسل بھی اچھی ہوتی ہے۔

ملا علی قاریؒ اور شیخ عجلونیؒ اس کے حدیث ہونے کی نفی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

”لیس بحدیث بل هو مثل من أمثال العرب“۔

یعنی یہ حدیث نہیں بل کہ امثال عرب میں سے ایک مثل ہے۔

شیخ ابوغدہ نے ”حاشیة المصنوع“ میں لکھا کہ علامہ میدانیؒ کی ”مجمع الامثال: ۱۴۱/۲“ میں یہ مثل اس طرح موجود ہے:

”لا تلد الفأرة إلا الفأرة و لا الحية إلا الحية“

یعنی چوہا چوہا ہی پیدا کرتا ہے؛ اور سانپ سانپ ہی پیدا کرتا ہے۔

(المقاصد الحسنة: ٤٦٥؛ المصنوع: ٢٠٦؛ اسنى المطالب: ٢٧٢؛ الأسرار المرفوعة: ٢٦٤)

☆☆☆☆☆

(٥٦) لا تتمارضوا فتمرضوا ولا تحفروا قبوركم فتموتوا

ترجمہ: بیمار مت بنو ورنہ بیمار ہو جاؤ گے، اور اپنی قبر خود نہ کھودو ورنہ مر جاؤ گے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، ابن السید درویشؒ، شیخ عجلونیؒ، امام سیوطیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ، علامہ شوکانیؒ وغیرہم اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں، امام سخاویؒ لکھتے ہیں:

”ذكره ابن أبي حاتم في العلل عن ابن عباس وقال عن أبيه انه منكر، و اسند الديلمي من جهة أبي حاتم الرازي حدثنا عاصم بن ابراهيم عن المنذر بن النعمان عن وهب بن قيس به مرفوعًا، و على كل حال فلا يصح و ان وقع لبعض أصحابنا، و أما الزيادة التي على السنة كثير من العامة فيه و هي ”فتموتوا فتدخلوا النار. فلا أصل لها اصلاً“۔

یعنی اس روایت کو ابن ابی حاتمؒ نے "العلل" میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ اور اپنے والد ابو حاتم کے حوالہ سے بتلایا کہ یہ روایت منکر ہے۔ دیلمیؒ نے ابو حاتمؒ رازی کی سند سے اس کو مرفوعاً پیش کیا ہے، مگر کسی صورت میں بھی یہ حدیث ثابت نہیں ہے، اگرچہ کہ ہمارے بعض حضرات کے یہاں یہ حدیث پائی جاتی ہے، اور اس میں "فتموتوا" کے بعد "فتدخلوا النار" کی زیادتی جو بکثرت زبان زد ہے، اس کی تو بالکل ہی کوئی اصل نہیں ہے۔

(المقاصد: ۴۵۹؛ کشف الخفاء: ۳۴۹/۲؛ الدرر المنتثرة للسیوطی: ۲۲/۱؛ تذکرة الموضوعات: ۲۰۶/۱؛ الأسرار المرفوعة: ۲۶۴؛ الفوائد المجموعة: ۲۶۲/۲؛ اسنی المطالب: ۲۶۸)

☆☆☆☆☆

(۵۷) لکل شیء معدن و معدن التقوی قلوب العارفین

ترجمہ: ہر چیز کا ایک سرچشمہ ہوتا ہے، تقویٰ کا سرچشمہ اہل معرفت کے قلوب ہوتے ہیں۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: اس روایت کو ابن الجوزیؒ، امام سیوطیؒ، ابن القیمؒ، علامہ شوکانی، شیخ البانیؒ اور محدث عصر شیخ الحدیث علامہ محمد یونس جونپوری دامت برکاتہ موضوع قرار دیتے ہیں۔

شیخ البانیؒ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔..... ابن الجوزیؒ نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے، اور اس کی سند پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ روایت خطیبؒ نے اپنی اس سند سے نقل کی ہے "وثیمة بن موسی بن الفرات حدثنا سلمة بن الفضل عن ابن سمعان عن الزهری عن سالم عن أبیه عن عمر بن الخطاب مرفوعًا"۔ اور ابن سمعان کی امام مالک اور یحییٰ بن معینؒ نے تکذیب کی ہے، اور وثیمہ کے متعلق

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ وہ سلمہ بن فضل کی سند سے کئی موضوع روایتیں نقل کرتا ہے۔

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ امام ذہبی نے بھی "میـــزان الاعتـــدال" میں اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے، ایک جگہ تو عبداللہ بن زیاد بن سمعان کے ترجمہ میں لکھا ہے ، پھر وشیمہ کے ترجمہ کے تحت؛ اور علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے "لسـان المیـزان" میں اس روایت کو ابن سمعان کی موضوعات میں شمار کیا ہے۔ (لسان المیزان: ۳/۹۵)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سند سے اس روایت کی "شعـب الایمان" میں تخریج کی ہے، مگر اس کی سند میں ابن سمعان عن رجل ذکرہ عن ابن شہاب وارد ہے، یعنی ابن سمعان نے رجل کی مراد متعین نہیں بتلائی اس کی وجہ سے یہ حدیث منکر، نا قابل اعتبار ٹھہری۔

پھر امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی ایک دوسری سند ملی جس کو "طبرانی" نے "معجم کبیر" میں ذکر کیا ہے، وہ اس طرح ہے: "حدثنا أبو عقیل انس بن سلمة الخولانی حدثنا محمد بن رجاء السختیانی ثنا منبه بن عثمان حدثنی عمر بن محمد بن زید عن سالم بن عبد الله عن أبیه مرفوعًا"۔

(المعجم الکبیر: ۱۰/۴۴۳، ۱۳۰۰۷)

شیخ البانیؒ کہتے ہیں کہ اگرچہ امام سیوطیؒ نے اس سند کے نقل کے بعد سکوت اختیار کیا ہے مگر یہ سند عمدہ نہیں ہے، اس لیے کہ ابو عقیل کا محدثین کے یہاں کوئی ذکر ہی نہیں ہے، اور محمد بن رجاء متہم راوی ہے۔

امام ذہبیؒ کا کہنا ہے کہ محمد بن رجاء سختیانی نے حضرت امیر معاویہؓ کے فضائل میں حدیثیں وضع کی تھی، اس لیے اس پر وضع کی تہمت ہے۔ "لسان المیزان" میں اقرار کیا ہے۔ محدث وقت حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہ العالی اس روایت کے متعلق تحقیق فرماتے

ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ صوفیہ کا کلام ہے مرفوعاً اس کا ثبوت نہیں ہے۔

نورالدین ہیثمیؒ کہتے ہیں ''عن عبد اللّٰہ بن عمر قال قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم لکل شیء معدن ومعدن التقوی قلوب العارفین و فیہ محمد بن رجاء و ہو ضعیف انتہی''۔

''و لم یذکر من خرجہ وفیہ سقوط و الصواب رواہ الطبرانی وفیہ محمد بن رجاء وہو ضعیف رواہ البیہقی عن عمر و ہذا الحدیث لا یثبت وقد حکم ابن الجوزی وغیرہ بوضعہ کما بسطہ المناوی فی فیض القدیر''۔

(فیض القدیر:ج٥/ص٢٨٦ ؛ الموضوعات لابن الجوزی:ج١/ص١٧١،١٧٢ ؛ المصنوع:ج١ص١٢٤؛ المنار المنیف :ص٦٦ ؛ السلسلۃ الضعیفۃ: ج٣/ص٣٩٠ ؛ الفوائد المجموعۃ:ج١/ص٢٥١ ؛ نوادرالحدیث)

خلاصہ: یہ کہ یہ حدیث اگر چہ کئی ایک سندوں سے آئی ہے مگر ایک بھی سند قابل اعتبار نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ابن الجوزیؒ، ذہبیؒ، عسقلانیؒ جیسے ناقدین حدیث نے اس روایت پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے، علامہ ابن قیمؒ نے بھی ''المنار المنیف'' میں اس کو موضوع قرار دیا ہے۔

☆☆☆☆☆
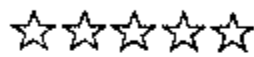
(۵۸) (الف) لو احسن أحدکم ظنہ بحجر لنفعہ اللّٰہ بہ

(و فی روایۃ حَسَّن)

(ب) لو اعتقداحدکم علی حجر لنفعہ

ترجمہ: (الف) اگر کوئی شخص پتھر کے ساتھ اچھا گمان قائم کر لے تو اللہ تعالیٰ اس پتھر کے ذریعہ اس کا کام بنادیتے ہیں۔

(ب) اگر کسی کو کسی پتھر سے عقیدت ہو جائے تو وہی پتھر اس کا کام بنا دیتا ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ ابن تیمیہؒ، امام سخاویؒ، علامہ ابن حجر عسقلانیؒ، شیخ عجلونیؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ پٹنیؒ اور ابن درویش یہ تمام محدثین اس روایت کو موضوعات اور بے سند قرار دیتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ نے ''موضوعات کبریٰ'' میں لکھا ہے۔

قال ابن تيمية "انه موضوع" و قال ابن القيم "هو من كلام عباد الأصنام يحسنون ظنهم بالاحجار" و قال ابن حجر العسقلاني "لا أصل له"

(الأسرار المرفوعة: ١٨٩)

اور ''المصنوع: ۱۴۸'' میں ہے **قال السخاوي : "لا أصل له" وقال ابن تيمية "كذب موضوع"**

ان عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ یہ روایت جھوٹی اور گھڑی ہوئی ہے۔

علامہ ابن القیمؒ کہتے ہیں کہ یہ بت پرستوں کا کلام ہے جن کو اپنے بتوں اور پتھروں کے ساتھ اچھے خیالات اور گمان ہوتے ہیں۔

شیخ ابن حجرؒ اور امام سخاویؒ نے فرمایا کہ ''لا اصل لہ'' یعنی یہ روایت بے اصل اور موضوع ہے۔

(المقاصد الحسنة: ١/٣٤؛ الاسرار المرفوعة: ص١٨٩، المصنوع: ص١٤٨؛ اسنى المطالب: ص١٩٢؛ تذكرة الموضوعات: ج١/ص٢٨؛ كشف الخفاء: ج٢ص١٥٢)

☆☆☆☆☆

(۵۹) چاول سے متعلق روایات

(۱) لو کان الارز رجلاً لکان حلیمًا.

ترجمہ: اگر چاول مرد ہوتا تو عقلمند ہوتا۔

(۲) الارز منی وانامن الارز.

ترجمہ: چاول مجھ سے ہے اور میں چاول سے۔

(۳) من اکل من الارز اربعین یوماً ظهرت ینابیع الحکمة من قلبه علی لسانه.

ترجمہ: جس نی چالیس دن چاول کھایا اس کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹ کر اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔

(۴) خلق الارز من بقیة نفسی وفی روایة من بقیة نوری.

ترجمہ: چاول نور کے بقیہ حصہ سے پیدا کیا گیا ہے۔

(۵) الارز فی الطعام کالسید فی القوم والکراث فی البقول بمنزلة الخبز وعائشة کالثرید وانا کالملح فی الطعام.

ترجمہ: چاول کی کھانوں کے درمیان وہی حیثیت ہے جو سردار کی قوم کے درمیان ہوتی ہے، اور کراث (گندنا) سبزیوں میں روٹی کے درجہ میں ہوتی، اور مانند ثرید کے ہے، اور میں کھانے میں نمک کی طرح ہوں۔

(۶) کل شیء اخرجته الارض فیه شفاء و داء الا الارز فانه شفاء لاداء فیهد.

ترجمہ: ہر وہ چیز جس کو زمین اگاتی ہے اس میں شفاء اور بیماری دونوں ہوتی ہے سوائے چاول کے اس لیے کہ چاول میں صرف شفاء ہے بیماری نہیں۔

(۷) لو کان الارز حیوانًا لکان آدمیًا و لو کان آدمیًا لکان رجلاً و لو کان رجلاً لکان صالحًا ولو کان نبیًا لکان مرسلاً ولو کان مرسلاً لکان انا.

ترجمہ: اگر چاول ذی روح ہوتا تو آدمی ہوتا، اور اگر آدمی ہوتا تو مرد ہوتا، اور اگر مرد ہوتا تو مرد صالح ہوتا، اور اگر صالح ہوتا تو نبی ہوتا، اور اگر نبی ہوتا تو رسول ہوتا، اور اگر رسول ہوتا تو وہ رسول میں ہوتا۔

(۸) نعم الدواء الارز صحیح مسلم من کل داء.

ترجمہ: بہترین دوا چاول ہے، ہر بیماری سے محفوظ اور پاک ہے۔

حکم: یہ ساری روایات موضوع ہیں۔

تحقیق: مذکورہ بالا روایات کو محدثین عظام نے موضوع اور غیر معتبر قرار دیا ہے، امام سخاوی، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ، امام صغانیؒ، امام سیوطیؒ، علامہ ابن القیمؒ، شیخ ابن السید درویشؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ وغیرہم نے ان کے موضوع ہونے کی تصریح فرمائی ہے، درج ذیل عبارات وتحقیقات سے یہ معلوم ہوگا کہ بعض محدثین نے بعض کی اور بعض دوسروں نے بعض دوسری روایات کی پھر مجموعی طور پر تمام ہی روایات کی تغلیط وتکذیب کی ہے، اور وضع کا حکم لگایا ہے، بلکہ متعدد محدثین نے تو چاول سے متعلق پائی جانے والی جملہ روایات کو اکاذیب واباطیل اور موضوعات ومختلقات میں شمار کیا ہے۔

مثلاً: امام سخاویؒ نے مقاصد حسنہ میں پہلی حدیث لو کان الارز رجلاً لکان حلیمًا نقل فرمائی ہے۔

قال شيخنا هو موضوع- ہماری شیخ ابن حجر کی تحقیق ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

اسی طرح امام صغانیؒ نے حدیث نمبر۲، ۳، ۴، ۷ میں سے ہر ایک پر اپنی کتاب موضوعات الصغانی میں موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔

نیز علامہ ابن السید درویش اسنی المطالب ص ۱۹۶ پر پہلی حدیث نقل فرما کر لکھتے ہیں کہ: "قال ابن القيم و ابن حجر هو موضوع ،وكل احاديث الارز موضوعة كذب".

ترجمہ: علامہ ابن قیمؒ اور ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے، بلکہ چاول سے متعلق تمام تر روایات موضوع اور جھوٹی ہیں۔

ملا علی قاریؒ نے اسی پہلی حدیث کو لکھ کر لکھا: " قال ابن القيم في الهدى النبوى هو موضوع وتبعه العسقلاني فقال هو موضوع وان كان يجرى على الالسنة وكذا احاديث الارز مو ضوعة كلها".

ترجمہ: علامہ ابن القیمؒ نے "الهدى النبوى" میں اس کو موضوع قرار دیا ہے اور ان کی اتباع میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی یہی بات فرمائی کہ یہ حدیث اگرچہ زباں زد ہے مگر موضوع ہے؛ اور یہی حال چاول سے متعلق تمام تر روایات کا ہے۔

علامہ عجلونی تحریر فرماتے ہیں: "الارز منى وانا من الارز " موضوع كما في المقاصد وغيرها وكذا من اكل الارز اربعين يومًا ظهرت ينابيع الحكمة من قلبه على لسانه كماقال الصغاني وكذا لك قولهم خلق الارز من بقية نفسى وقال النجم من الباطل المكذوب ما رواه الديلمي عن على بن ابى طالب بلفظ الارز في الطعام كا لسيد في القوم والكراث في البقول بمنزلة الخبز وعائشة كالثريد وانا كا لملح في الطعام".

نیز اس کے بعد شیخ عجلونی لکھتے ہیں کہ:

وقال الحافظ السيوطي في شرح التقريب ومن الموضوع احاديث الارز والعدس والباذنجان والهريسة.

ترجمہ: امام سیوطی تقریب کی شرح میں فرماتے ہیں کہ احادیث موضوعہ کی ہی قبیل سے چاول، دال، باذنجان اور ہریسہ سے متعلق ساری احادیث بھی ہیں۔

نیز حدیث نمبر ۶ کل شیء اخرجته..... الخ کے متعلق شیخ عجلونی نے لکھا کہ

قال ابن حجر المكي نقلاعن السيوطي كذب موضوع.

ترجمہ: شیخ ابن حجر مکیؒ نے امام سیوطیؒ سے نقل کرتے ہوئے اس کو موضوع و مکذوب قرار دیا ہے۔

علامہ طاہر پٹنی نے بھی ان روایات کو موضوع قرار دیا ہے، اور امام سخاوی وغیرہ کی عبارتوں سے استفادہ کیا ہے۔

(الاسرار، ص ۱۹۳/مختصر المقاصد، ص ۱۶۱/المقاصد الحسنة، ص ۳٤٦/موضوعات الصغانی: ج ۱/۳ ٤ کشف الخفاء: ج ۱/ص ۱۱۶، ۱٥٤، ۱۶۱، ج ۲/ص ۱۲٤، ۱۶۰، ۲۲۹، ۳۲۱)

☆☆☆☆☆

(۶۰) لو كشف الغطاء ما ازددت يقيناً

ترجمہ: اگر (غیب کی چیزوں سے) پردہ ہٹا دیا جائے پھر بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ یہ جملہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ مگر علامہ قشیریؒ نے اپنے رسالہ کے اندر باب الیقین میں لکھا ہے کہ عامر بن عبداللہ بن

عبد قیسؒ کا قول ہے، شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ نے ملا علی قاریؒ کی موضوعات صغریٰ (المصنوع) کے حاشیہ میں عامر بن قیس کی ترجمہ کے تحت لکھا ہے کہ یہ عامر بن قیس نسبۃً تمیمی عنبری ہیں، اہلِ زہد و عبادت تابعین کے سرداروں میں سے ہیں، بصرہ میں تابعین میں سب سے پہلے مسائل حج کی معلومات انہوں نے حاصل کی "راھب ھذہ الامۃ" کے لقب سے موسوم تھے۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن سیکھا اور انہیں سے حج اور دوسری عبادات کے مسائل خصوصیت کے ساتھ حاصل کیے، متعدد صحابہ کرامؓ سے انہوں نے ملاقات کی ہے اور ان سے روایات بھی لی ہیں، اور ان سے حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ نے روایات لی ہیں، اویس قرنیؒ اور ابو مسلم خولانیؒ کے معاصرین میں ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں ان کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے اُوپر یومیہ ایک ہزار رکعت (نفل) فرض کر رکھی تھی۔

پھر حافظؒ نے ان کی کئی عظیم کرامتیں بھی ذکر فرمائی ہیں۔ ۵۵ھ میں بیت المقدس میں ان کی وفات ہوئی۔ (المصنوع:ص ۱٤۹؛ الأسرار المرفوعة:ص ۱۹۳)

☆☆☆☆☆
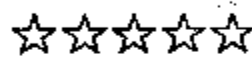
(٦١) لولاک لما خلقت الأفلاک

ترجمہ: (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔

حکم: ان الفاظ میں موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ، امام شوکانیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ، امام صغانیؒ، شیخ البانیؒ شیخ عجلونیؒ اور شیخ ابن درویشؒ ان سبھی حضرات نے اس کو موضوع بتلایا ہے۔

ملا علی قاریؒ اس روایت کو موضوعات میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"قال الصغانی انه موضوع کذا فی الخلاصة لکن معناه صحیح فقد روی الدیلمی عن ابن عباسؓ مرفوعًا اتانی جبرئیل فقال یا محمد! لولاک لما خلقت الجنة ولولاک لما خلقت النار، و فی روية ابن عساکر: لولاک لما خلقت الدنیا"۔ (الأسرار المرفوعة: ۱۹۴؛ کنز العمال: ۲۵ تا ۳۲)

یعنی علامہ صغانیؒ نے فرمایا کہ یہ روایت موضوع ہے لیکن اس کا مضمون اپنی جگہ صحیح ہے، اس لیے کہ دیلمیؒ نے ابن عباس سے مرفوعاً نقل فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت اور جہنم کو پیدا نہ کرتا۔ اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ اے محمد! اگر آپ کو پیدا نہ کرنا ہوتا تو میں دنیا کو نہ بناتا۔

اسی طرح "کنز العمال: ۳۸-۳۲" میں وارد ہے، آدم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "لولا محمد ما خلقتک"۔ یعنی اگر محمد کو پیدا کرنا نہ ہوتا تو اے آدم تم کو بھی پیدا نہیں کرتا۔

معلوم ہوا کہ "لولاک لما خلقت الافلاک" کے الفاظ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں مگر اس کا مضمون معتبر ہے۔

(المصنوع: ص ۱۵۰؛ الفوائد المجموعة: ص ۳۲۶؛ کشف الخفاء: ج ۱/ ص ۴۵؛ تذکرة الموضوعات: ج ۱/ ص ۲۱۲؛ موضوعات الصغانی: ج ۱/ ص ۳؛ سلسلة الأحادیث الضعیفة: ج ۱/ ص ۴۵۰)

☆☆☆☆☆
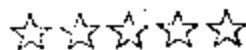
(۶۲) لهدم الكعبة حجرًا حجرًا أهون على اللّٰه مَن قتل المسلم

ترجمہ: کعبہ کی ایک ایک اینٹ نکال کر منہدم کر دینا اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایک مسلمان کی جان لینے سے کم درجہ کا گناہ ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ ابن السید درویشؒ اور علامہ پٹنیؒ وغیرہم اس روایت کو موضوع کہتے ہیں۔

نیز فرماتے ہیں کہ روایت کے الفاظِ مذکورہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہیں، لیکن اس کے مضمون سے ملتی جلتی متعدد روایتیں موجود ہیں۔ مثلاً:

(الف) عن أنس قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من اذى مسلمًا بغير حق فكانما هدم بيت اللّٰه تعالىٰ. (رواه الطبراني في الصغير)

یعنی حضرت انسؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی مسلمان کو ناحق تکلیف دی اس نے گویا بیت اللہ کو منہدم کر دیا۔

(ب) عن عبد اللّٰه بن عمر و بن العاص قال رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يطوف بالكعبة ويقول ما اطيبك وأطيب ريحك وأعظم حرمتك؟ و الّذى نفس محمد بيده لحرمة المؤمن، اعظم عند اللّٰه حرمة منك ماله و دمه وان نظن به الا خيرًا. (رواه ابن ماجه : الفتن حرمة دم المؤمن وماله: ۳۹۳۲)

یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ طواف کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے، کہ اے کعبہ! تو کتنا پاکیزہ ہے اور

تیری خوشبوں کس قدر پاکیزہ اور تیری شان کیسی عظیم! مگر اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، ایک مومن کی جان وَمال کی عظمت تجھ سے بڑھ کر ہے اس لیے ہم کو مومن کے ساتھ ہمیشہ اچھا گمان رکھنا چاہیے۔

(ج) عن بريدة ان النبي صلى الله عليه وسلم قال قتل المؤمن أعظم عند الله من زوال الدنيا. (رواه النسائي)

یعنی حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مؤمن کا قتل اللہ کے نزدیک دنیا کے زوال سے زیادہ بڑھ کر ہے۔

(د) عن عبد الله بن عمرو بن العاص ان النبي صلى الله عليه وسلم قال لزوال الدنيا أهون عند الله من قتل رجل مسلم. (رواه النسائي والترمذي)

یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کا زوال اللہ کی نگاہ میں ایک مسلمان کے قتل کے مقابلہ میں معمولی بات ہے۔

(ھ) عن البراء بن عازب ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لزوال الدنيا أهون على الله من قتل مؤمن بغير حق. (رواه ابن ماجه)

یعنی حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پوری دنیا کا ختم ہو جانا اللہ کی نگاہ میں ایک مومن شخص کے ناحق قتل کے مقابلہ میں بے قیمت ہے۔

(اسنى المطالب: ص ١٩٢؛ المقاصد الحسنة: ص ٣٤٠؛ الأسرار المرفوعة: ص ١٨٩؛ المصنوع: ص ١٤٦؛ تذكرة الموضوعات: ص ١٨٤؛ كشف الخفاء ج ٢/ص ١٥)

☆☆☆☆☆

(۶۳) گلاب کے پھول سے متعلق روایات

(۱) لیلة اسری بی الی السماء سقط الی الأرض من عرقی فنبت منه الورد فمن احب ان یشم رائحتی فلیشم الورد.

ترجمہ: معراج کی رات مجھے آسمان کی سیر کرائی گئی تو زمین پر میرا پسینہ ٹپکا جس سے گلاب کا پھول اُگا، پس جس کو یہ پسند ہو کہ میری خوشبو سے لطف اندوز ہو تو اس کو گلاب کو سونگھ لینا چاہیے۔

(۲) لما عرج بی الی السماء بکت الار ض من بعدی فنبت اللصف من مائها فلماانی رجعت قطر من عرقی علی الارض نبت منه ورد احمر الا من اراد ان یشم رائحتی فلیشم الوردالاحمر.

ترجمہ: جب مجھ کو معراج میں آسمان پر بلایا گیا تو زمین میرے جانے کے بعد رونے لگی جس کے آنسوؤں کے قطرے سے سفید پھول والا ایک خاردار درخت پیدا ہوا، پھر جب میں واپس ہوا تو میرے پسینے کے کچھ قطرے زمین پر پڑے جس کی برکت سے سرخ گلاب کا پھول اُگا، سنو! جس شخص کو میری خوشبو سونگھنا مقصود ہو وہ سرخ گلاب کا پھول سونگھ لے۔

(۳) الورد الابیض خلق من عرقی لیلة المعراج وخلق الورد الاحمر من عرق جبریلؑ وخلق الورد الا صفر من عر ق البراق.

ترجمہ: سفید گلاب کا پھول لیلۃ المعراج میں میرے پسینے سے پیدا کیا گیا، اور سرخ گلاب کا پھول جبریل کے پسینے سے، اور زرد گلاب کا پھول براق کے پسینے سے۔

(۴) من اراد ان یشم رائحتی فلیشم ر ائحة الورد.

ترجمہ: جس کو خواہش کو کہ میری خوشبو سے محظوظ ہو تو اس کو گلاب کی خوشبو سونگھ لینا چاہیے۔

(۵) من اراد ان یشم رائحتی فلیشم رائحة الورد الاحمر.

ترجمہ: جس کو میری خوشبو سونگھنا مقصود ہو تو وہ سرخ گلاب کا پھول سونگھ لے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ، امام سیوطیؒ، امام نوویؒ، ابن الجوزیؒ، علامہ طاہرؒ، امام صغانیؒ، وغیرہم یہ تمام محدثینؒ ان تمام روایات کو موضوع قرار دیتے ہیں، عبارات ذیل سے معلوم ہوگا کہ بعض محدثینؒ نے بعض روایات کی اور بعض نے بعض کی اور کچھ حضرات نے تو یہ کلیہ ہی بیان کردیا کہ اس عنوان پر نقل کی جانے والی تمام ہی روایات غیر معتبر اور گھڑی ہوئی ہیں۔

علامہ ابن الجوزیؒ نے روایات مذکورہ کی سند پر کلام کرتے ہوئے لکھا کہ یہاں کل روایات ہیں جو چار صحابۂ کرامؓ سے منقول ہیں۔

پہلی روایت حضرت علیؓ سے مروی ہے جس کی سند اس طرح ہے:

انبأنا ابو القاسم بن السمرقندی أنبأنا اسماعیل بن مسعدة أنبأنا حمزة بن یوسف حدثنا ابن عدی حدثنا الحسن بن علی العدوی حدثنا محمد بن صدقة العنبری و محمد بن تمیم و ابراهیم بن موسیٰ قالوا حدثنا موسیٰ بن جعفر عن ابیه جعفر عن محمد عن أبیه علی عن ابیه الحسین عن أبیه علی بن ابی طالب رضی اللّٰه عنه قال، قال: رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم لیلة اسری بی .. . الحدیث.

یہ روایت گھڑ کر اہل بیت رضوان اللہ علیہم کی طرف منسوب کردی گئی ہے اس میں

محمد بن صدقہ اور ابراہیم بن موسیٰ اور محمد بن تمیم غیر معروف راوی ہیں، اور حسن بن علی عدوی پر وضع حدیث کی تہمت ہے یہ شخص محدثین کے نزدیک وضع فی الحدیث میں مشہور ہے۔

دوسری روایت حضرت انسؓ سے مروی ہے جس کی دو سندیں پائی جاتی ہیں۔

جس کی پہلی سند اس طرح ہے:

"انبأنا محمد بن ناصر انبأنا عبد المحسن بن محمد بن علی انبأنا اصمد بن عمر بن روح النهروانی انبأنا القاضی أبو الفرج المعانی بن زکریا حدثنا الليث بن محمدبن الليث المروزی حدثنا أبو الحسن صعصعه بن الحسن الرقی حدثنی محمد بن عنبسة بن حماد حدثنا ابی عن جعفر بن سليمان عن مالک بن دينار عن انس بن مالک قال، قال: رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم لما عرج بی الی السماء .....الحديث".

دوسری سند اس طرح ہے:

"ابوالحسين بن فارس فی کتاب الريحان والراح قال حدثنامكی بن نبدار حدثنا الحسن بن علی بن عبد الواحدالمقدسی حدثنا هشام بن عمار حدثنا مالک بن انس عن الزهری عن انس قال، قال: رسو ل الله صلی الله عليه وسلم الورد الابيض .... الحديث".

ان دونوں سندوں کے متعلق ابن الجوزیؒ کا کہنا ہے کہ پہلی سند میں کئی نا معلوم مجہول راوی پائے جاتے ہیں، اور دوسری سند میں حسن بن علی مقدسی پر وضع حدیث کی تہمت ہے، امام سیوطیؒ اللآلی میں ابن عساکر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ شیخ ابوالنجیب الرومی کا فیصلہ ہے کہ حسن بن علی مقدسی مجہول راوی ہیں اور یہ حدیث "الورد الابيض ...." موضوع

ہے، کسی نے اس سند کے ساتھ گھڑ کر پیش کر دیا ہے، پھر امام ابن حجر عسقلانی اور حافظ ذہبی کے حوالہ سے اس روایت کا بطلان ذکر فرمایا ہے، چناں چہ فرماتے ہیں: "**وفی اللسان" الحسن بن عبد الواحد قال ابن ناصر اتهم روی حديثاً فی الورد لا اصل له وقال فی الميزان باطل**". (اللآلی المصنوعة ج ۲ ص ۲۷۶)

ترجمہ: لسان المیزان میں ابن حجر عسقلانیؒ نے ابن ناصر کے حوالہ سے بتلایا کہ حسن بن عبدالواحد بن علی متہم ہے اور اس کی ذکر کردہ حدیث الورد کی کوئی اصل نہیں ہے موضوع ہے؛ اور حافظ ذہبیؒ نے بھی میزان الاعتدال میں اس کو باطل قرار دیا ہے۔

چوتھی روایت حضرت جابرؓ سے مروی ہے، جس کی سند اللآلی المصنوعۃ میں اس طرح مذکور ہے "**رواه احمد بن يحيیٰ التلهی عن ابيه عن جده عن الاعمش عن ابن المنكدر عن جابر رضی الله عنه مرفوعًا من اراد ان يشم ... الحديث**" اس روایت کی سند میں احمد ہے جس کے متعلق امام دارقطنی نے کہا کہ وہ متروک ہے۔

پانچویں روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جس کی سند اس طرح ہے: "**ابو الحسن بن فارس قال روی هشام بن عروة أبيه عن عائشة رضی الله عنه قالت: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من اراد ان يشم .... الحديث**" اس کے متعلق ابن جوزیؒ نے کہا کہ **ماروا ه ابن هشام قط قال محمد بن ناصر لا اصل لهذا الحديث.**

(الموضوعات: ج۳/ص ۱۶۱؛ المقاصد: ج ۱/ص ۱۳۰؛ الاسرار: ص ۱۳۴؛ تنزیه الشریعة: ج ۲/ص ۲۷۰؛ موضوعات الصغانی ج ۱/ص ۳؛ اللآلی ج۲ ص ۲۷۵؛ تذکرة الموضوعات: ج ۱/ ص ۱۶۱؛ المصنوع: ص ۲۰۳؛ الدرر المنتثرة: ج ۱/ ص ۲۳)

☆☆☆☆☆

(۶۴) لي مع الله وقت لا يسع فيه ملك مقرب و لا نبي مرسل

ترجمہ: مجھ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک گھڑی نصیب ہوتی ہے جس میں کسی مقرب فرشتے اور کسی نبی مرسل کی بھی شرکت نہیں ہوتی۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، شیخ عجلونیؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ ابن السید درویشؒ یہ سبھی حضرات اس روایت کو موضوع کہتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ نے ''المصنوع: ۱۵۱'' میں لکھا ہے کہ: ''من كلام الصوفية وليس بحديث''۔

یعنی یہ روایت کلام صوفیہ کے قبیل سے ہے، حدیث نہیں ہے۔

امام سخاویؒ ''المقاصد الحسنۃ: ۳۵۶'' میں لکھتے ہیں کہ ''يذكره المتصوفة كثيرًا و هو في رسالة القشيري لكن بلفظ ''لي مع الله وقت لا يسعني غير ربي''.

اہل تصوف اس روایت کو بکثرت بیان کرتے ہیں اور امام قشیریؒ کے رسالہ میں بھی ''لي مع الله وقت لا يسعني غير ربي'' کے الفاظ کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے۔

(المقاصد الحسنة: ص ۳۵٦؛ کشف الخفاء: ج ۲/ ص ۱۷۳؛ المصنوع: ص ۱۵۱؛ الأسرار المرفوعة: ص ۱۹۷)

☆☆☆☆☆

(۶۵) ما تعاظم علی أحد مرتین

ترجمہ: کوئی شخص ایک سے زائد مرتبہ مجھ پر حاوی نہیں ہوسکتا۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

امام سخاویؒ نے لکھا ہے کہ

"هو من كلام غير واحد من السلف، ففي المجالسة للدينوري عن الاصمعي قال: قال اعرابي اتاه على احد مرتين قيل و كيف ذاك قال انه اذاتاه على مرة لم اعد اليه"۔

یعنی اسلاف میں متعدد حضرات سے اس قسم کا کلام منقول ہے، علامہ دینوریؒ کی کتاب "المجالسة" میں ہے کہ امام اصمعیؒ نے بتلایا کہ ایک اعرابی نے کہا مرے اوپر کسی نے ایک سے زائد مرتبہ اپنا زور نہیں دکھایا اس لیے کہ جب کسی نے اس قسم کی حرکت کی تو میں دوبارہ اس کے قریب نہیں گیا۔

تنبیہ: یہ روایت حدیث نبوی تو نہیں ہے، مگر ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مضمون صحیحین کی ایک حدیث میں مذکور ہے، جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: " لا يلدغ المؤمن من جحر مرتين" مومن بندہ ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا ہے۔

اس کی توضیح میں شیخ عبدالفتاح "المصنوع" کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ کفار میں ابو عزه الجمحي ایک شاعر تھا وہ غزوۂ بدر کے موقع پر قید کیا گیا تو اس نے اپنی رہائی کے

لیے یہ حیلہ اختیار کیا کہ منہ بنا کر عاجزی کے ساتھ کہتا ہے کہ یا رسول اللہ آپ کو معلوم ہے کہ میں صاحب اہل وعیال تنگ دست آدمی ہوں، آپ مجھ پر احسان کر دیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری درخواست منظور ہے اس شرط کے ساتھ کہ آئندہ تو اپنے اشعار میں میرے خلاف کوئی بات نہ کرے گا؛ اس شرط پر آپ نے اس کو چھوڑ دیا، لیکن اگلے سال غزوۂ احد کے موقع پر پھر مشرکین کے ساتھ وہ میدان میں آیا اور اپنی کلابازیاں دکھلا رہا تھا، کفار کو مسلمانوں کے خلاف ابھار رہا تھا، اسی دوران وہ دوبارہ قید کر لیا گیا، پھر وہ وہی باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا کہ آپ مجھ پر احسان کر دیجیے، آپ نے اس وقت یہ جملہ ارشاد فرمایا: "لایلدغ المؤمن من جحر مرتین" مومن ایک بل سے دوبار نہیں ڈسا جاتا، اگر آج تم کو دوبارہ چھوڑ دیا جائے تو تو مکہ پہنچتے ہی یہ کہے گا کہ میں نے محمد کو دو مرتبہ دھوکہ دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم فرمایا اور وہ قتل کر دیا گیا۔

(المصنوع:ص ۱٦٠، بحواله جمهرة الامثال لأبي هلال العسكري:ج ۲ ص ۲٦٢؛ مجمع الامثال للميداني:ج ۲/ص ۱۱۰؛ الأسرار المرفوعة:ص ۲۰۱؛ المقاصد الحسنة:ص ۳٦٥؛ كشف الخفاء:ج ۲/ص ۱۸٤)

☆☆☆☆☆

(٦٦) ما من نبي نبي إلا بعد الأربعين

ترجمہ: ہر نبی کو نبوت چالیس سال کے بعد دی گئی ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام ابن الجوزیؒ، امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، امام سیوطیؒ، شیخ عجلونیؒ یہ تمام حضرات اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

امام سخاویؒ لکھتے ہیں: ''قال ابن الجوزی انه موضوع، لان عیسی علیه السلام نبی ورفع الی السماء و هو ابن ثلاثة وثلاثین سنة؛ فاشتراط الاربعین فی حق الانبیاء لیس بشیء''۔

یعنی علامہ ابن الجوزیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث موضوع غیر معتبر ہے۔ اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو نبی بنایا گیا پھر آسمان پر اٹھایا گیا جب کہ آپ کی عمر کل ۳۳ سال تھی، لہٰذا چالیس سال کی قید مسئلہ نبوت میں کچھ معنی نہیں رکھتی۔

(المقاصد الحسنة:ص ٣٧٢؛ الدرر المنتثرة ج١ص ١٧؛ كشف الخفاء:ج٢/ص ١٩٤؛ المصنوع:ص ١٦٣؛ الأسرار المرفوعة:ص ٢٠٥)

☆☆☆☆☆

(٦٧) ما وسعنی أرضی و لا سمائی و وسعنی قلب عبدی المؤمن (وفی روایة) المؤمن اللین الوادع

ترجمہ: مجھ کو نہ زمین سما سکی نہ آسمان، لیکن میرے مومن بندہ کے دل نے مجھے سمو لیا۔

اور ایک روایت میں ہے نرم ورقیق دل والے مومن بندے کے دل نے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام غزالیؒ نے یہ روایت ''احیاء'' میں درج کی ہے، مگر احادیث احیاء کی تخریج کرنے والے شیخ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ " لم ارله اصلا " مجھے اس کی کوئی اصل نہیں ملی۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت اسرائیلیات میں سے ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی سند سے اس کا ثبوت نہیں ہے۔

امام زرکشیؒ کا کہنا ہے کہ یہ روایت کسی ملحد کی گھڑی ہوئی ہے۔

امام سیوطیؒ اور امام سخاویؒ نے وہب بن منبہ کی سند سے ایک اسرائیلی روایت اسی انداز کی ذکر فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ: "ان اللّٰہ فتح السمٰوات لحزقیل حتی نظر إلی العرش فقال حزقیل سبحانک ما اعظمک یا رب فقال اللّٰہ تعالٰی ان السمٰوات و العرش ضعفن عن ان یسعنی و وسعنی قلب عبدی المؤمن اللین الوداع"۔

یعنی حضرت حزقیل علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو کھولا یہاں تک کہ ان کی نگاہ عرش تک پہونچ گئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے پروردگار! آپ کی ذات کس قدر پاک ہے، آپ کتنی عظمتوں والے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اے حزقیل! یہ آسمان اور عرش یہ سب میری محبت و معرفت کا بوجھ اٹھانے سے عاجز رہے لیکن میرے مومن بندہ کے نرم و نازک دل نے یہ دولت سنبھالی۔

اسی طرح علامہ طاہر پٹنیؒ، علامہ ابن عراق کنانیؒ، صاحب اتحاف السادۃ المتقین علامہ زبیدیؒ وغیرہم نے روایت مذکورہ بالا (ما وسعنی ارضی ......) کو بے سند اور موضوع قرار دیا ہے۔

تنبیہ: علامہ عراقیؒ، امام سخاویؒ، شیخ النجمؒ اور شیخ عجلونیؒ نے اس روایت کے وضع کیے جانے کی بنیاد کی طرف کچھ اشارہ فرمایا کہ ابن ماجہ اور طبری میں ایک روایت ابوعتبہ الخولانی سے مرفوعاً اسی انداز کی مروی ہے، وہ یہ ہے کہ "ان للّٰہ آنیۃ من أھل الأرض و آنیۃ ربکم قلوب عبادہ الصالحین واحبھا إلیہ الینھا وارقھا"۔

یعنی روئے زمین پر کچھ اللہ کے برتن ہیں تمہارے رب کے برتن نیک بندوں کے دل ہیں، اور دلوں میں سب سے زیادہ پیارے اللہ کی نگاہ میں نرمی ورقت والے دل ہیں۔

یعنی اس روایت کا مضمون چوں کہ قلب مومن کی اہمیت وعظمت کو بتلا رہا ہے اس لیے بہت ممکن ہے کسی نے یہیں سے مدد لے کر " ما وسعنی ارضی" اور" القلب بیت الرب" والی بات کہی ہو پھر یہ حدیث نبوی کی حیثیت سے مشہور ہوگئی ہو۔

☆☆☆☆☆
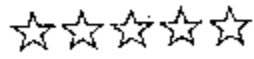
(۶۸) مداد العلماء أفضل من دماء الشهداء

ترجمہ: علماء کی روشنائی شہداء کے خون سے افضل ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: شیخ خطیب بغدادیؒ نے فرمایا کہ یہ روایت موضوع ہے، علامہ زرکشیؒ نے اس کو موضوع قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ حدیث نبوی نہیں، بل کہ حضرت حسن بصریؒ کا کلام ہے، شیخ عجلونیؒ اور شیخ ابن السید درویشؒ اور صاحب اسنی المطالبؒ نے بھی اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔

امام سخاویؒ کے نزدیک بھی یہ حدیث موضوع ہے، چناں چہ وہ فرماتے ہیں: "رواہ المنجنیقی فی روایة الکبار عن الصغار له عن الحسن البصریؒ وقال الزرکشیؒ نقلاً عن الخطیبؒ موضوع، و قال: هذامن کلام الحسن"۔

امام سیوطیؒ نے اس کو موضوعات میں شمار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "قال الخطیبؒ انه موضوع"۔

تنبیہ(۱): یہ روایت ان الفاظ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، مگر کلمات ذیل میں کچھ اسی انداز کا مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

(الف) رواہ ابن عبد البر فی فضل العلم عن سماک بن حرب عن ابی الدرداء مرفوعًا "یوزن یو م القیامة مداد العلماء و د م الشهداء"۔

یعنی: قیامت کے دن علماء کی روشنائی اور شہداء کا خون تولا جائے گا۔

(ب) خطیبؒ نے تاریخ بغدادؒ میں اس کو اس طرح نقل کیا ہے "نافع عن ابن عمر رفعه. وزن حبر العلماء بدم الشهداء فرجح عليهم". و فی سنده محمد بن جعفر اتهم بالوضع"۔

یعنی علماء کی روشنائی کو شہداء کے خون کے ساتھ وزن کیا جائے گا تو علماء کی روشنائی وزن دار ہو جائے گی۔

لیکن اس کی سند میں محمد بن جعفر آیا ہے، جو متہم بالوضع ہے، اس لیے یہ روایت غیر معتبر اور موضوع ہے، مگر اس کے آگے علامہ طاہر پٹنیؒ لکھتے ہیں کہ "لکنه متابع" اگرچہ اس کی یہ سند متہم بالوضع ہے مگر دوسری سندوں سے اس کی متابعت ثابت ہے۔

(ج) دیلمیؒ نے اس روایت کو اس طرح نقل کیا ہے: "عبد العزيز بن رواد عن نافع به بلفظ: يوزن حبر العلماء و دم الشهداء فيرجح ثواب حبر العلماء على ثواب دم الشهداء". (المقاصد: ص ۳۷۷)

(د) اس روایت کو شیرازیؒ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔

(ھ) علامہ موہبیؒ نے اس کو عمران بن الحصین کی سند سے ذکر کیا ہے۔

(و) ابن الجوزیؒ نے اپنی علل میں نعمان بن بشیر کے حوالہ سے لکھا ہے، جیسا کہ شیخ عجلونیؒ، ان تمام اسانید طرق کے بعد لکھتے ہیں کہ "قال المناوی و اسانيده ضعيفة لكن يقوى بعضها بعضًا"۔

یعنی امام مناویؒ نے فرمایا کہ اس کی سندیں ضعیف ہیں لیکن بعض بعض سے مل کر قوی ہوجاتی ہیں۔

خلاصہ: یہ ہے کہ "مداد العلماء افضل من دماء الشهداء" کے الفاظ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہیں، لیکن دوسرے الفاظ میں یہ مضمون حدیث شریف میں وارد ہوا ہے، اگرچہ اس کی اسانید ضعیف ہیں مگر باہمی متابعت کی وجہ سے قوت آجاتی ہے۔

تنبیہ(۲): یہ روایت اگرچہ حدیث سے ثابت نہیں ہے مگر اس کا مضمون صحیح ہے، کیوں کہ یہ سچ ہے کہ علماء کی روشنائی (ان کی تحریروں) سے جس قدر امت کو نفع پہنچتا ہے، شہداء کے خون سے اس قدر نہیں پہنچتا، علماء کی تحریر کا نفع متعدی ہے خود ان کو بھی پہنچتا ہے اور دوسروں کو بھی، اور شہداء کے خون کا نفع لازم ہے، جو اسی کی ذات تک محدود رہتا ہے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: "قلت و معناه صحيح لان نفع دم الشهيد قاصر و نفع قلم العالم متعد حاضر"۔(الاسرار المرفوعة: ص ۲۰۸)

یعنی میں کہتا ہوں کہ شہید کی شہادت کا فائدہ صرف اس کی ذات کو پہنچتا ہے اور بس مگر عالم کے قلم کا نفع دوسروں تک متعدی ہوتا ہے اور دیرپا ہوتا ہے۔

تنبیہ(۳): اسی سے ملتی جلتی ایک اور روایت نقل کی جاتی ہے وہ بھی موضوع ہے وہ یہ ہے:

"نقطة من دواة عالم احب إلى الله من عرق مأة ثواب شهيد"۔

یعنی: عالم کی روشنائی کا ایک نقطہ (قطرہ) اللہ تعالیٰ کے نزدیک سو شہیدوں کے پسینے سے زیادہ محبوب ہے۔

اس روایت کو علامہ طاہر پٹنیؒ نے "تذكرة الموضوعات" میں امام سیوطیؒ کی "الذیل" کے حوالے سے نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ: موضوع رتني. (رتن ہندی کی گھڑی ہوئی ہے)

رتن ہندی کون؟:

ہندوستان میں ایک شخص گذرا ہے جس کا نام تھا، رتن، اس کے متعلق علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے:

و ما ادراک ما رتن؟ شیخ دجال بلا ریب، ظهر بعد ستمائة فادعی الصحبة، والصحابة لا یکذبون، و هذا جرئ علی اللّٰه و رسوله. و قد ألفت فی أمره جزءًا. و قد قیل: انه مات سنة اثنتین و ثلاثین و ستمائة. و مع کونه کذابًا فقد کذبوا علیه جملة کبیرة من أسمج الکذب و المحال.

(میزان الاعتدال: ۲/۴۵)

تمہیں معلوم ہے، رتن ہندی کیا ہے؟ بلاشبہ وہ دجال ہے، چھ سو سال کے بعد ظاہر ہوا اور خود کے صحابی ہونے کا دعویٰ کیا، صحابہ تو جھوٹ نہیں بولتے تھے اور یہ شخص اللہ اور اس کے رسول پر بڑا اجری ہے، میں نے اس کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے کہا گیا ہے کہ اس کا انتقال ۶۳۲ھ میں ہوا ہے، اس کے کذاب ہونے کے باوجود لوگوں نے اس کی طرف نسبت کرکے بدترین قسم کے جھوٹ اور محال باتوں کو وضع کیا ہے۔

امام ذہبیؒ نے فرمایا کہ میں نے رتن ہندی کے سلسلہ میں ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا نام "جـزء کـسـروثن رتن" ہے اس رسالہ میں امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو ایک نوشتہ ہاتھ لگا جس میں رتن نے تین سو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے ذکر کی ہیں۔

رتن کی روایات کے کچھ نمونے حافظ ذہبیؒ کے حوالہ سے:

(۱) رتن نے بتلایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خندق کی کھدائی میں شامل تھا۔

(۲) حضرت فاطمہؓ وعلیؓ کی شادی ورخصتی اور زفاف کے موقع پر میں موجود تھا، وہاں گانے والے گا رہے تھے اور ہمارے دل سینوں میں اچھل رہے تھے، اور ہم رقص کر رہے تھے۔ پھر صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے رات کی کہانی پوچھی ہم نے پوری بات بتلا دی؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نکیر نہیں فرمائی بل کہ ہم کو دعائیں دی اور ارشاد فرمایا: "اخشوشنوا و امشوا حفاۃ تروا اللّٰہ جھرۃ"۔

ترجمہ: کھردرے کپڑے پہنو اور ننگے پاؤں چلا کرو تو اللہ کا کھلم کھلا دیدار کروگے۔

(۳) اسی طرح رتن نے ایک حدیث یہ بھی سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ذرۃ من اعمال الباطن خیر من الجبال الرواسی من اعمال الظاھر"۔

ترجمہ: اعمال باطنہ کا ایک ذرہ، اعمال ظاہرہ کے بڑے بڑے پہاڑوں سے بہتر ہے۔

یہ ساری روایتیں من گھڑت ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان میں سے کوئی بھی روایت ثابت نہیں۔

(تذکرۃ الموضوعات: ۱/۲۲۳؛ المقاصد الحسنۃ: ۳۷۷؛ تاریخ بغدادی للخطیب: ۲/۱۹۳؛ کشف الخفاء: ۲/۲۰۰؛ الأسرار المرفوعۃ: ۲۰۷؛ الدرر المنتثرۃ: ۱/۱۷؛ اسنی المطالب: ۲۱۳)

☆☆☆☆☆

(۶۹) المریض انینہ تسبیح، وصیاحہٗ تکبیر، ونفسہ صدقۃ، و نومہ عبادۃ وتقلبہ من جنب إلی جنب جھاد فی سبیل اللّٰہ

ترجمہ: مریض کا آہ اُوہ کرنا تسبیح ہے، اس کا چیخنا چلانا تکبیر ہے۔ اس کا سانس لینا صدقہ ہے، اس کا سونا عبادت ہے، اور اس کا ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر الٹ پلٹ کرنا اللہ کے راستہ میں جہاد ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔

امام سخاویؒ روایت مذکورہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں" قال شیخنا انه لیس بثابت" ہمارے شیخ یعنی علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث ثابت نہیں۔

بل کہ امام سخاویؒ نے چند ایسے آثار نقل کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مریض کے صبر کا کمال یہ ہے کہ وہ مرض کی وجہ سے آہ اُوہ نہ کرے، کیوں کہ اس میں بے صبری پھر اللہ تعالیٰ کی شکایت کا پہلو ہے۔ مثلاً:

(الف) امام بیہقیؒ نے لکھا ہے کہ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی آزمائش کے زمانہ میں ایسا صبر پیش کیا کہ ابلیس کو سوائے ان کی آہ، اوہ کے کوئی چیز نہیں ملی۔

(ب) وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دشمن سے بچنے کے لیے درخت کی پناہ لی، اور آرہ درخت پر چلا یہاں تک کہ ان کی پیٹھ تک پہنچا تو آہ کرنے لگے، اس موقع پر اللہ کا حکم آیا" اے زکریا! یہ آہ اوہ بند کرو، ورنہ ہم زمین اور زمین کے اوپر جتنے لوگ ہیں سب کو الٹ دیں گے" پھر حضرت زکریا علیہ السلام خاموش ہو گئے، اور آرہ آپ پر چلایا گیا، یہاں تک کہ دو حصوں میں آپ کو چیر دیا گیا۔

(ج) امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے والد گرامی جب سخت مریض ہوتے اس وقت بھی کوئی آہ نہیں کی، اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ

مجھے حضرت طاؤسؒ کی یہ بات پہنچی ہے کہ مریض کی آہ کرنا اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنے کے مترادف ہے، عبد اللہ فرماتے ہیں کہ پھر تو ہمارے والد نے موت تک کبھی بھی آہ نہیں کی۔

(د) بیہقی کی روایت میں ہے کہ فضیل بن عیاضؒ کے صاحبزادے بیمار تھے تو آپ نے فرمایا کہ اے بیٹے دیکھو یہ مرض اللہ تعالیٰ نے دیا ہے پھر آہ کرنے کا کیا مطلب؟ اس پر ان کے بیٹے نے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو گئے۔ حضرت فضیل بیٹے! بیٹے! کی آواز دے رہے ہیں مگر بیٹے نے ایک آہ بھی نہیں کی اور دنیا سے رخصت ہو گئے۔

(ہ) ذوالنون مصریؒ ایک مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، وہ آہ کر رہا تھا تو آپ نے فرمایا وہ شخص اللہ کی محبت میں صادق نہیں، جو اللہ کی مصیبت میں صبر نہ کرے، اس مریض نے کہا کہ نہیں نہیں اللہ کی محبت میں وہ بھی صادق نہیں جس کو اللہ کی دی ہوئی مصیبت میں لذت نہ آئے۔

الحاصل! حالت مرض و مصیبت میں آہ، اوہ نہ کرنا بل کہ اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا، بڑے فضل و کمال کی بات ہے، بل کہ بعض بزرگانِ دین تو آہ اوہ کرنے کے بجائے اللہ کے ذکر اور استغفار و عبادت کا اہتمام کرتے تھے۔

(المقاصد الحسنة: ص ۳۸۱ ؛ تذكرة الموضوعات: ج ۱ ص ۲۰٦ ؛ كشف الخفاء: ج ۲/ص ۲۰٤، الأسرار المرفوعة: ص ۲۰۹ ؛ الفوائد المجموعة: ص ۲٦۲)

☆☆☆☆☆
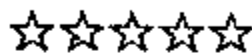
(۷۰) المصائب مفاتیح الأرزاق

ترجمہ: مصیبتیں رزق کی کنجیاں ہیں۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ، علامہ پٹنیؒ، امام صغانیؒ، شیخ نجم الدین الغزیؒ، علامہ ابن الدیبعؒ ان حضرات نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

امام سخاویؒ نے مقاصد میں اس کو نقل کیا ہے لیکن اس پر کوئی کلام نہیں فرمایا ہے مگر اس کے محشی نے لکھا ہے کہ "وهو غير وارد" یعنی یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

ملا علی قاریؒ نے اس کو موضوعات میں شمار کرتے ہوئے موضوعات صغریٰ اور موضوعات کبریٰ دونوں کتابوں میں اس کا ذکر فرمایا ہے، اور شیخ عجلونیؒ نے کہا کہ "و قال في التميز لم يرد مرفوعا بهذا اللفظ، و قال النجم لا اعرفه حديثاً"۔

یعنی علامہ ابن الدیبعؒ نے اپنی کتاب " تمييز الطيب من الخبيث" میں فرمایا کہ ان الفاظ میں یہ روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے۔

اور شیخ نجم الدین غزیؒ نے کہا کہ میرے علم کے مطابق یہ حدیث نہیں ہے۔

فائدہ: ملا علی قاریؒ نے "الاسرار المرفوعة" میں لکھا ہے کہ روایتِ مذکورہ "المصائب مفاتيح الأرزاق" کے مفہوم میں دو احتمال ہیں۔

اول: یہ کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو مصیبت دیتے ہیں تو اس کی تسلی اور مکافات کے لیے اس کے بدلہ میں اس سے بہتر شئ اس کو عطا فرماتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سے مصیبت کے موقع پر اس طرح کی دعا بھی منقول ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دعا میں فرماتے ہیں: "اَللّٰھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرًا منھا".

(صحیح مسلم / الجنائز: ما یقال عند المصیبة: ۱۵۲۵)

یعنی اے اللہ میری مصیبت میں مجھ کو اجر عطا فرما اور اس کے عوض اس سے بہتر شی نصیب فرما۔

دوسرا: احتمال یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ مصائب مصیبت زدہ شخص کے لیے تو پریشانی کی چیز ہوتی ہیں، لیکن دوسرے کئی لوگوں کے فوائد اس سے وابستہ ہوتے ہیں۔
مثلاً: ایک آدمی بیمار ہوتا ہے تو وہ خود مبتلائے مرض ہے مگر معالجین کی روزی اس میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ مثل مشہور ہے "موت الحمیر عرس الکلاب" گدھوں کی موت کتوں کے جشن کا سامان ہوا کرتی ہے۔

(کشف الخفاء: ج۲/ص ۲۱۰؛ المصنوع: ص ۱۷۰؛ الأسرار المرفوعة: ص ۲۱۰؛ المقاصد الحسنة: ص ۳۸۷)

☆☆☆☆☆
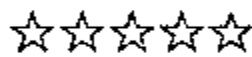
(۱۷) (الف) المعدة بیت کل داء والحمیة رأس کل دواء

ترجمہ: معدہ ہر بیماری کا گھر ہے اور پرہیز ہر دوا کی جڑ ہے۔

(ب) البطنة أصل الداء والحمیة أصل الدواء

ترجمہ: پیٹ بھر کر کھانا ہر بیماری کی جڑ ہے، اور پرہیز ہر علاج کی بنیاد ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ابن الجوزیؒ، علامہ سیوطیؒ، علامہ عجلونیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ، ملا علی قاریؒ یہ تما

محدثین اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

امام سخاویؒ مقاصد (ص ۳۸۹) میں لکھتے ہیں کہ یہ جملہ حدیث نبوی نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے۔ بل کہ عرب کے ایک طبیب حارث بن کلدہ ثقفی طائفی یا کسی اور کا کلام ہے۔

حارث بن کلدہ علامہ ابن عبد البرؒ کی تحقیق کے مطابق اسلام کے ابتدائی زمانہ میں موجود تھا مگر اس کا اسلام لانا ثابت نہیں، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے دواء و علاج سے فائدہ اٹھانے کا حکم دیتے تھے، اس کا یہ کہنا ہے کہ "المعدة بيت الداء و الحمية رأس الدواء" کہ معدہ تمام بیماریوں کا گھر ہے اور کھانے پینے وغیرہ میں پرہیز علاج کی اصل اور شفاء کی جڑ ہے۔

تنبیہ (۱): یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ علاج کے نفع بخش ہونے میں پرہیز کا بڑا دخل ہے۔ چناں چہ سخاویؒ نے ابن ابی الدنیا کے حوالہ سے وہب بن منبہ کا یہ قول ذکر فرمایا ہے کہ "اجمعت الاطباء على ان رأس الطب الحمية، و أجمعت الحكماء على ان رأس الحكمة الصمت"۔

یعنی اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر علاج کی جڑ پرہیز کرنا ہے۔ اور حکماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حکمت کا سرچشمہ خاموشی ہے۔

اور بعض روایات معتبرہ سے بھی کم کھانے اور پرہیز کرنے کی اہمیت ضرور مستفاد ہے مگر مذکورہ بالا روایت حدیث نہیں ہے۔

تنبیہ (۲): روایت مذکورہ کے علاوہ اور دو روایتیں مشہور ہیں، جو اسی مضمون کے قریب قریب ہیں۔

(الف)البطنة اصل الداء والحمية اصل الدواء۔ وعودوا كل بدن بما اعتاد۔

یعنی پیٹ کوضرورت سے زیادہ بھر لینا بیماریوں کی جڑ ہےاور پرہیز کرنا ہرعلاج کی اصل ہے،اور ہر بدن کواسی کا عادی بناؤ جس کی اس میں سکت ہو۔

(ب)المعدة حوض البدن، والعروق إليها واردة، فاذا صحت المعدة صدرت العروق بالصحة، و اذا فسدت المعدة صدرت العروق بالسقم.

یعنی: معدہ بدن کی ٹنکی ہے، اور رگیں اسی ٹنکی سے وابستہ ہیں جب معدہ صحیح ہوتا ہے تو رگیں صحت بہم پہونچاتی ہیں اور جب معدہ خراب ہوتا ہے تو رگیں بیماری پیدا کرتی ہیں، مگر یہ دونوں روایتیں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی قبیل سے نہیں ہیں۔

پہلی حدیث کے متعلق علامہ عراقیؒ نے: لم أجد لهٗ اصلاً کہا اور امام سخاویؒ نے بھی عراقی کی بات کو تسلیم کیا ہے۔

اور دوسری حدیث کو امام دارقطنی نے عبدالملک بن سعید بن جبیر کا کلام بتلایا ہے۔

(تخریج احادیث احیاء: ج ٤ ص ۳ = ۱ ؛ المقاصد الحسنة: ص ۳۸۹ ؛ کشف الخفاء: ج ۲/ص ٤ ۲۱)

تنبیہ (۳): تفسیر کشاف میں ایک حکایت مذکور ہے کہ ہارون رشید کے پاس ایک نصرانی طبیب رہتا تھا جو بڑا ماہر اور واقف فن تھا اس نے ایک دن علی بن الحسین بن واقد سے کہا کہ

"ليس في كتابكم من علم الطب شيء والعلم علمان علم الأديان و علم الأبدان"۔

یعنی تمہاری کتاب (قرآن) میں طب سے متعلق کوئی علم نہیں ہے جب کہ علم دو طرح کے ہیں: "علم الأديان اور علم الأبدان"۔

تو علی بن الحسین نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ساری طب اور طبیات کو قرآن کی آدھی آیت میں جمع کر دیا ہے، اور وہ ہے ''کلوا واشربوا ولا تسرفوا''۔ یعنی کھاؤ، پیو، مگر حد سے تجاوز نہ کرو۔

پھر وہ نصرانی بولا تمہارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے طب کے متعلق کچھ خاص باتیں منقول نہیں ہیں تو علی بن الحسین نے جواب دیا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری طب کو ایک حدیث میں جمع کر دیا ہے وہ یہ ہے: ''المعدة بيت الداء و الحمية رأس كل دواء، اعط كل بدن ما عودته'' یعنی معدہ بیماریوں کا گھر ہے اور پرہیز علاج کی اصل ہے، بدن کو وہ چیزیں دیتے رہا کر جس کا تم نے اس کو عادی بنا رکھا ہے۔

یہ سن کر وہ نصرانی طبیب بولا کہ پھر تو تمہاری کتاب اور تمہارے نبی نے جالینوس کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔

شیخ عجلونیؒ نے لکھا کہ علامہ خفاجیؒ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ امام بیضاوی نے بھی لکھا ہے مگر نصف واقعہ (یعنی کلوا واشربوا ولا تسرفوا) پر اکتفاء کیا ہے، اور حدیث والا مضمون نہیں لکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک اس حدیث کا ثبوت نہیں ہے، اور اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف درست نہیں ہے۔ (کشف الخفاء: ۲/۲۱٤)

علامہ ابن القیمؒ زاد المعاد میں لکھتے ہیں کہ: و اما الحديث الذى على السنة كثير من الناس، "الحمية رأس الدواء والمعدة بيت الداء وعودوا كل جسم ما اعتاد". فهذا الحديث انما هو من كلام الحارث بن كلدة طبيب العرب و لا يصح رفعه الى النبى صلى الله عليه وسلم قاله غير واحد من ائمة المحدثين".

یعنی وہ حدیث جو لوگوں کی زبان زد ہے: ''الحمية رأس الدواء و المعدة

بیت الداء وعود وکل جسم ما اعتاد'' یہ حدیث حارث بن کلدہ کا کلام ہے، جو عرب کا ایک طبیب تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے، بہت سارے اجلہ محدثین نے اس کی صراحت کی ہے۔

ابن الجوزی کہتے ہیں ''هذا الحديث ليس من كلام رسول الله صلى الله عليه وسلم، وفيه جماعة ضعفاء والمتهم برفعه ابراهيم بن جريج''۔

یعنی یہ کلام نبوی نہیں ہے، اور اس کی سند میں ضعیف راویوں کی ایک جماعت پائی جاتی ہے، اور اس کو حدیث مرفوع کہنے والا ابراہیم بن جریج ہے، جو متہم ہے۔

امام دار قطنیؒ کہتے ہیں ''تفرد به، لم يردسنده غيره، وقد اضطرب فيه، وكان طبيبًا فجعل له اسنادًا''۔

ابراہیم اس روایت کی نقل میں متفرد ہے کسی اور نے اس سند سے نقل نہیں کیا ہے، اور اس کا اعتبار نہیں کیا، اور اس کو خود بھی اس میں اضطراب تھا وہ ایک طبیب تھا اور یہ روایت اس کے لیے مفید تھی تو اس نے اس کی سند گھڑ ڈالی، تاکہ یہ جملہ مقبول ہو جائے۔

عقیلی نے کہا: ''هذا الحديث باطل لا أصل له، انما يروى عن ابن الحسن. وقال أبو الفتح الأزدى ابراهيم بن جريج متروك الحديث لا يحتج به''. (الموضوعات:۲/۲۸۴)

حافظ ذہبی نے ان کے متعلق کہا ہے ''ليس بعمدة''۔

(الميزان:۱/۲۵؛ المصنوع مع الحاشية:۱۷۲؛ الأسرار المرفوعة:۲۱۳؛ كشف الخفاء:۲/۲۱۴؛ تذكرة الموضوعات:۲۰۶۱؛ الدرر المنتثرة:۱/۱۷؛ الموضوعات:۲/۲۸۴؛ التذكرة في الأحاديث المشتهرة للزركشي:۱/۱۴۵؛ الحد الحثيث:۱/۲۱۳)

☆☆☆☆☆

(۴۷) عن علي رضي الله تعالىٰ عنه سألت رسول الله صلى الله عليه و سلم عن سنته، فقال "المعرفة رأس مالي، والعقل أصل ديني، و الحب أساسي، و الشوق مركبي، و ذكر الله أنيسي، و الثقة كنزي، و الحزن رفيقي، و العلم سلاحي، و الصبر ردائي، و الرضا غنيمتي، و العجز فخري، و الزهد حرفتي، و اليقين قوتي، و الصدق شفيعي، و الطاعة حبي، و الجهاد خلقي، و قرة عيني في الصلوة".

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ کی سنت یعنی آپ کا محبوب و پسندیدہ طرزِ حیات کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ معرفت حق تعالیٰ میری پونجی ہے، عقل میرے دین کی اصل ہے، محبت میرا بنیادی سرمایہ ہے، شوق الٰہی میری سواری ہے، اللہ تعالیٰ کا ذکر میرے دل کو بہلانے والا یار ہے، خدا پر بھروسہ میرا خزانہ ہے، غم میرا ساتھی ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میری چادر ہے، اللہ کے فیصلہ پر راضی رہنا میری سب سے بڑی کامیابی ہے، عاجزی میرا سرمایہ فخر ہے، زہد میرا پیشہ ہے، یقین میری طاقت ہے، سچائی میری کامیابی کا راز ہے، اطاعت و بندگی میری محبوب شئی ہے، جہاد میری فطرت ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک میں نماز ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ طاہر پٹنیؒ، علامہ عراقی، علامہ شوکانی، شیخ طرابلسی نے اس حدیث کوموضوع قرار دیا ہے۔

علامہ عراقیؒ تخریج احادیث الاحیاء: ج۹/ص۱۹۹ میں لکھتے ہیں کہ "ذکرہ القاضی عیاض من حدیث علی بن ابی طالب ولم اجد له اسنادًا"۔

یعنی: قاضی عیاضؒ نے یہ روایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے ذکر کی ہے، مگر میں نے اس کی کوئی سند نہیں پائی۔

علامہ طاہر پٹنیؒ نے بھی "تذکرۃ الموضوعات: ج۱/ص۸۷" میں یہی بات لکھی ہے کہ "ذکرہ القاضی عیاض و لم یوجد" اس کی سند موجود نہیں۔ شیخ محمد شیشی طرابلسی نے "اللؤلؤ المرصوع: ج۱/ص۱۷۰" میں کہا کہ قال الأئمة موضوع ۔یعنی ائمہ حدیث کا کہنا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

علامہ شوکانیؒ نے اس روایت کے متعلق فرمایا: "آثار الوضع علیه لائحة" وضع کے آثار اس پر ظاہر ہیں۔ (الفوائد المجموعة: ۱/۲۳۱)

البتہ آخری جملہ "قـــرة عینی فی الصلاة" نسائی اور مستدرک حاکم کی روایت میں آیا ہے، نسائی کے الفاظ ہیں "حبب الي من الدنیا النساء و الطیب ، و جعل قرة عینی فی الصلاة" حافظ عراقی نے اس حدیث کی سند کو جید اور حافظ ابن حجر نے نسائی کی سند کو حسن کہا ہے۔

(التلخیص الحبیر: ۳/۱۱۶؛ شرح الاحیار: ۲/۳۲؛ کشف الخفاء: ۲/۷۳؛ سنن نسائی: حدیث نمبر ۳۸۷۸)

☆☆☆☆☆

معلم کی فضیلت پر مشتمل روایات

(۷۳)"المعلمو ن خیر الناس کلما خلق الذکر جددوہ عظموھم و لا تستأجروھم فتخرجوھم فان المعلم اذا قال للصبی قل بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم فقال الصبی بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم کتب اللہ براء ۃ للصبی و براء ۃ لوالدیہ و براء ۃ للمعلم من النار"۔

ترجمہ: معلّمین لوگوں میں چنیدہ جماعت ہوا کرتی ہے، جب جب قرآن بوسیدہ ہوتا ہے، یہ لوگ اس کو تازگی دیتے ہیں، لہٰذا ان کی تعظیم کرو ان کو مزدور بنا کر استعمال نہ کرو، کیوں کہ معلم جب بچہ سے کہتا ہے پڑھ" بسم اللہ الرحمن الرحیم" پھر وہ اس کو پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ جہنم سے نجات کے تین پروانے لکھواتے ہیں، ایک اس بچہ کے لیے، دوسرا اس کے والدین کے لیے، تیسرا اس معلم کے لیے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ ابن الجوزیؒ، امام سیوطیؒ، ابن العراق کنانیؒ، علامہ شوکانیؒ نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

امام سیوطیؒ نے "اللآلی المصنوعۃ" میں اس کی سند ابن مردویہ کے حوالہ سے اس طرح لکھی ہے "حدثنا احمد بن کامل بن خلف حدثنا علی بن حماد بن

السكن حدثنا احمد بن عبد اللّٰه الهروی حدثنا هشام بن سلیمان المخزومی عن ابن ملیکة عن ابن عباس رضي الله عنه مرفوعاً .... الحدیث".

پھراس پرتبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"وضعه الهروی وهو الجویباری".

ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ "هذا الحدیث من عمل الهروی وهو الجویباری وقد سبق القدح فیه انه کذاب"

علامہ ابن العراقؒ نے بھی ابن الجوزیؒ اور سیوطیؒ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اس حدیث کو جویباری کی موضوعات میں شمار فرمایا ہے۔

(الموضوعات ج۱ ص ۱۵۸/ اللآلی المصنوعة ج ۱ص ۱۹۸؛
تنزیه الشریعة ج ۱ ص ۲۵۲/الفوائد المجموعة ص ۲۷۶)

☆☆☆☆☆

(۷۴) معلم کی مذمت پر مشتمل روایات

(الف) "معلمو صبیانکم شرارکم".

(ب) "شرار امتی معلموها".

(ج) "شرارکم معلمو صبیانکم اقلهم رحمة علی الیتیم واغلظهم علی المسکین".

(د) "شرارکم معلموکم اقلهم رحمة علی الیتیم واغلظهم علی المساکین".

ترجمہ: ان روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ کہنے والا یہ کہہ رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: بچوں کو پڑھانے والے (معلّمین) انسانوں کا شریر طبقہ ہے جو یتیموں پر رحم کرنے میں بہت پیچھے اور مساکین وغرباء پر سختی کرنے میں بہت آگے ہوتے ہیں۔

حکم: یہ چاروں روایتیں موضوع ہیں۔

تحقیق: یہ چاروں روایات درحقیقت ایک ہی روایت ہے، کسی میں اختصار ہے کسی میں تطویل اور کسی میں کسی جزء کی تقدیم ہے کسی میں تاخیر جس کے متعلق علامہ ابن الجوزیؒ، ملا علی قاریؒ، امام سیوطیؒ شیخ ابن العراق کنانیؒ، شیخ عجلونیؒ، اور علامہ طاہر پٹنیؒ نے موضوع ہونے کی صراحت کی ہے، علامہ ابن الجوزیؒ نے اسکی سند بیان کی پھر سند میں پائے جانے والے واضعین راویوں کی نشاندہی کی اور اس روایت کے وضع کرنے کا سبب اور پس منظر بھی بتلایا، چنانچہ لکھتے ہیں کہ: " أنبأنا ابو منصور بن خيرون قال أنبأنا اسماعيل بن ابي الفضل الاسماعيل قال أنبأنا حمزة بن يوسف قال أنبأنا ابو احمد بن عدی قال أنبأنا مصبح بن علی بن مصبح البلدی قال حدثنا میمون بن الاصبغ قال حدثنا عبید بن اسحق قال حدثنا سيف بن عمر التيمي قال كنت جالساً عند سعد بن طريف الاسكاف اذ جاء ابن له يبكي فقال يا بني مالک ؟ فقال ضربني المعلم فقال والله لاخزينهم اليوم ، حدثني عكرمة عن ابن عباس قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم شراركم معلموكم...الخ" .

یعنی سیف بن عمر التیمی کا بیان ہے کہ انہوں نے بتلایا کہ میں سعد بن طریف کے پاس بیٹھا ہوا تھا اسی وقت اس کا بیٹا روتا ہوا آیا اس نے پوچھا اے بیٹے کیوں رو رہا ہے؟ اس نے کہا کہ استاذ نے مارا ہے، تو اس نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ میں ان استاذوں کو ضرور رسوا کر کے رہوں گا اور اس موقع پر یہ روایت گھڑ کر پیش کر دی "حدثني عكرمة عن ابن

عباس قال : قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم شراركم معلموكم . الخ"

پھر آگے امام ابن الجوزیؒ لکھتے ہیں : " ورواه اسحق بن الحسن الحربی عن عبيد فقال فيه شرار امتي معلموها " اس روایت کونقل فرما کرتحریر فرماتے ہیں"

هذا الحديث موضوع بلاشک و فيه جماعة مجروحون واشرهم فی ذالک سيف وسعد فکلهما متهم بوضع الحديث ، وسعد هو فی هذا الحديث اقوی تهمة قال ابن حبان کا يضع الحديث على الفور".

ترجمہ: یہ روایت بلاشبہ من گھڑت اور موضوع ہے اس کی سند میں متعدد مجروحین پائے جاتے ہیں، جن میں بدترین راوی دو شخص ہیں ، سیف بن عمر ، اور سعد بن طریف یہ دونوں وضع حدیث کی تہمت کے ساتھ متہم ہیں اور اس حدیث میں تو سعد سیف سے بھی دو قدم آگے ہے، ابن حبان کہتے ہیں کہ سعد چٹ پٹ حدیثیں گھڑ لیا کرتا تھا۔

اس روایت کے متعلق یہی تفصیلات امام سیوطیؒ نے "اللآلی" میں اور ابن العراقؒ نے " تنزيه الشريعة "میں ذکر فرمائی ہے۔

ابن عدیؒ نے "الكامل " میں اس روایت کونقل فرما کر لکھا کہ:"قال الشيخ و هذا حديث منكر موضوع وقد اتفق فی هذا الحديث ثلاثة من الضعفاء فروه عبيد بن اسحق الكوفی فی العطار يلقب عطار المطلقا ت ضعيف و سيف بن عمر الضبی كوفي وسعد الاسكاف كوفي ضعيف وهو اضعف الجماعة فأری "والله اعلم" ان البلاء من جهته". (ج ۲/ ص ۴۳۵)

(الموضوعات: ج ۱/ ص ۱۶۰؛ تذكرة الموضوعات: ج ۱/ص ۱۹؛ كشف: ج ۲/ص ۴۷؛ الموضوعات: ج ۱/ص ۲۴۲؛ اللآلي المصنوعة: ج ۱/ص ۱۹۹؛ تنزيه الشريعة: ج ۱/ ص ۲۵۲؛ الاسرار: ص ۱۴۱)

(۷۵) من ابتلي ببليتين فليختر أهونهما

وفي رواية : فليختر اسهلهما

ترجمہ: جس کے سامنے دو آزمائشیں ہوں اس کو آسان والی آزمائش کو اختیار کرنا چاہیے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، شیخ عجلونیؒ، ملاعلی قاریؒ، شیخ نجم الدین الغزی نے اس روایت کو موضوع لکھا ہے۔

''المقاصد الحسنۃ'' اور ''کشف الخفاء'' میں ہے کہ ''قال النجم لا يعرف لكن يستأنس بقول عائشة ما خير رسول الله صلى الله عليه وسلم بين امرين الااختار ايسرهما، مالم يكن اثمًا''۔

یعنی شیخ نجم الدین غزیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کا محدثین کے نزدیک حدیث ہونا معلوم نہیں، مگر حضرت عائشہؓ کے اس قول کے قریب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جاتا اور دونوں میں سے کوئی ایک بھی ممنوعات کی قبیل سے نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ آسان شکل کو اختیار فرماتے۔

الحاصل! روایت مذکورہ کو حدیث مرفوع کہنا تو صحیح نہیں، البتہ اس کا مضمون حضرت عائشہؓ کے کلام مذکورہ سے مستفاد ہے۔

(كشف الخفاء: ۲/۲۳۲؛ المقاصد الحسنة: ۴۰۱؛ الأسرار المرفوعة: ۲۱۵)

☆☆☆☆☆

(۷۶) من اکرم حبیبتیه فلا یکتب بعد العصر

ترجمہ: جس کو اپنی دو محبوب چیزیں (دونوں آنکھیں) پیاری ہوں تو اس کو عصر کے بعد کتابت سے پرہیز کرنا چاہیے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ، علامہ پٹنیؒ، شیخ ابن درویشؒ یہ سبھی حضرات اس روایت کو بے اصل اور موضوع کہتے ہیں۔

مقاصد حسنہ میں ہے کہ ”لیس فی المرفوع، و لکن قد اوصی الامام أحمد بعض أصحابه ان لا ینظر بعد العصر فی کتاب“

یہ حدیث نبوی نہیں ہے، بل کہ امام احمد بن حنبل کا قول ہے، انہوں نے اپنے بعض متعلقین کو یہ وصیت کی تھی کہ عصر کے بعد کتاب کا مطالعہ نہ کیا جائے، اور ایک قول کے مطابق یہ ایک طبیب کا کلام ہے، اور حضرت امام شافعیؒ نے اسی انداز کی ایک بات ارشاد فرمائی ہیں: الوراق انما یاکل من دیة عینیه، یعنی کاتب اپنی آنکھوں کی دیت کھاتا ہے۔

نیز ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ ”لا أصل له فی المرفوع“۔

تنبیہ: روایت مذکورہ میں کہیں ”اکرم“ کی جگہ ”احب“ وارد ہے، اور ”حبیبتیه“ کی جگہ ”عینیه“ اور ”فلایکتب“ کی جگہ ”فلا یکتبن“ آیا ہے، ان تمام روایات کا وہی حکم ہے جو اوپر لکھا گیا ہے۔

(الاسرار المرفوعة:۲۱۶؛ المقاصد الحسنة:۳۹۹؛ مختصر المقاصد الحسنة: ۱۷۸؛ اسنی المطالب: ۲۲۰)

☆☆☆☆☆

(۷۷) من بلغ الأربعين ولم يمسك العصا فقد عصٰى

ترجمہ: جو شخص چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا اور عصا نہیں لی تو اس نے گناہ کیا۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملاعلی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ اس روایت کو نقل فرما کر لکھتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

اسی طرح ایک روایت اور مشہور ہے "التؤکؤ علی العصا من سنة الانبياء" یعنی عصا کا استعمال انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔

اس روایت کو بھی ان حضرات نے موضوع قرار دیا ہے، چناں چہ پہلی روایت کے متعلق ملاعلی قاریؒ نے لکھا ہے کہ " ليس لهٗ اصل " اور دوسری روایت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ: "**كلام صحيح و ليس له اصل صريح ، وانما يستفاد من قوله تعالٰى: "وما تلك بيمينك يا موسٰى" و من فعل نبينا عليه الصلوٰة والسلام في بعض الاحيان، و اما حديث من بلغ الاربعين ولم يمسك العصا فقدعصى فليس بحديث**".

(الأسرار المرفوعة:۹۹؛ اسنى المطالب:ص۹۸ ؛ اللولو و المرصوع:۱/ ۶۷؛ جامع الاحاديث:۱۲/ ۱۴۳؛ تعليق على جمع الجوامع:۱/ ۱۱۷۷۲)

تنبیہ: ملاعلی قاریؒ کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ مذکورہ روایت حدیث نبوی نہیں ہے، ہاں فی الجملہ اس کا مضمون صحیح ہے، فی الجملہ کا مطلب یہ ہے کہ اربعین سنۃ (چالیس سال) کی قید کے بغیر نفس عصا کا استعمال انبیاء کی سنت ہے، اور امر محمود ہے، جس کا ترک پسندیدہ نہیں، اس لیے کہ آیت مذکورہ " **و ما تلك بيمينك يا موسٰى قال هي**

عصای" سے اس کی محمودیت مستفاد ہوتی ہے، اسی طرح دوسری بعض روایات سے بھی اس کی محمودیت کا پتہ چلتا ہے۔

تنبیہ(۲): مذکورہ دونوں روایتیں اگرچہ حدیث کے الفاظ نہیں مگر اس سے کسی قدر ملتی جلتی کئی روایات موجود ہیں۔ مثلاً:

(الف) ابن حجر ہیثمیؒ نے ابن عدی کے حوالے سے فرمایا کہ "**عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما قال التوكؤ على العصا من اخلاق الأنبياء و كان صلى اللّٰه عليه و سلم يتوكأ عليها**".

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عصا ٹیک کر چلنا انبیاء کرام علیہم السلام کی عادات مبارکہ میں سے ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصاء کا استعمال فرماتے تھے۔

(ب) امام دیلمیؒ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً یہ روایت ذکر کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**حمل العصا علامة المؤمن و سنة الأنبياء**".

یعنی عصاء کا لینا مومن کی علامت اور انبیاء کی سنت ہے۔

مناویؒ نے اس کے موضوع ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، چناں چہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "**فيه يحيى بن هاشم الغساني قال الذهبي في الضعفاء. قالوا: كان يضع الحديث**" (فیض القدیر: ۳/۵۲۷)

البانی نے بھی اس کے موضوع ہونے کی صراحت کی ہے۔

(الضعيفه: ۲/۱۱۲، صحیح و ضعيف الجامع الصغير: ۱۴/۲۸۴)

(ج) ایک روایت میں ہے "**كانت للأنبياء كلهم مخصرة يختصرون بها تواضعًا للّٰه عز و جل**"۔ (رواه أبو نعيم عن ابن عباس جامع الأحاديث: ج۱۵/۲۸۴)

یعنی ہر نبی کے پاس ایک لکڑی ہوا کرتی تھی جس سے وہ چلتے وقت سہارا لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عاجزی کے اظہار کے جذبے سے۔

(و) بزار وطبرانی نے ایک ضعیف سند سے یہ روایت لکھی ہے کہ "ان اتخذ العصا فقد اتخذها ابی ابراهیم"۔

یعنی اگر میں عصاء کا استعمال کرتا ہوں تو میرے باپ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی عصا استعمال فرماتے تھے۔

(ھ) ابن ماجہ نے ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل فرمایا ہے کہ "خرج الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متوکأ علی عصاہ"۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے اپنی عصاء پر ٹیک لگا کر تشریف لائے

تنبیہ (۳): مذکورہ بالا دونوں روایتوں (من بلغ .... اور التوکؤ ....) کی طرح شیخ عجلونیؒ نے ایک اور روایت نقل کی ہے وہ بھی موضوع ہے۔

"من خرج فی سفر ومعه عصا واری فیه اللہ بکل سبع ضار ومن بلغ اربعین سنة عدله ذلک من الکبر والعجب"۔

یعنی: جو شخص عصاء لے کر سفر میں جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ضرر رساں درندہ سے اس کی حفاظت فرماتے ہیں، اور جو آدمی چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو کبر اور عجب سے بچا لیتے ہیں۔

امام حجر مکیؒ نے اپنے فتاوی میں امام سیوطیؒ کے حوالے سے اس کو موضوع لکھا ہے۔

(الاسرار المرفوعة: ۱۹۹ کشف الخفاء: ۱/ ۲۶۱)

☆☆☆☆☆

(۷۸) من تزوج امرأة لمالها احرمه الله مالها و جمالها

ترجمہ: جس نے کسی عورت سے اس کے مال کی بنیاد پر شادی کی تو اللہ تعالیٰ اس کو اس عورت کے مال اور جمال دونوں سے محروم کردیتے ہیں۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، امام زرکشیؒ، ملا علی قاریؒ، ابن السید درویشؒ، شیخ عجلونیؒ، ابن تیمیہؒ وغیرہم اس حدیث کو موضوع کہتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ **قال الزركشي "لا يعرف" و قال السخاوي "لم أقف عليه"**۔

یعنی امام زرکشیؒ نے فرمایا کہ اس روایت کا حدیث ہونا معلوم نہیں، امام سخاویؒ نے فرمایا کہ میں اس روایت سے واقف نہیں، یعنی ان دونوں حضرات نے حدیث ہونے کی نفی فرمائی۔

امام سیوطیؒ نے بھی "**الدرر المنتثرة**" میں اس روایت کو نقل فرما کر لکھا کہ "**لا يعرف**" یعنی یہ روایت حدیث کی حیثیت سے معروف نہیں۔

تنبیہ: روایت مذکورہ تو حدیث نہیں ہے مگر اسی کے قریب ایک روایت شیخ ابونعیم کی "**حلية الأولياء**" میں وارد ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "**من تزوج امرأة لعزها لَمْ يزده الله إلّا ذلا، ومن تزوجها لمالها لم يزده الله الا فقرًا و من تزوجها لحسنها لم يزده الله إلّا دناءة، و مَن تزوجها لم يتزوجها إلّا ليغض بصره و يحصن فرجه، أو يصل رحمه إلّا**

بارک اللّٰہ فیھا و بارک لھا فیہ". (المقاصد الحسنة:٤٠٦)

یعنی جو کسی عورت سے اس کی عزت کی بناء پر شادی کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی ذلت کو بڑھا دیتے ہیں، اور جو شخص عورت کے مال کی بناء پر شادی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے فقر میں اضافہ کر دیتے ہیں، اور جو عورت کے حسن و جمال کی وجہ سے رشتہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی پستی میں اضافہ کر دیتے ہیں، اور جو شخص نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت اور صلہ رحمی کے جذبہ سے شادی کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ایسے رشتہ میں مرد و عورت دونوں کو برکتیں عطا فرماتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ "من تزوج امرأة لمالھا" کے بعد "لم یزدہ اللّٰہ إلاّ فَقْرًا" تو حدیث میں ثابت ہے، مگر "احرمہ اللّٰہ مالھا و جمالھا" ثابت نہیں۔

(کشف الخفاء:٢/٢٣٩؛ المقاصد الحسنة:٤٠٦؛ الأسرار المرفوعة:٢٢٦؛ المصنوع:١٨١؛ احادیث القصاص لابن تیمیة:٦٥؛ الدرر المنتثرة:١/٤٠٨)

☆☆☆☆☆

(۷۹) من تکلم بکلام الدنیا فی المسجد احبط اللّٰہ أعمالہ أربعین سنة

ترجمہ: جو مسجد میں دنیا کی بات کرتا ہے اس کے چالیس سال کے اعمال اللہ تعالیٰ ضائع کر دیتے ہیں۔

الفاظِ روایات: یہ روایت دو طرح منقول ہے:

(الف) من تکلم بکلام الدنیا فی المسجد احبط اللّٰہ أعمالہ أربعین سنة.

(ب) من تکلم بکلام الدنیا فی المسجد احبط اللّٰہ أعمالہ.

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ نے اس روایت کو موضوعات میں شمار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ: "و هو کذالک لانه باطل مبنیً و معنًی" یعنی یہ روایت لفظاً ومعناً دونوں جہت سے باطل ہے۔
اسی طرح علامہ عجلونیؒ، علامہ صغانیؒ اور علامہ طاہر پٹنیؒ ان تمام حضرات نے اس روایت کو موضوع اور بے سند قرار دیا ہے۔

(کشف الخفاء:۲/۴۳۷؛ ۱؛ الاسرار المرفوعة:۲۳۷؛ المصنوع:۱۸۱؛ تذکرة الموضوعات:۲۴۸)
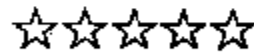
☆☆☆☆☆

(۸۰) (الف) من حفر لاخيه قليلاً اوقعه الله فيه قريبًا

(ب) من حفر بئراً لاخيه اوقعه الله فيه

(ج) من حفر جبا اوقعه الله فيه منكبًا

یعنی: ان تینوں روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص دوسروں کے لیے کنواں کھودتا ہے اللہ تعالیٰ خود اسی کو اس میں گراتے ہیں۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ، ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ پٹنیؒ اور صاحب اسنی المطالبؒ نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: " قال العسقلانی لم اجد له أصلاً، قلت و كذا لفظ بعضهم من حفر بئرًا لاخيه وقع فيه، و لكن معناه صحيح مستفاد من قوله تعالٰى: و لا يحيق المكر السيئ الا باهله".

یعنی حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا کہ اس روایت کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔ پھر ملا

علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہی حال اس روایت کا بھی ہے، جس کو بعض لوگوں نے قدرے تغیر کے ساتھ "من حفر بئراً لاخيه وقع فيه" نقل کیا ہے، لیکن اس کا مضمون صحیح ہے، قرآن مجید کی آیت "و لا يحيق المكر السيئ الا بأهله" (بری تدبیر خود تدبیر کرنے والے کو ہی پھانستی ہے) سے ماخوذ ہے۔

(المقاصد الحسنة: ۴۱۰؛ كشف الخفا: ۲/۲۴۵؛ تذكرة الموضوعات: ۱/۲۰۴؛ الأسرار المرفوعة: ۲۲۹؛ المصنوع: ۱۸۳؛ اسنى المطالب: ۲۲۶)

☆☆☆☆☆

(۸۱) (الف) من زار العلماء فكانما زارني و من صافح العلماء فكانما صافحني.

(ب) ومن جالس العلماء فكانما جالسني و من جالسني في الدنيا اجلس إلى يوم القيامة.

ترجمہ: (الف) جس نے علماء کی زیارت کی اس نے گویا میری زیارت کی اور جس شخص نے علماء سے مصافحہ کیا اس نے گویا مجھ سے مصافحہ کیا۔

ترجمہ: (ب) جس نے علماء کی صحبت اختیار کی اس نے گویا میری صحبت اختیار کی اور جس نے دنیا میں میری صحبت اختیار کی اس کو قیامت کے دن میرے قریب بیٹھایا جائے گا۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: "كشف الخفاء" (۲/۲۵۱) میں شیخ عجلونیؒ اور "تذكرة الموضوعات" (۱/۱۹) میں علامہ طاہر پٹنیؒ اور "السلسلة الضعيفة مختصرة" (۷/۳۴۴) میں علامہ

البانیؒ نے اس روایت کو موضوع بتلایا ہے۔

ابونعیم نے تاریخ اصبہان (۳۶۴/۲) میں اس کو اس طرح نقل کیا ہے "حدثنا ابو الحسین محمد بن أحمد بن جعفر ثنا یعرب بن خیران حدثنا محمد بن الفضل بن العباس البلخی بسمرقند، حدثنا ابو محمد حمد بن نوح حدثنا حفص بن عمر العدنی عن الحکم عن عکرمة عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم من زار العلماء..........الخ۔

اس میں کئی راوی متکلم فیہ اور مجروح واقع ہوئے ہیں۔

حفص بن عمر العدنی یہ محدثین کے نزدیک کذاب ہے، امام نسائی نے اس کے متعلق "لیس بثقة" کا جملہ استعمال کیا ہے۔

امام سیوطیؒ نے ذیل الموضوعات: ص ۳۵ر میں اس کے متعلق لکھا کہ "کذبه یحییٰ بن یحییٰ النیسابوری و قال البخاری منکر الحدیث"۔

یحیٰ بن یحیٰ نیشاپوریؒ نے حفص کو کذاب کہا ہے اور امام بخاریؒ نے اس کو منکر الحدیث بتلایا ہے۔

اور علامہ عبدالحئیؒ لکھنوی فرنگی محلی نے "الرفع والتکمیل" میں لکھا ہے کہ "اذا قال البخاری فی راوٍ "منکر الحدیث" فیعنی به انه لا تحل الروایة عنه" یعنی امام بخاریؒ جس راوی کو منکر الحدیث لکھدیں تو اس سے روایت لینا درست نہیں ہوتا۔

ابن عدی نے "الکامل: ۲ر۹۴ے" میں لکھا کہ حفص نے مذکورہ سند سے متعدد حدیثیں سنائی ہیں جن کو حکم بن ابان سے نقل کرتا ہے، جب کہ خود حکم میں بھی ضعف ہے اور اس سے زیادہ ضعف تو حفص میں ہے گویا روایت کا اصل نقص حفص کی بنیاد پر ہے نہ کہ حکم کی بنیاد پر۔

اس میں ایک راوی محمد بن الفضل ہے، ابن طرخان اور دارقطنی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ''لا اعرفه'' کہا ہے۔

(لسان المیزان:۲/۴۹۱ و ۴۶۳؛ و المیزان:۴/۹)

اس میں ایک راوی ''محمد بن نوح'' ہے، اس کے متعلق البانی نے لکھا ہے کہ ''لم أجد له ترجمة'' مجھے ان کا ترجمہ کہیں نہیں ملا۔ (الضعیفه:۶/۴۰۴؛

الرفع و التکمیل فی الجرح و التعدیل للشیخ عبد الحی: ۱۲۹، ۱۴۹، ۱۵۰؛ السلسلة الضعیفة: ۶/۴۰۴ للالبانی؛ تذکرة الموضوعات: ۱/۱۹؛ کشف الخفاء: ۲/۲۵۱؛ تنزیه الشریعة: ۱/۱۵۴، ۲۷۲ تا ۲۷۳)

☆☆☆☆☆

(۸۲) من زرع حصد

ترجمہ: جو بوئے گا وہ کاٹے گا۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ اور شیخ عجلونیؒ نے اس روایت کے موضوع ہونے کی صراحت کی ہے۔

ملا علی قاریؒ ''الاسرار المرفوعة: ۲۳۲'' پر لکھتے ہیں ''لیس بحدیث فی المبنی وهو صحیح فی المعنی فی الدنیا و العقبیٰ'' یعنی یہ الفاظ تو حدیث نبوی کے نہیں ہیں، لیکن اس کا معنی دنیا اور آخرت دونوں اعتبار سے صحیح ہے، کہ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ جو شخص کھیتی بوتا ہے وہی کاٹ کر گھر لاتا ہے، اور جو کھیتی کی فکر اور محنت نہیں کرتا وہ کچھ نہیں پاتا، یہی معاملہ آخرت کا بھی ہے، کہ جو آدمی یہاں پر جو اور جب عمل کرے گا آخرت میں ویسا ہی انجام پائے گا۔

امام سخاویؒ نے "المقاصد الحسنة: ص ۴۱۳" میں یہی بات فرمائی کہ یہ روایت حدیث نبوی تو نہیں ہے لیکن اس کا مضمون صحیح ہے، آیت کریمہ: "یوم تجد کل نفس ماعملت من خیر محضرًا" (آخرت میں ہر شخص اپنی ہر وہ نیکی جو اس نے اس دنیا میں کی ہوگی اس کو حاضر پائے گا) سے روایت کے مضمون کی تائید ہوتی ہے، مگر اس کا حدیث ہونا ثابت نہیں ہے۔

(المقاصد الحسنة: ۴۱۳؛ کشف الخفاء: ۲/۲۵۱؛ الأسرار المرفوعة: ۲۳۲؛ اسنی المطالب: ۲۲۸)

☆☆☆☆☆
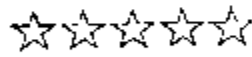
(۸۳) من صلی خلف تقی فکانما صلی خلف نبی

ترجمہ: جس نے کسی متقی شخص کے پیچھے نماز پڑھی اس نے گویا کسی نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: اس حدیث کو اگرچہ علامہ مرغینانیؒ نے ہدایہ جلد اول ۲۴۶ "باب الامامة" میں ذکر کیا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ امام سخاویؒ، شیخ عجلونیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ، علامہ زیلعیؒ، علامہ ابن الہمامؒ، ملا علی قاریؒ اور علامہ شوکانیؒ یہ سبھی حضرات اس حدیث کے موضوع ہونے کے قائل ہیں۔

امام سخاویؒ فرماتے ہیں کہ: "وما وقع فی الھدایة للحنفیة بلفظ، من صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف نبی "لم اقف علیه بھذا اللفظ".

(المقاصد: ۳۰۴)

یعنی حنفیہ کی ہدایہ میں "من صلی خلف عالم تقی" والی جو روایت ہے مجھے ان لفظوں میں اس روایت کی کوئی خبر نہیں۔

ملا علی قاریؒ نے کہا "لا اصل له" شیخ عبدالفتاح ابوغدہ اس پر تعلیقاً لکھتے ہیں:

"قال الامام الكمال ابن الهمام في حاشية "فتح القدير: ۱/۲۴۶"
اللّٰه سبحانه و تعالىٰ أعلم بهذا الحديث" و سبقه الحافظ الزيلعي في نصب الراية: ۲/۲۶ فقال غريب و هذا اصطلاح منه لنفسه في الحديث الذي لم يجد لهٗ اصلاً يقول فيه "غريب". (المصنوع مع الحاشية لأبي غدة: ۱۸۶)

یعنی ابن ہمامؒ نے مذکورہ حدیث پر حاشیہ لگایا کہ اس روایت کا صحیح حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے، اور ان سے پہلے حافظ زیلعیؒ نے "نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية" میں کہا کہ یہ حدیث غریب ہے، اور یہ امام زیلعیؒ کی اصطلاح ہے کہ جب وہ کسی حدیث کی اصل نہیں پاتے تو اس وقت غریب کا اطلاق کرتے ہیں، یعنی کہ یہ روایت ان کے نزدیک بھی بے اصل ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری نے "البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۳/۳۹۷" میں اس کے متعلق لکھا کہ "قال ابن امير حاج و لم يجده المخرجون" احادیث کی تخریج کرنے والے محدثین وعلماء کو یہ روایت نہیں ملی، نیز علامہ شامیؒ نے بھی یہی بات کہی ہے کہ "قال في الحلية: لم يجده المخرجون".

(مقاصد حسنه:ص ۳۰۴ ؛ كشف ج۲/ص۲۹۷؛ الفوائد المجموعة: ج۱/ص۳۲؛ تذكرة الموضوعات: ج۱/ص۲۸۷ ؛ الاسرار:ص ۲۳۵ رد المحتار على در المختار ج ۱ / ص ۳۷۷)

تنبیہ: علماء اور اربابِ ورع وتقویٰ کی امامت وفضیلت پر مشتمل دوسری روایات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً:

(الف) "قدموا خياركم تزكو صلوتكم". (دیلمی)

یعنی امامت کے لیے اپنے اچھے افراد کو آگے کیا کرو تو تمہاری نماز اچھی ہوگی۔

(ب) ان سرکم ان تقبل صلوتکم فلیؤمکم خیارکم، و فی روایة "علمائکم" فانھم وفدکم فیما بینکم و بین ربکم. (حاکم، وطبرانی)

یعنی اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری نماز مقبول ہو تو چاہئے کہ تمہارے اچھے افراد تمہاری امامت کریں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تمہارے علماء امامت کریں، کیوں کہ ان کی حیثیت تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان بھیجے ہوئے وفد کی ہوگی۔

(ج) اجعلوا ائمتکم خیارکم فیما بینکم وبین ربکم. (دارقطنی)

یعنی اپنے اور اپنے رب کے درمیان امام، اپنے اچھے افراد کو بناؤ۔

(المقاصد الحسنة: ص ۳۰۳؛ نصب الرایة: ج ۲/ص ۱۷)

☆☆☆☆☆
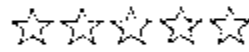
(۸۴) من عرف نفسه استراح

ترجمہ: جو شخص اپنے آپ کو پہچان لیتا ہے آرام سے رہتا ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، شیخ عجلونی، شیخ ابن الخلیل الطرابلسی، ملا علی قاری وغیرہم نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ نے مقاصد: ۱/ ۲۲۰ میں اس کو سفیان بن عیینہؒ کا قول بتلایا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کو اپنی حیثیت وحقیقت کا صحیح علم ہوگا اس کو کسی مدح وثناء سے کوئی نقصان نہیں ہوگا؛ عموماً آدمی خود کو اپنی حیثیت واقعیہ سے اوپر خیال کرتا ہے اس لیے کسی کی مذمت یا معمولی مدحت وتعریف سے اپنی اہانت تصور کرتا ہے، اور ایک بے چینی میں مبتلا رہتا ہے، یا یہ کہ آدمی کسی خوبی سے خالی ہے، مگر اس کی طرف جب اس خوبی کی نسبت کی جانے لگتی

ہے،تو عجب وکبراور خوش فہمی جیسے امراض کا شکار ہو جاتا ہے، پھر جب اس کے ناخوش عواقب و نتائج سامنے آتے ہیں تو پریشان ہوتا ہے ،اس کے برخلاف جس کو اپنی خوبی وخامی کی صحیح صورت حال کا علم ہوگا وہ اس قسم کی مضرتوں سے محفوظ اور چین کی زندگی میں ہوگا۔

علامہ عجلونیؒ لکھتے ہیں کہ اسی انداز کی بات حضرت فضیل بن عیاضؒ نے بھی فرمائی ہے کہ " من عرف الناس استراح"یعنی جو لوگوں کے متعلق یہ اچھی طرح جان لے کہ یہ نفع وضرر کے مالک نہیں ہیں تو وہ آدمی ہمیشہ چین وسکون سے رہتا ہے، پھر آگے اس روایت کے متعلق علامہ عجلونیؒ نے صراحت کے ساتھ حدیث ہونے کی نفی فرمائی ہے،فرماتے ہیں:

''لیس فی المرفوع بل رواہ ابن ابی الدنیا عن ابن عیینۃ بلفظ لیس یضر المدح من عرف نفسہ''۔

یعنی یہ روایت حدیث نبوی نہیں ہے،سفیان بن عیینہ کا قول ہے جو اس طرح ان سے منقول ہے" لیس یضر المدح من عرف نفسہ''جو آدمی خود کو پہچانتا ہوتا ہے دوسروں کی ثنا خوانی سے نقصان میں نہیں ہوتا ہے۔

(المقاصدۃ الحسنۃ: ص۴۱۹ ؛ الأسرار المرفوعۃ: ص۲۳۸؛
کشف الخفاء ج۱/ ص۴۳۲ ، ۲/ ۲۶۲؛ اللؤلؤ المرصوع:ج۱/ص۱۹۱)

☆☆☆☆☆

(۸۵) (الف) من عرف نفسہ عرف ربہ

(ب) من عرف نفسہ عرف ربہ ومن عرف ربہ کل لسانہ.

ترجمہ:جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

ترجمہ:جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا،اور جس نے اپنے رب

کو پہچان لیا اس کی زبان محتاط ہوگئی۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، صغانیؒ، نوویؒ، ابن تیمیہ، سیوطیؒ، ملا علی قاریؒ، علامہ طاہر پٹنی، عجلونی، ابن درویش وغیرہم؛ ان تمام محدثین نے اس روایت کو موضوع کہا ہے۔

امام سخاویؒ نے مقاصد حسنہ: ۴۱۹ر میں اور شیخ ابو المظفر السمعانی نے لکھا ہے کہ ''**لا یعرف مرفوعًا وَ انما یحکی من قول یحی بن معاذ**'' یعنی یہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ہے، بل کہ یحییٰ بن معاذؒ کا قول ہے، اور بعض نے ابو سعید الخرازؒ کا قول بتلایا ہے۔..... علامہ ابن الجوزیؒ، علامہ صغانیؒ، امام سیوطیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ یہ سب ہی حضرات اس روایت کو موضوع کہتے ہیں۔..... علامہ نوویؒ نے فرمایا ''**لیس بثابت**'' اس کا حدیث نبوی ہونا ثابت نہیں۔

امام سیوطی نے ذیل الموضوعات: ص ۲۰۳؛ اور الحاوی للفتاوی: ج ۲/ص ۲۲۶ میں لکھا ہے کہ ''**هٰذَا الْحَدِيْثُ لَيْسَ بِصَحِيْحٍ**''۔

فائدہ: یہ جملہ اگر چہ حدیث نہیں ہے مگر اس کا مضمون صحیح ہے، کیوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو اپنی جہالت کا پتہ ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ کے علم کا یقین ہوگا، اور جس کو اپنا فانی ہونا معلوم ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ کے بقا کا علم ہوگا، اور جو اپنے عجز وضعف کو جانتا ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یقین ہوگا، نیز یہ مضمون آیت کریمہ ''**و من یرغب عن ملة ابراهيم الا من سفه نفسه**'' سے بھی بہت قریب ہے، کیوں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ملتِ ابراہیمی سے بیزار وہی ہوسکتا ہے، جو اپنے ذاتی احوال وصفات سے ناواقف ہوگا، یعنی اپنی ذاتیات اور احوال وصفات کو سمجھنے کی جس میں صلاحیت ہوگی وہ یقیناً ملتِ ابراہیم کی حقیقت کو سمجھ لے گا

اس لیے کہ ملتِ ابراہیمیہ انسان کی فطرت سلیمہ کی آواز کا دوسرا نام ہے، اور جس میں اتنی اہلیت ہوگی وہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت حاصل کرے گا۔ (الاسرار المرفوعة:۲۳۸)

علامہ ابن الغرسؒ نے کہا کہ یہ حدیث ثابت نہیں پھر بھی صوفیاء کی کتابیں اس روایت سے بھری پڑی ہیں، بالخصوص شیخ محی الدین ابن العربیؒ وغیرہ نے تو اس روایت کو بہت وزن دیا ہے حتی کہ ابن عربی نے تو کہا اگر چہ یہ حدیث روایۃً ثابت نہیں، مگر ہمارے نزدیک بطریق کشف اس کا ثبوت ہے مگر یاد رہے کہ نقدِ احادیث کے میدان میں کشف اور کشفیات کا کوئی اعتبار نہیں۔

علامہ فیروز آبادی صاحب القاموس جنہوں نے شیخ ابن العربی پر کیے جانے والے اعتراضات کے جواب میں جو ''الرد علی المعترضین علی الشیخ ابن العربی'' نامی کتاب تصنیف کی ہے انہوں نے اس کتاب میں اس حدیث کے متعلق فرمایا کہ ''لیس من الأحادیث النبویة علی ان اکثر الناس یجعلونه حدیثًا ، و لا یصح اصلاً. وَ انما یروی فی الاسرائیلیات، یا انسان اعرف نفسک تعرف ربک''.

(ج۲/ص۳۷)

حاصل یہ کہ یہ جملہ بالکل حدیث نہیں ہے؛ لوگوں نے اس کو حدیث کا نام دے دیا ہے۔ البتہ اسرائیلیات میں ایک جملہ نقل کیا جاتا ہے کہ: یا انسان اعرف نفسک تعرف ربک ۔ اے انسان تو اپنے نفس کو پہچان، تو تجھ کو تیرے رب کی پہچان نصیب ہو جائے گی۔ مگر یہ روایت بھی غیر معتبر ہے۔

(السلسلة الضعیفة: ج۱/۶۸ ؛ کشف الخفاء: ۲/ ۲۶۲ ؛ المقاصد الحسنة: ۱/ ۲۲۰،۲۵۲ ؛ موضوعات الصنعانی: ۱/ ۲ ؛ الدرر المنتشرة: ۱/ ۱۸ ؛ تذکرة الموضوعات ؛ موضوعات الصغری: ۱۸۹ ؛ موضوعات کبری: ۲۳۸ ؛ اسنی المطالب : ۲۳٤)

(۸۶) من علامة الساعة التدافع على الإمامة

ترجمہ: امامت کے لیے ایک دوسرے کو دھکیلنے کی نوبت کا آجانا قیامت کی علامات میں سے ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، صاحب اسنی المطالبؒ اور شیخ عجلونیؒ نے اس روایت کو موضوع بتلایا ہے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ "ليس بحديث ومعناه صحيح ذكره ابن الديبع. وقد ورد عن سلامة بنت الحر مرفوعًا ان من اشراط الساعة ان يتدافع اهل المسجد لا يجدون اماما يصلي بهم، رواه احمد وابوداؤد، وابن ماجه".

الأسرار المرفوعة: ۲۴۵؛ اسنى المطالب: ۲۴۹ میں اس کو "ليس بحديث" کہا گیا ہے۔

اسی طرح امام سخاویؒ لکھتے ہیں کہ "معناه ثابت وفي ثامن المجالسة للدينوري من جهة عبد الرزاق سمعت أبي يقول عن بعض اهل العلم قال اقيمت الصلوة فجعل القوم يتدافعون، هذا يقدم هذا و هذا يقدم هذا، فلم يزالوا كذالك حتى خسف بهم". (المقاصد الحسنة: ۴۳۳)

یعنی اس روایت کا مضمون ثابت ہے علامہ دینوری نے شیخ عبدالرزاق کی سند سے ذکر کیا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ نماز کے لیے اقامت ہو چکی ہوگی مگر کوئی امامت کے لیے آگے نہ بڑھے گا اور ہر کوئی دوسرے کو آگے کرے گا مگر کوئی آگے بڑھنے کے لیے تیار نہیں

ہوگا، اور ایسی حالت پر رہتے رہتے ایک دن زمین تلے دھنسا دیا جائے گا۔

حاصل یہ ہے کہ یہ روایت "من علامة الساعة التدافع على الامامة" ان الفاظ میں کلام نبوی نہیں ہے، مگر اس کا مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جیسا کہ مسند احمد، ابوداؤد وغیرہ کی سلامہ بنت الحر کی مرفوع روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

(المقاصد الحسنة: ۴۳۳؛ اسنى المطالب: ۲۴۹؛ الأسرار المرفوعة: ۲۴۵؛ كشف الخفاء: ۲/۲۸۷؛ المصنوع: ۱۹۷؛ سنن أبي داؤد: ۱۵۹؛ مسند احمد: ۶/۳۸۱؛ ابن ماجه: ۱/۳۱۴)

☆☆☆☆☆

(۸۷) من علم اخاه آية من كتاب الله فقد ملك رقبته

ترجمہ: جس شخص نے اپنے بھائی کو کتاب اللہ کی ایک آیت سکھادی وہ اس کی گردن کا مالک ہوگیا۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: یہ روایت، مذکورہ الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، اسی وجہ سے علامہ ابن تیمیہؒ، امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ اور علامہ طاہر پٹنیؒ وغیرہم نے اس کو موضوع قرار دیا ہے، البتہ اسی کے ہم معنٰی ایک روایت امام طبرانی نے حضرت ابوامامہؓ سے نقل فرمائی ہے جو ثابت ہے، مجمع الزوائد: ۱/۴۷ پر ہے۔ "عن ابى امامة الباهلىؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم عبدًا آية من كتاب الله فهو مولاه لاينبغي ان يخذله ولا يستأثر عليه. رواه الطبراني في الكبير".

یعنی ابوامامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی بندۂ خدا کو قرآن مجید کی ایک آیت بھی سکھادی تو وہ سکھانے والا اس کا مالک ہو گیا لہٰذا یہ مناسب نہیں کہ اس کو بے قدر کرے یا اس پر اپنی ترجیح دکھلائے۔

اوراسی انداز کی بات حضرت شعبہؒ نے بھی فرمائی ہے، وہ کہتے ہیں:

"من كتبت عنه أربعة أحاديث أو خمسة فانا عبده حتى اموت بل في لفظ عنه. ماكتبت من أحد حديثا إلا و كنت له عبدا ماحيي".

(مقاصد حسنه، كشف الخفاء)

یعنی جس شخص سے بھی میں نے چار، پانچ حدیثیں حاصل کی، میں موت تک اس کا غلام ہوں بل کہ ایک روایت میں یوں منقول ہے کہ جس کسی سے میں نے ایک حدیث بھی اخذ کی میں تاحیات اس کا غلام بن گیا۔

(مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۱/۷٤؛ كشف الخفاء: ۲/۲٦٥؛ المقاصد: ۱۲٤؛ المصنوع: ۱۹۰؛ الذيل للسيوطي: ۲۰۳؛ الأسرار المرفوعة: ۲۳۹)

☆☆☆☆☆

(۸۸) من فتنة العالم أن يكون الكلام أحب إليه من الإستماع

ترجمہ: ایک عالم کے لیے بڑے خطرے کی بات ہے کہ اس کو سننے سے زیادہ بولنے کا شوق ہو

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ابن الجوزیؒ، ملاعلی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ، ابن السید درویشؒ اور علامہ عراقیؒ یہ سبھی محدثین اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

ملاعلی قاریؒ نے موضوعات صغری: ۱۹۷/ اور موضوعات کبری: ۲۴۶/ دونوں کے اندر لکھا ہے کہ: "ذكر الحديث بطوله في الاحياء وقال العراقي رواه أبو نعيم و ابن الجوزي في الموضوعات و كذا ذكره في المختصر".

یعنی یہ حدیث امام غزالیؒ کی احیاء میں مفصل مذکور ہے، جس کے متعلق علامہ عراقیؒ کا

کہنا ہے کہ ابونعیم اور ابن الجوزیؒ نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے ملا علی قاریؒ کی مذکورہ عبارت پر حاشیہ لگاتے ہوئے لکھا ہے کہ امام غزالی نے یہ روایت آفاتِ علم اور علماء حق اور علماء سوء کے بیان کے ذیل میں ذکر کی ہے جو ایک طویل حدیث ہے؛ اس میں ایسی ایسی باطل باتیں ہیں جن کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اسی وجہ سے امام ابن الجوزیؒ نے اس کو اپنی موضوعات میں شمار کراتے ہوئے لکھا ہے کہ "یہ روایت مرفوعاً اور حضرت معاذؓ سے موقوفاً منقول ہے، مگر نہ تو مرفوعاً اس کا ثبوت ہے نہ موقوفاً یعنی نہ تو یہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے نہ حضرت معاذؓ نے"۔ (المصنوع: ۱۹۷)

امام ابن الجوزی نے یہ روایت "من فتنة العالم أن يكون.........." مکمل ذکر فرمائی اور اس کی سند پر مفصل کلام بھی فرمایا، قارئین کی ضیافت کے لیے یہاں پوری روایت نقل کی جارہی ہے، اس روایت کو ابن الجوزی نے دو سندوں سے ذکر کیا ہے:

(الف) انبأنا محمد بن ناصر الحافظ قال انبأنا الحسن بن احمد الفقيه قال حدثنا محمد بن أحمد الحافظ قال انبأنا محمد بن عبد الله الشافعي قال حدثنا جعفر الصايغ قال حدثنا خالد بن يزيد أبو الهيثم حدثنا جبارة (جنادة) بن مغلس قال حدثنا مندل بن علي عن أبي نعيم عن محمد بن زياد السلمي عن معاذ بن جبل قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " ان من فتنة العالم أن يكون الكلام أحب إليه من الاستماع ، و في الكلام تنميق و زيادة ولا يؤمن على صاحبه فيه الخطأ، و في الصمت سلامة وغنم، و من العلماء من يخزن علمه و لا يحب أ ن يوجد عند غيره فذاك في الدرك الأول من النار. و من العلماء من يكون في علمه منزلة السلطان

فان رد عليه شيء من قوله وتهون بشيء من حقه غضب فذاك في الدرك الثاني من النار ، ومن العلماء من يجعل حديثه و غرائب علمه في أهل الشرف واليسار من الناس ولا يرى أهل الحاجة له أهلاً ؛ فذاك في الدرك الثالث من النار. و من العلماء من يستفزه الزهو والعجب فان وعظ عنف وان وعظ أنف فذاك في الدرك الرابع من النار. و من العلماء من نصب نفسه للفتيا فيفتي بالخطأ و اللّٰه يبغض المتكلفين فذاك في الدرك الخامس من النار. و من العلماء من يتعلم من اليهود والنصارى ليغزو علمه فذاك في الدرك السادس من النار. و من العلماء من يتخذ علمه مروئة و نبلاً وذكراً في الناس فذاك في الدرك السابع من النار. بالصمت فيه يغلب الشيطان ، واياك أن تضحك من غيره عجب أو غشي في غير أرب.

یہ روایت مرفوع مسند ہے۔

ترجمہ: عالم کا مرض یہ ہے کہ کسی کی بات سننے کے مقابلہ میں خود بات کرنا اس کو پسند زیادہ ہوتا ہے، جب کہ بولنے میں کمی بیشی اور ملاوٹ کا ارتکاب ہو ہی جاتا ہے، اور عموماً بات کرنے والے خطا سے محفوظ و مامون نہیں ہوتے اور خاموش رہنے میں سلامتی کا پہلو ہوتا ہے، بعض علماء ایسے ہوتے ہیں کہ اپنا علم اس طرح بچا بچا کر رکھتے ہیں کہ کسی اور کے پاس اس علم کا ہونا پسند نہیں کرتے، ایسے لوگ جہنم کے پہلے طبقے میں ہوں گے، اور ایک جماعت علماء کی ایسی ہے کہ وہ اپنے علمی غرور میں بادشاہوں کی طرح ہوتے ہیں اگر ان کی کوئی بات رد کر دی گئی یا ان کے حقوق مفروضہ میں کوئی کمی کی گئی تو غضبناک ہو جاتے ہیں، یہ جہنم کے دوسرے طبقے میں ہوں گے، اور ان ہی علماء کا ایک گروہ ایسا ہے جن کو با حیثیت اور اہل ثروت لوگوں کے درمیان اپنے علمی غرائب و عجائب سنانے سے زیادہ

دلچسپی ہے، حاجت مندوں کو اپنے ان افادات کا اہل ہی نہیں سمجھتے یہ لوگ جہنم کے تیسرے طبقے میں ہوں گے بعض وہ علماء بھی ہیں جن کو عجب اور خود بینی نے اس قدر مغرور بنا رکھا ہے کہ اگر وہ کسی کو نصیحت کریں تو سخت رویہ اختیار کریں، اور اگر ان کو کوئی نصیحت کرنا چاہے تو ناگوار تصور کریں، یہ لوگ جہنم کے چوتھے طبقے میں ہوں گے، اور ایک جماعت علماء کی ایسی ہے جنہوں نے از خود فتوی دینے کی ذمہ داری اپنے سر لے رکھی ہے، پھر یہ فتوی دینے میں غلطیاں کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ تکلف والوں کو پسند نہیں کرتا ہے، یہ لوگ جہنم کے پانچویں طبقے میں ہوں گے، اور کچھ وہ علماء ہیں جو اپنی علمی پختگی کے خیال سے یہود و نصاری سے علم سیکھتے ہیں، ایسے لوگ جہنم کے چھٹے طبقہ میں ہوں گے، اور کچھ ایسے علماء ہیں جو اپنے علم کو عوام میں شہرت، عزت اور شرافت کا ذریعہ بناتے ہیں یہ لوگ جہنم کے ساتویں طبقے میں ہوں گے، اسلئے آدمی اگر علم کیساتھ خاموشی کی عادت بنا لے تو شیطان پر غالب رہے گا، اور تم اپنے آپ کو بدون سبب ہنسنے اور بلا ضرورت کہیں جانے سے بچاؤ۔

(موضوعات ابن الجوزی: ص ١٩٤)

(ب) وانبأنا بهذا الحديث محمد بن ناصر قال ابو سهل من معدويه قال انبأنا ابو الفضل محمد بن الفضل القرشي قال أنبأنا أبوبكر بن مردويه قال حدثنا أحمد بن عبيد الله قال حدثنا على بن الحسين بن سلم قال حدثنا أبو الأزهري النيساربوري قال حدثنا فردوس الكوفي قال حدثنا طلحة بن زيد الحمصي عن عمرو بن الحارث عن يزيد عن ابن أبي حبيب عن أبي يوسف المعافري عن معاذ بن جبل بمعناه موقوفًا و لم يرفعه.

یہ روایت موقوف ہے۔

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ: ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ **"هذا حديث باطل سندًا موقوفًا لم يقله رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا معاذ".**

پھر لکھتے ہیں ”پہلی سند میں ایک راوی خالد بن یزید ہے جس کے متعلق یحییٰ اور ابوحاتم رازی نے فرمایا کہ ”هو كذاب“ وہ کذاب ہے، دوسرا راوی ”جنادہ بن مغلس“ ہے جس کے بارے میں عبداللہ بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کے سامنے جنادہ سے سنی ہوئی روایت پیش کی تو انہوں نے ان روایتوں کا انکار کیا، اور کہا ”هي موضوعة وهي كذب“ یہ ساری گھڑی ہوئی جھوٹی روایتیں ہیں۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ جنادہ اسانید کو الٹ پلٹ کر دیتا تھا، اور مرسل کو موصول و مرفوع بنادیا کرتا تھا۔

اور تیسرا راوی مندل بن علی ہے، جس کی احمد، یحییٰ اور نسائی نے تضعیف کی ہے، اور ابن حبان نے قابلِ ترک بتلایا ہے۔

دوسری سند میں طلحہ بن یزید ہے، جو بقول امام نسائی متروک الحدیث ہے، اور امام ابن حبان کی رائے کے مطابق ”لا يحل الاحتجاج بخبره“ ہے، یعنی اس کی روایت کو قابل احتجاج سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

(الموضوعات: ج۱/ص۱۹۳؛ اسنى المطالب: ۲٤۹؛ الإحياء العلوم: ۱/۶۲؛ الأسرار المرفوعة: ۲٤۶؛ المصنوع: ۱۹۷؛ تذكرة الموضوعات: ۱/۲٤؛ كشف الخفاء ۲/۲۶۷؛ تخريج لاحاديث الإحياء: ۱/۱٤۶؛ اللآلى: ۱/۲۲۳؛ تنزيه الشريعة: ۱/۲۶۹؛ الفوائد المجموعة: ۲۸۸؛ اللؤلؤ الموضوع: ۶۰۹)

☆☆☆☆☆
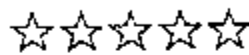
(۸۹) من قص اظفاره مخالفًا لَمْ یر فِیْ عینیه رمدًا

ترجمہ: جوشخص اپنے ناخن مخالف ترتیب سے کاٹے اس کو کبھی آشوب چشم کی شکایت نہیں ہوگی

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملاعلی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ، صاحب اسنی المطالبؒ، علامہ پٹنیؒ وغیرہم نے اس روایت کوموضوع قرار دیا ہے۔

المقاصد الحسنة: ۴۲۴ میں ہے۔

”و هو فی کلام غیر واحد من الأئمة منهم ابن قدامة فی ”المغنی“ و الشیخ عبد القادر فی ”الغنیة“ و لم اجده“.

یعنی یہ روایت کئی اکابر کے کلام میں پائی جاتی ہے، مثلاً شیخ ابن قدامہؒ نے ”المغنی“ میں اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ”غنیة الطالبین“ میں اس کو نقل فرمایا ہے، مگر مجھے یہ روایت، حدیث مرفوع کی حیثیت سے نہیں ملی۔

المصنوع: ص ۱۹۱ر میں ملاعلی قاریؒ نے بھی اس کو موضوع کہا ہے، اس کے حاشیہ میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے امام سخاویؒ کا مذکورہ کلام نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ شیخ ابن قدامہؒ اور شیخ جیلانیؒ اگر چہ فقہ حنبلی کے پہاڑ ہیں مگر حدیث میں تو ماہرین حدیث سے ہی بات لی جائے گی، اور فقہ میں فقہ کے شہسواروں سے ہی استفادہ کیا جائے گا۔

امام سخاویؒ ”مقاصد“ میں اور شیخ الامام محمد بن عبدالباقی الزرقانی ”مختصر المقاصد“ میں لکھتے ہیں: ”قص الاظافیر“ لم یرد فی کیفیته و لا فی تعیین یوم له، عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم شیء، و ما یعزی لعلی ثم للحافظ ابن حجر من

النظم في ذلك فباطل عنهما" ۔یعنی ناخن کاٹنے کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ تو کوئی خاص کیفیت منقول ہے، نہ ہی کسی دن کی تخصیص، اور اس سلسلہ میں جو کچھ بھی حضرت علیؓ اور حافظ ابن حجرؒ کی طرف منسوب ہے، وہ سب باطل ہے۔

(اسنی المطالب:ص ۲۳۹؛ المصنوع:ص ۱۹۱؛ المقاصد الحسنة: ص ۴۲۴ اور ص ۳۰۶؛
الأسرار المرفوعة:ص ۲۴۱ ؛ کشف الخفاء ص:ج ۲ /ص ۲۷۱؛
مختصر المقاصد الحسنة:ص ۱۴۶؛ تذکرة الموضوعات:ج ۱/ص ۱۶۰)

☆☆☆☆☆

(۹۰) من قضى صلوة من الفرائض في آخر جمعة من شهر رمضان كان ذلك جابرًا لكل صلوة فاتته في عمره إلى سبعين سنة.

ترجمہ: جو شخص رمضان کے آخری جمعہ کو کوئی فوت شدہ فرض نماز کی قضاء کرے تو یہ نماز اس کے ستر سال کی فوت شدہ نمازوں کے لیے کافی ہو جائے گی۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ، علامہ عبد الحیؒ لکھنوی اور علامہ شوکانیؒ نے بڑے شدومد کے ساتھ اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

علامہ شوکانیؒ نے اس روایت کو اپنی کتاب "الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة: ص ۴۴" میں اس طرح ذکر کیا ہے۔"من صلى في آخر جمعة من رمضان الخمس صلوات المفروضة في اليوم و الليلة قضت عنه ما اخل به من صلاة سنة".

یعنی جس نے رمضان کے آخری جمعہ میں دن ورات کی پانچ فرض نمازادا کی تو یہ اس کے ایک سال کی قضاء نمازوں کے لیے کفارہ ہو جائیں گی۔

پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں۔

"هذاموضوع بلاشک لم اجدهٔ فی شیء من الکتب التی جمع مصنفوها فیها الأحادیث الموضوعة لکن اشتهر عند جماعة من المتفقهة بمدینة صنعاء فی عصرنا هذا و صار کثیر منهم یفعلون ذالک و لا ادری من وضع لهم فقبح الله الکذابین"۔

یعنی یہ روایت موضوع ہے اور اس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے بل کہ اس روایت کا تو ان کتابوں میں کہیں نام ونشان نہیں جن کے مصنفین نے احادیث موضوعہ کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے، لیکن ہمارے زمانہ میں شہر صنعاء میں فقہاء کی جماعت میں یہ روایت کافی مشہور ہے اور بہت سارے لوگ اس پر عمل پیرا بھی ہیں، لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ اس کا وضع کرنے والا کون ہے، اللہ ان کذابین ووضاعین کا منہ کالا کرے۔

علامہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے اپنے رسالہ "عجالۂ نافعه" میں احادیث موضوعہ میں پائے جانے والے قرائن وضع کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ "الخامس أن یکون مخالفًا لمقتضی العقل وتکذبه القواعد الشرعیة مثل القضاء العمری ونحو ذالک"

پانچواں قرینہ یہ ہے کہ اس کا مضمون مقتضائے عقل کے خلاف ہو اور قواعد شرعیہ سے اس کی تکذیب ہوتی ہو جیسے قضاء عمری والی حدیث یا اس جیسی دوسری روایات۔

ملا علی قاریؒ نے مذکورہ بالا روایت (من قضی صلوة......الخ) کو موضوعات کبریٰ میں نقل فرما کر لکھا کہ "باطل قطعًا لانه مناقض للاجماع علی ان شیئًا من العبادات

لایقوم مقام فائتة سنوات"۔

یعنی یہ روایت قطعی طور پر باطل ہے؛ اس لیے کہ اجماع کے خلاف ہے، امت کا اجماع ہے کہ کوئی بھی عبادت سالہا سال کی فوائت کے قائم مقام نہیں ہو سکتی، پھر آگے لکھتے ہیں: "**ثم لاعبره بنقل "النهاية" و لا ببقية شراح الهداية" فانهم ليسوا من المحدثين و لا اسندوا الحديث الى احد من المخرجين**"۔

یعنی ہدایہ کی شرح "**نهاية**" اور اسی طرح دوسرے شراح ہدایہ کے نقل کا یہاں کوئی اعتبار نہیں کیوں کہ یہ لوگ نہ تو محدث ہیں نہ ہی انہوں نے اس روایت کو کسی ایسے محدث کی طرف منسوب کیا ہے جو احادیث کی تخریج کرنے والوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اور نہ ہی کسی مخرج تک سند حدیث کا اتصال کیا ہے۔

(الفوائد المجموعة:٥٤ ؛ كشف الخفاء:٢/٢٧٢ ؛ الأسرار المرفوعة:٢٤٢ ؛ الآثار المرفوعة: ٥٨ ؛ المصنوع: ١٩١ ؛ الاجوبة الفاضلة: ٣٠ ؛ العجالة النافعة ؛ عمدة الرعاية: ١/١٣)

علامہ عبدالحی لکھنوی ؒ کا ایک نہایت محققانہ کلام:

چوں کہ یہاں پر صاحب نہایہ اور بعض شراح ہدایہ کی بات کو ساقط الاعتبار بتلایا گیا ہے، اور اسی طرح بعض دوسرے مواقع پر بعض کتب فقہ اور فقہاء کی عبارت و نقول پر اعتماد نہیں کیا گیا، جو بعض ذہنوں کے لیے باعث تشویش بات ہو سکتی ہے، اس لیے مقام کی مناسبت سے علامہ لکھنوی ؒ کا ایک نہایت محققانہ اور اعتدال و انصاف پر مبنی بصیرت افروز کلام ذکر کیا جا رہا ہے، جس سے ان شاء اللہ یہ خلجان دور ہو جائے گا۔ یہ پوری تحقیق علامہ لکھنوی ؒ کی کتاب "**الاجوبة الفاضلة**" کے حاشیہ میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے جمع فرمائی ہے۔

علامہ لکھنوی ؒ نے اپنی کتاب "**عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية**" کے

مقدمہ میں ملا علی قاریؒ کے اس کلام کو ذکر کرتے ہوئے تعلیقاً فرمایا کہ ملا علی قاریؒ کے مذکورہ کلام سے ایک بہت ہی مفید بات معلوم ہوئی کہ کتب فقہ، مسائل فقہ کے باب میں بلاشبہ معتبر اور قابل اعتماد ہیں؛ اسی طرح ان کے مصنفین بھی اپنے میدان میں تبحر و کمال کے درجہ پر فائز ہیں۔ مگر ان تمام محاسن کے باوجود احادیث کے سلسلہ میں ان پر کلی اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور محض ان کتابوں میں احادیث کا ذکر آنے سے کوئی قطعی فیصلہ بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

چناں چہ کتنی احادیث موضوعہ فقہ کی کتب معتبرہ میں مذکور ہیں، جیسے ''لسان أهل الجنة العربية و الفارسية الدرية'' ''من صلى خلف عالم تقي فكانما صلى خلف نبي'' اسی طرح ''علماء امتي كأنبياء بني اسرائيل'' وغیرہ۔ لیکن ہاں اس کتاب کا مؤلف محدث ہو تو اس کی ذکر کردہ حدیث پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؛ اسی طرح کوئی بھی ثقہ مصنف منقول حدیث کی سند، حدیث کی کسی کتاب تک بیان کردے تو وہ قابل قبول ہو سکتی ہے، اور صاف بات یہ ہے کہ ''لكل مقام مقال و لكل فن رجال'' اللہ تعالیٰ نے ہر بات کا موقع و محل الگ بنایا ہے، اور ہر فن کے لیے علیحدہ رجال پیدا کیے ہیں۔ اور اپنی مخلوقات میں سے ہر ایک کے لیے کسی نہ کسی نوع کی فضیلت کو مخصوص کر دیا جو دوسروں میں مفقود ہوتی ہے، چناں چہ بعض محدثین کے دامن میں روایت کا وافر حصہ القاء فرمایا لیکن فقہ اور اصول فقہ سے ان کو تہی دامن رکھا جب کہ بعض فقہائے کرام میں مسائل فقہیہ کے ضبط کرنے کی تو خوب صلاحیت رکھی لیکن احادیث نبویہ کے ملکۂ مبارکہ سے عاری رکھا، اس لیے اب ہم پر یہ بات ضروری ہے کہ ہم ہر ایک کو اس کے مقام و مرتبہ میں رکھیں، اور میں نے اس موضوع پر اپنے رسالہ ''ردع الأخوان مما أحدثوه في آخر جمعة رمضان'' میں سیر حاصل بحث کی ہے۔

شیخ ابوغدہ یہاں حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ لکھنویؒ نے اس موضوع کی تحقیق میں

رسالہ مذکورہ کے بیس سے متجاوز صفحات پر بڑا ہی شاندار کلام کیا ہے۔

اس مقام کے مطابق خلاصۂ کلام کے طور پر اس کا کچھ حصہ ذکر کیا جارہا ہے، فرماتے ہیں کہ "زادالبیب، أنیس الواعظین، ادارۃ العابدین اور مفاتیح الجنان" (معرب) میں مرقوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "من فاتته صلواتٌ و لا یدری عددها فلیصل یوم الجمعة أربع ركعات نفلا بسلام واحد و یقرأ فی كل ركعة بعد الفاتحة آیة الكرسی سبع مرات، و انا اعطیناك الكوثر خمس عشرة مرة قال علی بن أبی طالب سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول وان فاتته صلوات سبع مائة سنة كانت هذه الصلوة كفارة لها قالت الصحابة: انما غیر الإنسان، أی من هذه الامة. لما فاته ومافات من الصلوات من ابیه وامه ولفوائت أولاده".

یعنی اگر کسی کی اتنی نمازیں فوت ہو جائیں کہ ان کی تعداد کا علم بھی نہ ہو تو ایسے شخص کو جمعہ کے دن چار رکعت نفل ایک ساتھ ادا کرنا چاہیے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سات مرتبہ "آیة الكرسی" اور پندرہ مرتبہ "سورة الكوثر" پڑھے۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر کسی کی سات سو سال کی بھی نمازیں فوت ہو گئیں ہو تو یہ نماز ان تمام چھوٹی ہوئی نمازوں کے لیے کفارہ ہو جائے گی، صحابہ نے عرض کیا کہ اس امت کی عمریں تو صرف ۷۰ سال یا ۸۰ سال کی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ نماز خود اس کی، اس کے والد کی، والدہ کی اور اس کے اولاد وغیرہ کی فوت شدہ نمازوں کے لیے بھی کفارہ ہے۔

نیز "من صلیٰ فی آخر جمعة من رمضان اربع رکعات قبل الظهر کانت کفارة لفوائت جمیع عمره".

یعنی جس شخص نے رمضان کے آخری جمعہ میں ظہر سے قبل چار رکعات پڑھی تو یہ نماز اس کی زندگی کے فوت شدہ نمازوں کے لیے کفارہ ہوگی۔ یہ اور ان جیسی غیر ثابت احادیث کتب مذکورہ میں پائی جاتی ہیں، جو صریح البطلان ہیں، پھر علامہ لکھنویؒ نے ان احادیث کے ابطال اور ان کے ناقلین پر اعتماد کرنے والوں کی تردید کے ارادہ سے فرمایا کہ ملا علی قاریؒ نے اپنی "الموضوعات" میں ایک قاعدہ کلیہ ذکر فرمایا کہ احادیث نبویہ، مسائل فقہیہ اور تفاسیر قرآنیہ کو کتب متداولہ ہی سے اخذ کرنا درست ہے، اس لیے کہ دیگر کتب غیر محفوظہ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ کتابیں زنادقہ کی وضع کی شکار ہو گئیں ہوں یا ملحدین کے الحاد سے ملحق ہو گئیں ہو۔

پھر علامہ لکھنویؒ نے ان احادیث کے بطلان کی دلیل دیتے ہوئے کئی ایک وجہیں ذکر کی ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان مصنفین نے ان روایات کو بے سند ذکر کیا اور نہ ہی کسی مخرج تک متصل السند بیان فرمایا اور بے سند حدیث کو قبول کرنا اہل عقل و دانش کی شان کے خلاف ہے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان ناقلین کے مابین ایسے ہر خطہ بیابان ہیں جن میں بسا اوقات سواروں کی سواریاں ہلاک ہو جایا کرتی ہیں اور منزل تک رسائی نہیں ہو پاتی، لہٰذا ان کے صرف " قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کذا و کذا " کہنا اس وقت تک حلال نہیں ہے، جب تک کہ اس کے پاس اس روایت کی اقل درجہ میں سہی کوئی وجہ روایت نہ موجود ہو۔

لیکن اگر کسی کو اشکال ہو کہ یہ روایتیں تو مشہور ہیں لہٰذا ان کی سندوں کی تحقیق کی ضرورت نہیں؟ تو اس اشکال کا دفعیہ یہ ہے کہ مشہور سے مراد اگر معنیٰ اصطلاح عند الاصولیین ہے، تب بھی سند بیانی ان کی روایت کی تحقیق و تفتیش پر موقوف ہوگی۔

اور اگر مشہور سے مراد مطلق مشہور ہے اگر چہ وہ خواص و عوام کے زبان زد ہیں تب بھی ناقابل انتفاع ہیں اس لیے اس جیسی شہرت محدثین کے پارلیمنٹ میں ساقط الاعتبار رہے، کیوں کہ کتنی ایسی احادیث ہیں جو عوام کی زبان پر مشہور ہیں یا خواص کی کتابوں میں مسطور ہیں حالاں کہ شریعت میں ان کی اصل مفقود ہے، اور وہ موضوع یا حد درجہ ضعیف ہیں۔ مثلاً:

"لولاک لما خلقت الأفلاک، علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل، یوم صومکم یوم نحرکم، لسان أهل الجنة العربية و الفارسية الدرية وغیرہ۔ جیسا کہ یہ ابن الجوزیؒ کی کتاب "الموضوعات" امام سیوطیؒ کی "اللآلی المصنوعة اور الدرر المنتثرہ" علامہ سخاویؒ کی "المقاصد الحسنة" ملا علی قاریؒ کی "الموضوعات" وغیرہ مصنفات کو زیر مطالعہ رکھنے والے شخص پر مخفی نہیں۔

علامہ سخاویؒ نے "فتح المغیث" میں لکھا ہے کہ مشہور کی دو صورتیں ہیں:

ایک مشہور عند المحدثین یعنی یہ کہ دو سے زائد راویوں سے مروی ہو۔

دوسری مشہور عند الناس یعنی صرف عوام الناس کے مابین وہ مشہور ہوا گر چہ کہ اس کی صرف ایک سند ہو یا ایک سے زائد ہو یا یہ کہ اس کی کوئی بھی سند نہ ہو وہ بھی اس صورت میں شامل ہے، جیسے "علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل اور ولدت في زمن الملک العادل کسریٰ" (کہ میں عادل حکمراں شاہ کسریٰ کے دور میں پیدا ہوا) اس طرح کی بہت سی احادیث مشہورہ لوگوں کے مابین مشہور ہیں لیکن دنیائے حدیث میں مشہور عند الناس

کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا بل کہ مشہور عندالمحدثین کے قول کو قابل تسلیم سمجھا جاتا ہے۔

اگر کوئی یہ سمجھے کہ ان روایات کا جلیل القدر اور شہیر الذکر حضرات ناقلین سے منقول ہونا ہی سند کی حیثیت رکھتا ہے؟ تو ایسے سمجھدار شخص کو یہ بات جاننا ضروری ہے کہ بے سند حدیث بالکل ہی قابل قبول نہیں اگرچہ اس کا قائل معتمد ہی کیوں نہ ہو اور خصوصاً جب کہ ناقل نقاد حدیث میں سے نہ ہو۔ نیز کسی شخصیت کا جلیل القدر ہونا اس کے منقولات کو قبول کرنے کو مستلزم نہیں۔

ذرا ایک نظر جلیل القدر امام غزالیؒ کی تصنیف "احیاء علوم الدین" پر ڈالئے جس میں بے سند اور غیر معتمد احادیث بکثرت موجود ہیں، جیسا کہ یہ بات علامہ عراقیؒ کی "تخریج احادیث احیاء علوم الدین" کے مطالعہ سے واشگاف ہو جاتی ہے، نیز جلیل القدر حنفی فقیہ صاحب ہدایہ علامہ مرغینانیؒ کو لے لیجئے ان کی عظیم المرتبت کتاب ہدایہ میں بھی اخبار غریبہ ضعیفہ اور غیر معتمد روایات ہیں جو علامہ زیلعی اور ابن حجر کی "تخریج احادیث الهداية" کے پڑھنے سے آشکارہ ہو جاتی ہے۔

ان ساری باتوں کے جاننے کے باوجود بھی اگر کوئی شخص کہے کہ یہ روایات تو ثقات سے منقول ہیں اور ثقات سے خرافات وواہیات کا واقع ہونا امر مستبعد ہے؟

تو میں یہ کہتا ہوں کہ دیندار و ثقہ سے ان کا وقوع امر مستبعد نہیں ہے لیکن ہاں! میں یہ بھی نہیں کہتا ہوں کہ انہوں نے علم بالکذب کے باوجود ان کو نقل کیا بل کہ انہیں دوسروں کے کہنے سے دھوکہ ہو گیا کیوں کہ وہ نہ تو خود محدث تھے اور نہ ہی کسی محدث ناقد کی طرف اس کی نسبت کی "والعبرة في هذا الباب لهم لا لغيرهم" یعنی دنیائے حدیث میں محدث کے قول کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ کسی اور کا۔

واقعہ: جب میں نے ملا علی قاریؒ کی وہ عبارت جو "**من قضی صلوۃ من الفرائض الخ**" کے موضوع ہونے پر دال ہے، بعض لوگوں کو لکھ کر ارسال کیا تو انہوں نے کہا کہ صاحبِ نہایۃ کے مقابل میں ملا علی قاری نا قابل اعتبار ہیں، اور قابل اعتبار صاحبِ نہایۃ کا نقل کرنا ہے نہ کہ ملا علی قاریؒ کا فیصلہ۔

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات ایسے جاہل نے کہی ہوگی جو کہ مرتبۂ محققین اور فقہاء کے مابین فرق سے بے بہرہ ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر میدان کے کچھ جانباز پیدا کئے ہیں، اور ہر بات کا ایک مقام و موقع مقرر کر دیا ہے، اب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہر ایک کو اس کا مقام و مرتبہ دیں۔

چناں چہ جب اجلہ فقہاء بھی تنقید احادیث سے واقف نہ ہوں تو ہم تحقیق محدثین کے بغیر بے سند و غیر مستند روایات کو تسلیم نہیں کریں گے، معتبرین کے کلام کی طرح ان کا کلام قابل قبول نہیں سمجھیں گے؛ اسی طرح ہر صاحب فن کو اس فن میں حیثیت دیتے جائیں۔

ان تمام تفصیلات کے بعد اب صاحب نہایہ کو ذرا مرکز توجہ بنایئے کہ اگر چہ وہ اجلہ فقہاء کی صف میں ہیں لیکن زمرۂ محدثین کے رتبہ تک ان کی رسائی نہیں، اس لیے ان کی بے سند روایات کو اس وقت تک قابل تسلیم نہیں سمجھیں گے جب تک کہ ان کے لائق اعتبار ہونے پر محدثین کی ایک جماعت صراحت نہ کر دے کیوں کہ یہ بات مسلم ہے کہ "**العبرۃ فی هذا الباب لهم لا لغیرهم**"۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ قیمتی تحقیقات ہیں کہ اگر علم و تحقیق کا کوئی شیدائی اس کے لیے مہینوں کا سفر کرے تو بھی بسا غنیمت ہے۔ کیوں کہ یہ ساری باتیں حقائق کا لب لباب اور صاف و بے داغ سراپا خیر خواہی و سچائی پر مبنی ہیں اسی لیے میں نے یہاں

تطویلِ کلام کو مناسب سمجھا۔

اللہ پاک امام لکھنویؒ پر بارانِ رحمت نازل فرما کر انہیں دین کی پاسبانی کا بدلہ عطا فرمائیں۔ آمین! (الأجوبة الفاضلةمع الحاشية: ص ۳۰ تا ۳٤)

(۱۹۱) من كثرت صلوته بالليل حسن وجهه بالنهار

ترجمہ: رات میں جس شخص کی نمازیں زیادہ ہوتی ہیں دن میں اس کا چہرہ منور ہوتا ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ سخاویؒ، علامہ صغانیؒ، ابن جوزیؒ، عجلونیؒ، ملا علی قاریؒ اور شیخ پٹنیؒ: ان تمام محدثین نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

امام سخاویؒ کہتے ہیں کہ اگر چہ یہ روایت متعدد سندوں سے مروی ہے، مگر اس کی کوئی اصل نہیں ہے، ابن ماجہؒ اور شیخ قضاعیؒ نے اس کو صحیح خیال کر کے اس کی تخریج بھی کی ہے، مگر یہ روایت صحیح تو کیا ہوتی ضعیف بھی نہیں، باتفاق محدثین موضوع ہے۔

علامہ ابن عدیؒ نے اس کو ثابت ماننے والوں پر سخت تردید کی ہے اور محدث ابن طاہرؒ کہتے ہیں کہ شیخ قضاعیؒ کا اس روایت کو صحیح سمجھنا اس کی مختلف اسانید کی بناء پر تھا، اور یہ ان کی چوک ہے، ان کی حفاظِ حدیث کے مقام تک رسائی نہیں تھی۔

مقاصد حسنہ میں ہے کہ "واتفق ائمة الحديث ابن عدى و الدارقطني و العقيلي و ابن حبان و الحاكم على انه من قول شريك"۔

ابن عدیؒ، دار قطنیؒ، عقیلیؒ، ابن حبانؒ اور حاکمؒ ان تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ روایت کلامِ نبوی نہیں بلکہ حضرت شریکؒ کا قول ہے، جس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک مرتبہ

حضرت ثابتؒ حضرت شریک کی خدمت میں تشریف لائے، ثابت ایک نیک صالح بزرگ آدمی تھے اور شریک کچھ مزاح پسند طبیعت رکھتے تھے، اس وقت شریک ایک دوسری حدیث کی سند طلباء کو اس طرح لکھوا رہے تھے۔

"حدثنا الأعمش عن أبي سفيان عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" ابھی حدیث کا متن پڑھانا باقی تھا، اتنے میں حضرت ثابتؒ ان کے پاس پہنچ گئے تو ان کی طرف متوجہ ہو کر ان کے زہد وورع اور چہرے کی نورانیت سے متاثر ہو کر بول پڑے "من كثرت صلوته بالليل حسن وجهه بالنهار" تو ثابت نے یہ سمجھ لیا کہ شیخ شریکؒ نے جو سند پڑھی اسی سند کا یہ متن ہے، چناں چہ ثابت یوں روایت نقل کرنے لگے۔

"عن شريك عن الأعمش عن أبي سفيان عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كثرت صلوته بالليل حسن وجهه بالنهار" پھر ثابت سے کئی لوگوں نے مثلاً اسحاق ابن بشر الکاہلی، عبداللہ ابن شبرمہ الشریکی اور عبدالحمید بن بحر وغیرہ نے اس کی روایت کر دی اور رفتہ رفتہ یہ حدیث نبوی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

حالاں کہ شریک اس وقت مذکورہ سند سے جو حدیث سنانا چاہتے تھے وہ یہ تھی:

"يعقد الشيطان على قافية رأس احدكم اذا هو نام ثلاث عقد ......الخ"۔

(توضيح الافكار للصغانی:۲/۸۸؛ تدريب الراوی:۱۸۸؛ حاشية المصنوع:۱۹۳)۔

(الموضوعات:۲/۱۰۹؛ المقاصد الحسنة:۱/۲۲۳؛ المصنوع:۱۹۳)

امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:" قال بعض السلف من كثرت صلوته......الخ و قد اسنده ابن ماجه في سننه عن اسماعيل قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كثرت صلوته ...... الخ. والصحيح انه موقوف"۔

(تفسیر ابن کثیر:۷/۳۶۱)

یعنی بعض سلف فرماتے ہیں کہ روایت مذکورہ ''من کثرت صلوته ......کو اگر چہ امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اپنی سند کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی حیثیت سے ذکر فرمایا ہے؛ مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت حدیث مرفوع نہیں ہے، بل کہ موقوف ہے۔

تفسیر قرطبی میں امام قرطبیؒ نے ''سیماهم في وجوههم من اثر السجود'' کے تحت اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: وقال ابن العربي دسهٔ قوم في حديث النبي صلى الله عليه وسلم على وجه الغلط و ليس عن النبي صلى الله عليه وسلم فيه ذكر بحرف۔

یعنی: الغرض شیخ ابن العربی فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے اس روایت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں غلط طریقے سے شامل کر دی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں ایک حرف بھی ثابت نہیں ہے، ابن کثیرؒ، امام قرطبیؒ، اور ابن العربیؒ تینوں حضرات اس کے حدیث ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ (تفسیر القرطبی:۱۶/۲۹۳)

ابن الجوزیؒ نے یہ روایت دو صحابی سے مرفوعاً نقل کی ہے، ایک حضرت جابرؓ سے دوسرے حضرت انسؓ سے۔

حضرت انس کی روایت کے بعد لکھا ہے: حضرت جابرؓ کی روایت کے متعلق لکھا ہے کہ یہ روایت چھ طرق سے مروی ہے، مگر ایک بھی طریق کھوٹ سے پاک نہیں ہے۔

پہلی سند میں عبد الحمید ابن بحر ہے جس کے بارے میں ابن حبان نے کہا: ''يسرق الحديث ويحدث عن الثقات ما ليس من حديثهم لا يصح الاحتجاج به بحال''۔

یعنی یہ شخص حدیثوں کی چوری کیا کرتا تھا، اور ثقات کے حوالہ سے ایسی حدیثیں

سناتا تھا جن کا ان سے ثبوت نہیں ہوتا تھا، لہٰذا اس کی روایات سے کام لینا کسی بھی حالت میں جائز نہیں۔

اور بقیہ سندوں میں ضعیف، مجہول، اور کذاب افراد پائے جاتے ہیں مثلاً محمد بن ایوب ضعیف ہے، محمد بن جزار اور اس کا باپ دونوں مجہول ہیں اور عدوی کذاب ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں لکھا کہ "هذا حديث لا يصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم "یعنی اس حدیث کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ثبوت نہیں ہے کیوں کہ اس کی سند میں عثمان بن دینار واقع ہے جس کے متعلق عقیلی کا کہنا ہے کہ اس سے اس کی لڑکی حکامہ بے بنیاد باطل روایات نقل کیا کرتی تھی نیز عقیلی نے کہا "وَهٰذَا الْحَدِيْثُ بَاطِلٌ لا أَصْلَ لَهٗ"۔

(الموضوعات لابن الجوزی:۲/۱۰۹؛ المقاصد الحسنة:۲۲٤؛ الموضوعات للصغانی:۱/۲؛ کشف الخفاء:۲/۲٤٤؛ تذکرة الموضوعات:۱/٤٨؛ الاسرار المرفوعة:۲٤۲)

☆☆☆☆☆

(۹۲) موت العالِم موت العالَم

ترجمہ: عالِم کی موت عالَم کی موت ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: یہ عبارت حدیث نبوی نہیں ہے، کسی شخص کا قول ہے، ذخیرۂ احادیث میں اس کا ذکر نہیں ملتا، ہاں اس کا مضمون اپنی جگہ صحیح ہے کہ عالِم کی موت اتنا بڑا خسارہ ہے کہ اس کو عالَم کی موت کہنا بجا ہے، اس قسم کا مضمون جس سے عالِم کی موت کا بڑا خسارہ ہونا بعض دوسری روایات میں وارد ہے۔ مثلاً:

(الف) موت العالم مصيبة لا تجبر، وثلمة لا تسد، وهو نجم طمس وموت قبيلة ايسر من موت عالم، رواه الطبراني في الكبير عن أبي الدرداءؓ مرفوعًا.

یعنی عالم کی موت ایسی مصیبت ہے جس کی تلافی نہیں ہوسکتی، اور ایسا خلا ہے جس کو پُر نہیں کیا جاسکتا، وہ ایک ستارہ ہے جو ڈوب گیا، اور قبیلہ کی موت سہل تر ہے عالم کی موت سے۔

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ج ۱/ص ۱۲٤ ؛ کنز العمال: ج ۱۰/ص ۱٤۹)

(ب) إذا مات العالم إنثلم في الإسلام ثلمة ولا يسد ها شيء إلى يوم القيامة. عن علي من قوله وهو معضل.

یعنی جب عالم کا انتقال ہوتا ہے تو اسلام میں ایک رخنہ پڑ جاتا ہے جس کو کوئی چیز تا روز قیامت پُر نہیں کرسکتی۔

(ج) عن جابر مرفوعًا موت العالم ثلمة في الاسلام لا يسدها اختلاف الليل و النهار.

یعنی عالم کی موت ایسا خلا ہے جس کو زمانہ کی گردش پُر نہیں کرسکتی۔

(د) ما قبض الله عالمًا إلا كان ثغرة في الاسلام لا تسد، عن إبن عمر مرفوعًا.

یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی عالم کی روح کو قبض کرتے ہیں تو اسلام میں ایک ایسا رخنہ پڑ جاتا ہے جس کی بھرپائی نہیں ہو پاتی۔

مذکورہ بالا (چاروں) روایات کا حاصل یہ ہے کہ عالم کی موت سے اسلام میں ایسا خلا پیدا ہوجاتا ہے، جو قیامت تک کسی چیز سے پُر نہیں کیا جاسکتا۔

(ھ) آیت شریفہ "أولم يروا أنا نأتي الأرض ننقصها من أطرافها". (الرعد: ٤١)

یعنی کیا وہ اس امر کو نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم زمین کو ہر چہار طرف سے برابر کم

کرتے چلے آتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ”أی موت علماء ھا و فقہاء ھا“ یعنی امت کا نقصان اور خسارہ علماء وفقہاء کی موت کے ذریعہ ہوگا۔

(و) امام بیہقیؒ نے حضرت ابو جعفرؒ سے نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ”موت عالم احب إلی ابلیس من سبعین عابدًا“ ۔ یعنی ایک عالم کی موت ابلیس کے نزدیک ستر عابدوں کی موت سے زیادہ محبوب ہے۔

(المقاصد الحسنة:ص ٤٤٥؛ الاسرار المرفوعة:ص ١٧٧؛ كشف الخفاء:ج ١/ص ٤٩٩
تذكرة الموضوعات:ج ١ ص ٢١/ كنز العمال)

☆☆☆☆☆
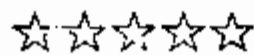
(۹۳) موتوا قبل ان تموتوا

ترجمہ: مرنے سے پہلے مرجاؤ۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، عجلونیؒ اور ابن حجر عسقلانیؒ یہ سبھی حضرات اس کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

امام سخاوی کہتے ہیں ”قال شیخنا انه غیر ثابت“۔ (مقاصد الحسنة:٤٢٦)

یعنی ہمارے شیخ (حافظ ابن حجر رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

نیز ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں ”قال العسقلانی انه غیر ثابت وقلت ھو من کلام الصوفیة و المعنی موتوا اختیارًا قبل ان تموتوا اضطرارًا، المراد بالموت الاختیاری ترک الشهوات واللهوات وما یترتب علیها من الزلات

و **العقلات"**. (الاسرار الحسنة:۲۴۶؛ المصنوع:۱۹۸؛ کشف:۲/۲۹۱)

یعنی علامہ عسقلانیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث موضوع ہے، اور میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ یہ فقرہ کلام صوفیاء کی قبیل سے ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اضطراری موت سے پہلے اختیاری موت مرجاؤ اور اختیاری موت سے مراد شہوت ولذت اور کھیل کود کی چیزوں کو چھوڑ دینا اور ان کے نتیجہ میں وجود میں آنے والی لغزشوں اور غفلتوں سے بچ جانا ہے۔

☆☆☆☆☆
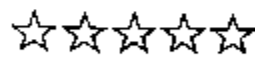
(۹۴)الناس علی دین ملوکھم (وفی روایۃ) ملیکھم

ترجمہ: پبلک اپنے بادشاہوں کے طور طریق پر چلتی ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاوی، ملا علی قاری، شیخ عجلونی، علامہ شوکانی، علامہ پٹنی، شیخ ابن الخلیل طرابلسی، شیخ امیر کبیر المالکی، شیخ سلیمان بن صالح الخراشیؒ ان تمام حضرات نے اس روایت کو بے اصل اور موضوع قرار دیا ہے۔

امام سخاویؒ لکھتے ہیں: " لا اعرفه حدیثا وقد رویناه عن الفضیل بن عیاض انه قال ما معناه " یعنی میں اس کو حدیث نہیں سمجھتا، ہاں فضیل بن عیاض سے اسی قسم کا ایک مضمون منقول ہے، پھر امام سخاوی نے وہ مضمون نقل فرمایا کہ حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا کہ اگر میرے پاس کوئی قبولیت کے قابل کوئی دعاء ہوتی تو میں بادشاہ وقت کو اس کا سب سے زیادہ مستحق قرار دیتا، کیوں کہ بادشاہ کے صلاح وفساد کیساتھ عوام کا صلاح و فساد وابستہ ہے۔

پھر امام سخاوی نے طبرانی کبیر اور طبرانی اوسط کے حوالہ سے حضرت ابوامامہؓ کی سند سے ایک مرفوع حدیث بھی نقل فرمائی ہے جس سے اوپر کی ذکر کردہ روایت کے مضمون کی تائید ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: " لا تسبوا الائمة وادعوا لهم بالصلاح فان صلاحهم لكم صلاح".

ترجمہ: اپنے مقتداؤں (حکمران وغیرہ) کو برا نہ کہو بلکہ ان کے لیے دعاء خیر کرتے رہا کرو کیوں کہ ان کی صلاح میں تمہاری صلاح پوشیدہ ہے۔

اسی طرح بیہقی نے کعب احبار کا یہ قول نقل فرمایا ہے: " ان لكل زمان ملكا يبعثه الله على نحو قلوب اهله فاذا اراد صلاحهم بعث عليهم مصلحا واذا اراد هلكتهم بعث فيهم مترفيهم".

ترجمہ: ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ اہل زمانہ کے دلوں کے مطابق بادشاہ منتخب کرتا ہے، لوگوں کے قلوب کی صلاح و اصلاح مقصود ہوتی ہے تو مصلح بادشاہ کو بھیجتا ہے، اور جب لوگوں کی ہلاکت پیش نظر ہوتی ہے تو ان ہی کے عیش پرستوں کو ان پر مسلط کر دیتا ہے۔

اسی طرح امام سخاوی نے شیخ دینوری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عمر بن خطاب کے زمانہ میں کسریٰ کا تاج شاہی جب آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ تاج لا کر دینے والا اللہ کی قسم کوئی امانتدار آدمی ہو سکتا ہے، تو ایک شخص نے کہا اے امیر المؤمنین آپ اللہ تعالیٰ کی امانت کے بارے میں امین ہیں تو آپ کی قوم بھی امین ہے، اگر آپ میں خیانت کا اثر ہوتا تو قوم بھی خائن ہوتی۔

شیخ عجلونی نے " کشف الخفاء ج ۲/ ص ۳۱۱ " میں شیخ نجم الدین غزی کے حوالہ سے روایت مذکورہ کی توضیح میں عمر بن عبدالعزیز کا یہ قول ذکر فرمایا ہے کہ: " السلطان سوق فما

راج عندہ حمل الیہ" یعنی بادشاہ کی حیثیت بازاراور منڈی کی ہوا کرتی ہے، اس لیے جس قسم کا مال وہاں چلتا ہوگا ویسا ہی مال پہنچایا جائے گا، حافظ بن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں ولید بن عبدالملک کے ترجمہ کے تحت بڑی عمدہ بات لکھی ہے، جس سے روایت مذکورہ "الناس علی دین ملوکھم" کے مضمون کی بہت ہی جلی اور واضح مثال سامنے آتی ہے، لکھتے ہیں کہ بادشاہ اگر شرابی، لوطی، بخیل وحریص ہوگا تو قوم بھی ویسی ہی ہوگی، اور اگر بادشاہ شریف، سخی، بہادر ہوگا تو قوم کا بھی یہی حال ہوگا، ولید بن عبدالملک کا سارا منصوبہ عمارتوں سے متعلق ہوا کرتا تھا، تو اس کے دور میں لوگ بھی اسی خیال میں مشغول تھے، کہ آپس کی ملاقاتوں میں پوچھتے تم نے کتنی عمارت کھڑی کی، پھر اس کے بھائی سلیمان کی ساری سوچ عورتوں کے اردگرد گھومتی رہتی تو اس کے عوام کا بھی یہی حال رہا کی لوگ یہی مذاکرے کرتے کہ تمہارے پاس کتنی بیویاں ہیں؟ کتنی لونڈیاں ہیں؟ اور جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مبارک دور آیا تو وہ چوں کہ تلاوت قرآن، نماز اور عبادت میں مستغرق رہتے تھے، تو ان کے زمانہ میں لوگ آپس کی ملاقاتوں میں ایک دوسرے سے یہ سوال کرتے کہ تم نے آج کتنی تلاوت کی؟ کتنے وظیفے کیے؟ گذشتہ رات کتنی نفلیں پڑھی؟ (حاشیۃ المصنوع ۱۹۹،۱۹۸)

الغرض! روایت مذکورہ کا مضمون تو بہت عمدہ اور مطابق واقع ہے، مگر حدیث نبوی نہیں ہے۔

(المقاصد الحسنۃ ص ۴۴۱؛ النخبۃ البھیۃ ج۱، ص ۲۱؛ الاسرار المرفوعۃ؛ المصنوع ۱۹۸؛ کشف الخفاء ج۲ ص ۳۱۱؛ الفوائد المجموعۃ؛ تذکرۃ الموضوعات ج۱ ص ۱۸۳)

☆☆☆☆☆

(۹۵) (الف)الناس كلهم هالكون إلا العالمون و العالمون كلهم هالكون الاالعاملون و العاملون كلهم هالكون إلا المخلصون والمخلصون على خطر عظيم.

(ب)الناس هلكٰى إلا العالمون والعالمون هلكٰى إلا العاملون و العاملون هلكٰى الاالمخلصون والمخلصون على خطر عظيم . (وفي بعض الروايات غرقٰى، و في بعضها موتٰى)

ترجمہ: سارے لوگ برباد ہیں سوائے علماء کے اور سارے علماء برباد ہیں سوائے علم پر عمل کرنے والوں کے اور تمام عمل کرنے والے بھی برباد ہیں سوائے اخلاص والوں کے اور اخلاص والے بڑے پُرخطر مرحلہ میں ہیں۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ صغانیؒ اپنی موضوعات: ج ۱ رص ۲ میں لکھتے ہیں "هذا الحديث مفترى و ملحون والصواب في الاعراب الا العالمين و العاملين و المخلصين"۔

یعنی یہ حدیث من گھڑت ہے اور لفظی اعتبار سے غلط بھی ہے، کیوں کہ "العالمون، العاملون، المخلصون کی جگہ العالمين، العاملين، المخلصين ہونا چاہیے تھا، اور اگر کسی تاویل سے اس کو صحیح بھی قرار دیا جائے، پھر بھی یہ روایت حدیث نبوی نہیں ہے۔

علامہ عجلونیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ اور شیخ ابن درویشؒ یہ سب حضرات اس روایت کو

بے سند اور موضوع قرار دیتے ہیں:

صاحب اسنی المطالب اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ:

"موضوع و هذا الحديث ذكره السمرقندى فى كتاب تنبيه الغافلين و ولع به اهل الوعظ وهذا الكتاب فيه كثير من الموضوع فلا يعتمد عليه"

یعنی یہ روایت موضوع ہے اس کو شیخ سمرقندیؒ نے اپنی کتاب "تنبیہ الغافلین" میں ذکر کیا ہے، اور واعظین کو اس سے بہت دلچسپی ہے، اور اس کتاب میں بکثرت موضوع احادیث پائی جاتی ہیں، اس لیے یہ کتاب قابل اعتماد نہیں ہے۔

(كشف الخفاء: ۲/۳۱۲؛ تذكرة الموضوعات: ۱/۲۰۰؛ اسنى المطالب: ۲۶۲، موضوعات الصغانى: ۱/۲)

تنبیہ: شیخ البانیؒ لکھتے ہیں:

"هو شبيه بكلام الصوفية و مثله قول سهل بن عبدالله التسترىؒ الناس كلهم سكارى الا العلماء و العلماء كلهم حيارى الا من عمل به. رواه الخطيب فى "اقتضاء العلم و العمل" ثم روى من طريق اخرى عنه قال. الدنيا جهل و موات الا العلم والعلم كله حجة الا العمل به، و العمل كله هباء الا الاخلاص و الاخلاص على خطر عظيم حتى يختم به. قلت وهذا اقرب الى هذا الحديث فلعله هو اصله رفعهُ بعض جهلة الصوفية"۔

(السلسلة الضعيفة للالبانى: ج ۱/ص ۷۸)

یہ روایت کلام صوفیاء کے قبیل سے ہے، حضرت سہیل بن عبداللہ تستری سے اس کے مانند ایک قول منقول ہے جس کو شیخ خطیب نے "اقتضاء العلم و العمل" میں نقل فرمایا ہے "الناس كلهم سكارى إلا العلماء و العلماء كلهم حيارى إلا من عمل به"

یعنی یہ سارے لوگ مدہوش ہوں گے سوائے اہلِ علم کے، اور سارے اہل علم حیران ہوں گے سوائے علم پر عمل کرنے والوں کے۔

اور ایک دوسری سند سے یہ قول بھی حضرت سہل تستریؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "الدنیا جهل و موات الا العلم، و العلم كله حجة الا العمل به و العمل كله هباء الا الاخلاص والاخلاص على خطر عظيم" دنیا کی ہر شئ جہالت اور موت کے مترادف ہے، بجز علم کے اور ہر علم بھی آدمی کے خلاف حجت ہے، بغیر عمل کے اور ہر عمل بھی سارا کا سارا کالعدم ہے بغیر اخلاص کے اور اخلاص بڑی پرخطر چیز ہے۔

شیخ البانیؒ کہتے ہیں کہ یہ مقولہ، حدیث مذکورہ بالا سے زیادہ قریب ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ شیخ تستری کا یہی قول اس حدیث موضوع کی اصل ہے، یعنی شیخ کے اسی قول کو بعض جاہل صوفیاء نے حدیث مرفوع سمجھ لیا اور اس کو آگے چلتا کر دیا۔

☆☆☆☆☆

(۹٦) نظرة في وجه العالم احب إلى الله من عبادة ستين سنة صيامًا و قيامًا

ترجمہ: عالم کے چہرہ پر نظر ڈالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساٹھ سال کی نماز اور روزہ جیسی عبادت سے زیادہ محبوب ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ، علامہ شوکانیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ اور علامہ ابن القیم جوزیؒ یہ سبھی حضرات اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

امام سخاویؒ لکھتے ہیں کہ یہ روایت سمعان بن المہدی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کی ہے، مگر سمعان کا حال یہ ہے کہ وہ وضاعین (حدیثیں گھڑنے والوں) میں سے ہے؛ اسی طرح امام دیلمیؒ نے بھی یہ روایت قدرے تغیر کے ساتھ بغیر سند کے حضرت انسؓ کے حوالہ سے اس طرح نقل کی ہے۔

"النظر الی وجه العالم عبادة، وكذا الجلوس معه، والكلام، و الأكل".

یعنی عالم کو دیکھنا اور اس کے ساتھ بیٹھنا، بات کرنا اور کھانا، عبادت ہے۔

مگر یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے۔

(العلل المتناهية :ص۲۲۸، كشف الخفاء: ج۲ ص۱۰۸۹/ الفوائد المجموعة: ج ۱/ص۲۸۷؛ تذكرة الموضوعات: ج ۱/ص ۱۳۰؛ الأسرار المرفوعة:ص ۲۵۳؛ المقاصد الحسنة: ص٤٤٦؛ مختصر المقاصد الحسنة:ص۱۹٦)

☆☆☆☆☆
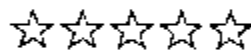
(۹۷) (الف) نوم العالم عبادة (ب) نوم العلماء عبادة

ترجمہ: عالم کا سونا عبادت ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ نے "الموضوعات الکبریٰ: ص ۲۵۵" میں فرمایا ہے: "لا اصل له فی المرفوع هكذا" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اس انداز کی کوئی حدیث نہیں اور اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔

علامہ عجلونیؒ نے "کشف الخفاء" میں موضوعات کے ذیل میں اس حدیث کو نقل فرمایا ہے، اور لکھا ہے کہ امام غزالیؒ نے "احیاء" میں اس روایت کو حدیث کی حیثیت

سے لکھا ہے، اور اس کے ساتھ ''ونفسه تسبيح '' (عالم کی سانس تسبیح کا درجہ رکھتی ہے) کی زیادتی بھی ذکر فرمائی ہے، لیکن انہوں نے نہ تو اس کا کوئی مخرج بتلایا کہ کس محدث نے کس کتاب میں اس کو لکھا ہے، اور نہ ہی یہ لکھا کہ کس صحابی سے حدیث منقول ہے۔

(کشف الخفاء: ۲/۳۲۵، ۳۲۹)

صاحب تخریج احادیث احیاء، علامہ عراقیؒ نے بھی اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے فرماتے ہیں: ''و المعروف فيه الصائم دون العالم''۔

تنبیہ: البتہ یہاں دو باتیں قابل توجہ ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ واقعی عالم کا سونا عبادت ہے کیوں کہ عالم اپنے علم کی بنیاد پر اپنی نیند میں یہ نیت کرے کہ سو کر نشاط حاصل کروں گا، پھر طاعت میں دل جمعی سے مشغول ہو جاؤں گا تو اس کا یہ سونا بھی عبادت بن جائے گا۔

پہلی بات تو یہ کہ یہ روایت اگر چہ حدیث نبوی نہیں ہے، مگر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بات اسی انداز کی ارشاد فرمائی ہے جس کو ابو نعیمؒ نے ''حلية الأولياء'' میں نقل کیا ہے، وہ یہ ہے۔

''نوم علي علم خير من صلوة علي جهل '' عالم کا سونا جاہل کی نماز (عبادت) سے بہتر ہے۔ (الأسرار المرفوعة: ۲۵۵)

اور پھر اسی مضمون سے اخذ کر کے کسی نے ''نوم الظالم عبادة'' کا جملہ تیار کر دیا (کہ ظالم کا سونا بھی عبادت ہے) کیوں کہ جب تک ظالم سویا ہوگا اتنی دیر تک تو ظلم سے باز رہے گا، تو گویا سونا اس کے حق میں عبادت بن گیا۔

اب یہاں ایسا لگتا ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ کے مذکورہ مقولہ سے کسی نے دھوکہ کھا کر اس مضمون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہوئے ''نوم العالم

عبادۃ" کو حدیث مرفوع کہہ دیا۔

دوسری بات یہ کہ روزہ دار کے متعلق ایک حدیث امام بیہقیؒ نے ایک ضعیف سند سے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نوم الصائم عبادۃ وصمتہ تسبیح وعملہ مضاعف و دعائہ مستجاب و ذنبہ مغفور"۔ (الأسرار المرفوعۃ:۲۵۵؛ حلیۃ الاولیاء:۵/۸۳، الاحیاء:۱/۲۳۲)

یعنی روزہ دار کا سونا عبادت ہے، اس کا خاموش رہنا تسبیح ہے، اس کا ہر عمل دوگنا ثواب رکھتا ہے، اس کی دعا مقبول ہوتی ہے، اور اس کا گناہ بخش دیا جاتا ہے۔

اس میں "نوم الصائم عبادۃ" مذکور ہے، مگر غلطی سے "نوم العالم عبادۃ" مشہور ہوگیا۔ چناں چہ تخریج احیاء:۱/۳۱۴ میں علامہ عراقی نے لکھا ہے کہ "قلت المعروف الصائم دون العالم" یعنی محدثین کے نزدیک حدیث میں "نوم الصائم" وارد ہے نہ کہ "نوم العالم" ملا علی قاریؒ کی تحقیق سے بھی یہی واضح ہے کہ یہ روایت صائم سے متعلق ہے نہ کہ عالم سے۔ (الأسرار المرفوعۃ:۲۵۶)

خلاصہ یہ ہے کہ "نوم العالم عبادۃ" کلام نبوی نہیں ہے، ہاں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ قول سے اس کے مضمون کی تائید ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆
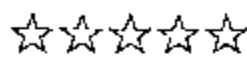
(۹۸) ولدت فی زمن الملک العادل

ترجمہ: میں انصاف پرور بادشاہ (نوشیرواں) کے زمانہ میں پیدا ہوا۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، عجلونیؒ، علامہ پٹنیؒ، علامہ صغانیؒ اور علامہ شوکانیؒ یہ سبھی حضرات اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

امام سخاویؒ نے فرمایا" لا أصل له" امام زرکشیؒ فرماتے ہیں:"**كذب باطل**" یہ روایت جھوٹی اور باطل ہے، بل کہ علامہ ابن السمعانیؒ نے اپنی سند کے ساتھ بتلایا کہ قاضی ابوبکر الحیریؒ کہتے ہیں کہ" کہ ایک بزرگ نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کی اور سوال کیا کہ ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ" **انک ولدت فی زمن الملک العادل**"۔ یعنی آپ عادل بادشاہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں۔

تو میں نے اس کے متعلق ابوعبداللہ الحاکمؒ سے پوچھا کہ اس کی کیا حقیقت ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ جھوٹ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی بات ارشاد نہیں فرمائی ہے۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حاکم ابوعبداللہؒ نے صحیح جواب دیا ہے، یعنی میں نے یہ بات نہیں بیان کی ہے۔

شیخ حلیمیؒ نے بھی"شعب الایمان" میں اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

امام سخاویؒ کہتے ہیں کہ حافظ ابن رجبؒ نے ابن قدامہؒ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ ابن قدامہؒ نے فرمایا کہ" **قد جاء فی الحدیث ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال ولدت في زمن الملک العادل کسریٰ**"۔

مگر ابن قدامہؒ کی طرف اس کی نسبت ثابت نہیں ہے، کیوں کہ ناقل اور ابن قدامہؒ کی درمیانی سند میں انقطاع پایا جاتا ہے۔ (المقاصد الحسنة: ٤٥٤)

امام سیوطیؒ نے بھی"**الدرر المنتشرة في الاحادیث المشتهرة: ۲۰/۱**" میں

اس کو "کذب باطل" لکھا ہے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ "قال السیوطیؒ قال البیهقیؒ فی شعب الایمان تکلم شیخنا ابو عبد اللّٰه الحافظ فی بطلان ما یرویه بعض الجهلاء عن نبینا صلی اللّٰه علیه وسلم "ولدت فی زمن الملک العادل یعنی أنوشیروان".

(الأسرار المرفوعة: ۲۵۹)

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں لکھا کہ ہمارے شیخ ابوعبد اللہ حافظ نے اس روایت کے بطلان پر کلام کیا ہے، جس کو جہلاء، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے نقل کرتے ہیں: "ولدت فی زمن الملک العادل یعنی انوشیروان" جب کہ یہ ثابت نہیں ہے۔

(المقاصد الحسنة:ص ٤٥٤؛ المصنوع:ص ٢٠٤؛ الأسرار المرفوعة:ص ٢٥٩؛ موضوعات الصغاني:ج ١/ص ٢؛ تذكرة الموضوعات:ج ١/ص ٨٨)

☆☆☆☆☆

(۹۹) الولد سر لأبیه

ترجمہ: اولاد اپنے باپ کی ترجمان ہوتی ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، عجلونیؒ، ملا علی قاریؒ، پٹنیؒ، صغانیؒ، سیوطیؒ اور سید ابن درویشؒ؛ یہ تمام حضرات اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

امام سخاویؒ اور ملا علی قاریؒ نے فرمایا: "لا اصل له" اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

اور شیخ عبدالعزیز الدیریؒ نے اس جملہ کا مطلب یہ بتلایا ہے کہ آدمی اپنے باپ کے

اوصاف سیکھتا ہے، اور اس کے مزاج وطبیعت سے متاثر ہو کر اس کے نقش پر چلتا ہے، اور ایسا تو ہر کسی کی صحبت کا نتیجہ ہوتا ہے کہ اس کے اندر ہم نشینوں کے اچھے اثرات منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ اور اسی انداز کی بڑی عمدہ بات ان دو شعروں میں کہی گئی ہے ؎

عن المرء لا تسئل وسل عن قرينه   فكل قرين بالمقارن يقتدى

یعنی آدمی کے متعلق نہ سوال کرو (کہ کیسا ہے؟) بل کہ اس کے ساتھی اور ہم نشین کے بارے میں پوچھو کہ وہ کیسا ہے کیوں کہ ہر شخص اپنے ساتھی کا اثر قبول کرتا ہی ہے۔

بأبه اقتدى عدى فى الكرم   ومن يشابه ابه فما ظلم

یعنی عدی ابن حاتم نے اپنے والد حاتم طائی کی روش کو اختیار کیا اور باپ کے نقش پر چلنا کوئی جرم نہیں ہے۔ (کشف الخفاء:۲/۲۳۸)

خلاصہ: یہ کہ یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ اولاد میں باپ کے اوصاف واثرات منتقل ہوتے ہیں مگر ''الولد سر لأبيه'' کو حدیث نبوی کہنا صحیح نہیں۔

(المقاصد:۴۵۳/الاسرار: ۲۵۹؛ کشف: ج۲/۱۹۱۱ ج۲/۳۳۸؛ الفوائد المجموعہ: ۱/۱۳۷؛ تذکرۃ الموضوعات:۱/۹۳۶؛ الدرر المنتثرہ: ج۱/ص۴۶۱؛ اسنی المطالب:۲۶۷)

☆☆☆☆☆
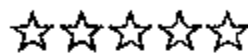
امام ابوحنیفہ سے متعلق روایات

سیدنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے فضائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے متعدد مرفوع روایات نقل کی جاتی ہیں؛ مگر ان میں سے کوئی بھی ثابت نہیں بل کہ سب موضوع ہیں، جب کہ امام ابوحنیفہؒ کی علمی وفقہی بصیرت، ورع وتقوی اور آپ کا فضل وکمال اس قدر مبرہن اور روشن ہے کہ ان جیسی بے سند جعلی روایات کی قطعاً ضرورت نہیں۔

علامہ ابن حجر مکیؒ نے اپنی کتاب "الخيرات الحسان في مناقب أبي حنيفة النعمان" میں امام سیوطی وغیرہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ صحیحین وغیرہ کی وہ روایت جس میں وارد ہے کہ

"ان النبي صلى الله عليه وسلم قال لو كان الإيمان عند الثريا و في لفظ لو كان العلم معلقًا عند الثريا لتناوله رجال من أبناء فارس". (بخاری ومسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر ایمان روئے زمین سے اٹھ کر ثریا پر پہنچ جائے تو بھی باشندگانِ فارس کے کچھ بندے اس کو حاصل کرلیں گے۔

یہ روایت امام ابوحنیفہؒ اور ان جیسے دوسرے حضرات پر منطبق ہوتی ہے، اس لیے اس صحیح روایت کے ہوتے ہوئے بے سند، اور موضوع روایات سے دلچسپی لینے کی کیا ضرورت؟

تاہم وہ بے سند اور موضوع روایات بغرض تحقیق کسی قدر تفصیل سے ذکر کی جاتی ہیں، تا کہ کھرے کھوٹے کی تمیز میں آسانی ہو۔

(۱۰۰) (الف) یکون فی امتی رجل اسمه النعمان و کنیته أبو حنیفة هو سراج أمتی.

(ب) سیکون فی أمتی رجل یقال له أبو حنیفة هو سراج أمتی.

ترجمہ: دونوں روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام نعمان اور کنیت ابو حنیفہ ہوگی وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔

حکم: دونوں موضوع ہیں۔

تحقیق: علامہ ابن الجوزیؒ، امام سیوطیؒ، ابن العراق، کنانیؒ، علامہ صغانیؒ، علامہ شوکانیؒ، علامہ خطیب بغدادیؒ اور علامہ پٹنیؒ یہ تمام حضرات اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

ابن الجوزیؒ لکھتے ہیں کہ علامہ خطیب بغدادیؒ نے فرمایا کہ اس روایت کی سند میں ایک راوی ابوعبداللہ محمد ابن سعید المروزی البورقی ہے، اسی نے اس روایت کو وضع کیا ہے اور یہ شخص وضاعین میں سے تھا، اس نے بہت سی منکر اور غیر معتبر روایات گھڑ کر ثقات کے حوالہ سے لوگوں کے سامنے پیش کر دی ہیں، ان میں سب سے زیادہ فحش اور غلط یہ روایت ہے، اس نے یہ روایت خراسان میں پھر عراق میں دوسری سند سے سنائی اور اس میں یہ اضافہ کر دیا: ''**سیکون فی امتی رجل یقال له محمد ابن ادریس فتنة علی أمتی اضر من ابلیس**''۔

یعنی میری امت میں محمد بن ادریس نامی ایک شخص پیدا ہوگا جو امت کے لیے ابلیس سے زیادہ خطرناک فتنہ ثابت ہوگا۔ (العیاذ باللہ!)

ملا علی قاریؒ "ابو حنیفة سراج امتی" لکھ کر لکھتے ہیں کہ "موضوع باتفاق المحدثین" یعنی یہ روایت تمام محدثین کے نزدیک بالاتفاق موضوع ہے۔

(اللآلی:۱/۴۵۷؛ تنزیہ الشریعة:۲/۳۰؛ الفوائد المجموعة:۱/۴۲۰؛ اللؤلؤ المرصوع:۴۷؛
تاریخ الخطیب:۱۳/۳۳۵؛ تذکرة الموضوعات:۱/۱۱۱؛ الأسرار المرفوعة:۴۷؛
الموضوعات لابن الجوزی:۱/۳۵۵)

(ج) سيأتي من بعدي رجل اسمه النعمان بن ثابت و يكنى أباحنيفة ليحيين دين الله و سنتي على يديه.

ترجمہ: عنقریب میرے بعد ایک شخص آئے گا جس کا نام نعمان بن ثابت ہوگا اور اس کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی جو اپنے ہاتھوں اللہ کے دین کو اور میری سنتوں کو زندہ کرے گا۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سیوطیؒ، کنانیؒ، ابن الجوزیؒ، شیخ خطیب بغدادیؒ نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں کئی راوی مجروح ہیں، محمد بن یزید متروک الحدیث ہے، سلیمان بن قیس اور ابوالمعلی دونوں مجہول ہیں، ابان پر کذب کی تہمت ہے، ابن عدی کا کہنا ہے کہ محمد بن یزید تو سرقہ فی الحدیث کیا کرتا تھا یعنی روایت کو غیر معروف راوی کی طرف منسوب کردیا کرتا تھا، اور حدیثیں گھڑتا بھی تھا۔ "میزان الاعتدال" میں بھی لکھا ہے کہ محمد بن یزید یسرق الحدیث ویضع.

(اللآلی:۱/۴۵۸؛ تنزیہ الشریعة:۲/۳۰/ تاریخ بغداد:۲/۲۸۹؛
الموضوعات لابن الجوزی:۱/۳۵۵؛ میزان الاعتدال)

(د)یکون فی أمتی رجل یقال له النعمان بن ثابت یکنی اباحنیفة سیجدد اللّٰه سنتی علی یدیه.

یعنی میری امت میں ایک آدمی پیدا ہوگا جس کونعمان بن ثابت کے نام سے یاد کیا جائے گا اس کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی، اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر میری سنت زندہ کرے گا۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ابن الجوزیؒ، امام سیوطیؒ اس کو موضوع قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں، اس کا ایک راوی جو یباری ہے جو کذاب وضاع ہے بل کہ ابن العراق کنانیؒ تو اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ "تاھیک به کذابا" یعنی دنیائے کذب کا امام ہے۔

(الموضوعات:۱/ ۱۳۵ ؛ اللالی:۱/ ۴۵۸ ؛ تنزیه الشریعة:۲/ ۳۰)

(ہ)یکون فی امتی رجل یقال له النعمان بن ثابت یکنی ابا حنیفة یحی الله علی یدیه دینی و سنتی.

یعنی میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کو کہا جائے گا نعمان بن ثابت اس کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر میرا دین اور میری سنت زندہ فرمائیں گے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: یہ روایت سلیمان بن عیسیٰ کی سند سے وارد ہے اور سلیمان متہم بالوضع ہے۔

ابن جوزیؒ لکھتے ہیں کہ "قال أبوحاتم کا ن کذابًا، و قال ابن عدی یضع الحدیث"۔

یعنی یہ شخص بقول ابوحاتم کذاب تھا، اور ابن عدیؒ کے قول کے مطابق واضع حدیث

تھا۔اس لیے علامہ ابن الجوزیؒ نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔

الحاصل! یہ ساری روایات غیر معتبر ہیں۔

(الموضوعات لابن الجوزی: ۱/۳۵٦؛ کشف الخفاء: ۱/۳۳)

(واو) یکون فی أمتی رجل یقال له محمد بن ادریس اضر علی امتی من ابلیس و یکون فی امتی رجل یقال له ابو حنیفة هو سراج أمتی، هو سراج أمتی۔

یعنی میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا، جس کو محمد بن ادریس کے نام سے جانا جائے گا، وہ میری امت کے لیے ابلیس سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوگا، اور ایک آدمی آئے گا جس کو ابوحنیفہ کہا جائے گا وہ میری امت کا چراغ ہوگا، وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ ابن الجوزیؒ، امام سیوطیؒ، ابن العراق کنانیؒ، علامہ شوکانیؒ، شیخ ابوالمحاسن القاوقجی، علامہ طاہر پٹنیؒ، ملا علی قاریؒ یہ سبھی حضرات اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔ اس کی سند میں دو راوی کذاب و وضاع واقع ہوئے ہیں۔

ابن جوزیؒ تحریر فرماتے ہیں:

هذا حديث موضوع لعن الله واضعه وهذه اللعنة لا تفوت احد الرجلين و هما مامون و الجويباری و كلاهما لا دين له و لا خير فيه و كان يضعان الحديث قال ابن حبان كان مامون رجلا من احد رجلين حدث عمن لم يره و كان الجويباری كذابًا دجالاً يضع على الذين يروی عنهم ما لم يحدثوه لا يحل ذكره فی الكتب إلا على سبيل الجرح فيه، و ذكر هذا الحديث أبو عبدالله الحاكم فی كتاب "اَلْمَدخل" إلى كتاب الإكليل فقال

قيل لمامون بن احمد الا ترى إلى الشافعي و إلى من تبع له بخراسان، فقال حدثنا أحمد بن عبدالله فذكر الحديث. فبان بهذا ان الواضع له مامون الذى ليس بمامون.

(الموضوعات:ص ٣٥٤؛ اللآلي المصنوعة: ج١/ص٣٥٧؛ تنزيه الشريعة: ج٢/ص ٣٠؛ تذكرة الموضوعات للفتنی: ج١/ص ١١١)

یعنی یہ من گھڑت حدیث ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے گھڑنے والے پر لعنت کرے اور اس لعنت کے مستحق مامون اور جو یباری ہیں؛ یہ دونوں ایسے ہیں کہ جن کا کوئی مذہب نہیں جن میں کوئی بھلائی نہیں، حدیثیں گھڑنا ہی ان کا کام تھا۔ ابن حبان نے بتلایا کہ مامون کا شمار بھی انہیں لوگوں میں تھا جو ایسے لوگوں سے روایات سناتے تھے جن کو انہوں نے دیکھا نہیں ہے؛ اور جو یباری ایسا کذاب اور دجال ہے کہ اپنے شیوخ کے حوالہ سے ایسی من گھڑت حدیثیں سناتا ہے جو انہوں نے بیان نہیں فرمائی ہیں؛ ان روایات کا ذکر کتابوں میں اس پر جرح کی غرض سے کیا جائے تو درست ہے ورنہ ان کے تذکرہ کی اجازت نہیں ہے۔

اس حدیث کو امام ابوعبداللہ حاکمؒ نے اپنی کتاب "المدخل إلی کتاب الإکلیل" میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مامون بن احمد سے سوال کیا کہ امام شافعیؒ اور خراسان میں ان کے متبعین کے متعلق کیا خیال ہے تو اس نے احمد بن عبداللہ کی سند سے حدیثِ مذکور سنا ڈالی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا وضع کرنے والا مامون ہے جس کی حیثیت مامون نہیں ہے، بل کہ بہت پرخطر ہے۔

(الموضوعات:١/٣٥٤؛ اللآلی:١/٣٥٧؛ تنزيه الشريعة:٢/٣٠؛ تذكرة الموضوعات للفتنی:١/١١)

☆☆☆☆☆
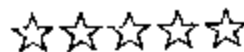
(۱۰۱) (الف) یوم الأربعاء یوم نحس مستمر

ترجمہ: بدھ کا دن مسلسل نحوست کا دن ہے۔

(ب) آخر أربعاء في الشهر یوم نحس مستمر

ترجمہ: مہینہ کا آخری بدھ مسلسل نحوست کا دن ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ پٹنیؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ، امام سخاویؒ؛ یہ سبھی حضرات اس روایت کو موضوع کہتے ہیں۔

شیخ عجلونیؒ کہتے ہیں کہ یہ روایت ابن عباسؓ کی سند سے منقول ہے، جس کی تخریج ابن مردویہ اور خطیب بغدادی نے "من الشهر" کے الفاظ کے ساتھ کی ہے۔ امام سیوطیؒ نے جامع کبیر میں لکھا ہے کہ اس روایت کو وکیع نے "غرر" میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے، مگر اس کی سند میں ایک راوی مسلمہ بن الصلت ہے جو متروک ہے۔ ابن الجوزیؒ نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے، طیوریؒ نے ایک دوسری سند سے ابن عباسؓ کا قول ہونا بتلایا ہے، ابن رجبؒ نے اس کو غیر صحیح قرار دیا ہے۔

تنبیہ: "یوم الأربعاء" (بدھ) سے متعلق متعدد روایات پائی جاتی ہیں بعض میں بدھ کی فضیلت واہمیت وارد ہے، اور بعض اس کی نحوست و مذمت پر مشتمل ہیں، مثلاً:

اہمیت سے متعلق:

(الف) خلق اللّٰه یوم الأربعاء الأنهار و الأشجار.

یعنی بدھ کے دن اللہ تعالٰی نے انہار واشجار کو پیدا کیا۔

(ب) عن عائشةؓ انها قالت ان احب الأيام إلى يخرج فيه مسافر و انكح فيه واختن فيه صبى يوم الأربعاء.

یعنی حضرت عائشہؓ کا فرمان ہے کہ سب سے اچھا دن مسافر کے لیے اور نکاح وختنہ کے لیے بدھ کا دن ہے۔

(ج) ما بدئ بشيء يوم الأربعاء الأتم.

یعنی جس کام کی ابتداء بدھ کے دن کی جائے وہ ضرور مکمل ہو جاتا ہے۔

مذمت سے متعلق:

(الف) یوم الأربعاء یوم نحس مستمر.

یعنی بدھ کا دن مسلسل نحوست کا دن ہے۔

(ب) آخر الاربعاء من الشهر یوم نحس مستمر.

یعنی مہینہ کا آخری بدھ مسلسل نحوست کا دن ہے۔

(ج) فیه (فی یوم الأربعاء) ولد فرعون و فیه ادعی الالهية وفيه أهلكه اللّٰه تعالٰى و فيه ارسل اللّٰه الريح على قوم عاد.

یعنی بدھ کے دن فرعون پیدا ہوا اور اسی دن خدائی کا دعوٰی کیا اور اسی دن اللہ تعالٰی نے اس کو ہلاک کیا اور اسی دن اللہ نے قوم عاد پر ہوا کا عذاب نازل کیا۔

(د) یوم الأربعاء لا اخذ ولا عطاء.

یعنی بدھ کا دن نہ لینے کا دن ہے نہ دینے کا۔

(ہ) امرنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم باجتناب الحجامة یوم الأربعاء فانه الیوم الذی اصیب فیه ایوب علیه السلام بالبلاء وما یبدو جذام و لا برص الا یوم الأربعاء ولیلة الأربعاء.

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بدھ کے دن پچھنا لگوانے سے منع فرمایا اس لیے کہ اس دن حضرت ایوب علیہ السلام کو مصیبت لاحق ہوئی اور جس کسی کو بھی کوڑھ یا برص کی بیماری لگتی ہے تو بدھ کے دن ہی لگتی ہے۔

(و) حدیث النهی عن قص الأظفار فی یوم الأربعاء.

یعنی بدھ کے دن ناخن کاٹنے کی ممانعت کی حدیث۔

(ح) یوم الأربعاء یوم نحس قریب الخطاء یشیب فیه الولدان.

یعنی بدھ کا دن منحوس دن ہے، جس میں غلطیاں زیادہ سرزد ہوتی ہیں، بچے بوڑھے ہوجاتے ہیں۔ (کشف الخفاء: ۱/۱۳؛ المقاصد الحسنة: ۴۷۹؛ الموضوعات: ۲/۷۱)

ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ "أخرجه الطبرانی فی الأوسط عن جابرؓ قال السخاوی لا اَصل لهٗ وفی فضله والتنفیر منه احادیث کلها واهیة (یہ حدیث "یوم الأربعاء یوم نحس مستمر" حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے، جس کو طبرانی نے نقل کیا ہے، سخاویؒ نے اس کے متعلق فرمایا: "لا أصل له" اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور بدھ کے دن کی فضیلت و مذمت سے متعلق بہت سی احادیث نقل کی جاتی ہیں مگر وہ سب کی سب غیر معتبر ہیں۔ (الأسرار المرفوعة: ص ۲۷۵)

بل کہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ہفتہ کے دنوں کے متعلق جو روایت بھی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی جاتی ہے وہ ساری موضوع اور من گھڑت ہے۔ مثلاً:

ایک روایت بہت کثرت سے نظر آتی ہے "یوم السبت یوم مکر و خدیعة، و یوم الأحد یوم غرس وبناء، و یوم الاثنین یوم سفر وطلب رزق، و یوم الثلثاء یوم حدید و بأس، و یوم الأربعاء یوم لا اخذ ولا عطاء، ویوم الخمیس یوم طلب حوائج و یوم الجمعة یوم خطبة نکاح".

ترجمہ: سنیچر کا دن سازش اور دھوکہ کا دن ہے، اتوار کا دن بونے اور تعمیر کرنے کا دن ہے، پیر کا دن سفر اور روزی طلب کرنے کا دن ہے، اور منگل کا دن لڑ ہے اور سختی کا دن ہے، بدھ کا دن لین دین نہ کرنے کا دن ہے، جمعرات کا دن حاجت طلبی اور بادشاہ کے یہاں جانے کا دن ہے، جمعہ کا دن خطبہ اور نکاح کا دن ہے۔

یعنی اس روایت کے متعلق علامہ طاہر پٹنیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی ایک سند ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے، دوسری سند ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے مگر ہر سند میں ضعفاء ومجہولین پائے جاتے ہیں، اس لیے یہ روایت موضوع ہے۔ (تذکرۃ الموضوعات: ص۸)

علامہ ابن الجوزیؒ "بدھ" سے متعلق روایات نقل کر کے فرماتے ہیں: "هذه الأحاديث لا تصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم" یعنی یہ روایات بے سند، بے اصل، اور ساقط الاعتبار ہیں کیوں کہ یہ روایات تین صحابی ابن عباس، ابن عمر اور جابر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے منقول ہیں، اور کوئی بھی سند علت سے خالی نہیں ہے۔

ابن عباس کی تین سند ہے اور جس میں مسلمہ بن اصلت ہے، جس کو امام ابوحاتم رازیؒ نے متروک الحدیث فرمایا ہے اور ابن عباسؓ کی تیسری سند میں "الحسن بن عبيد الله

الأبرآری" نام کا راوی واقع ہے جو کذاب ہے۔

ابن عمرؓ کی حدیث میں عثمان بن مطر ہے جس کے متعلق ابن حبان فرماتے ہیں

"و کان عثمان بن مطر یروی الموضوعات عن الاثبات لا یحل الاحتجاج به"

ترجمہ: عثمان بن مطر ثقات کے حوالہ سے روایتیں نقل کرتا تھا لیکن اس پر بھروسہ نہیں۔

حدیث جابر کے متعلق فرماتے ہیں: و أما حديث جابر فلم يروه غير ابراهيم. قال الدارقطنی "و هو متروک".

یعنی جابرؓ کی حدیث صرف ابراہیم بن ابی حیہ سے مروی ہے جس کو دارقطنیؒ متروک کہتے ہیں۔ (الموضوعات: ۲/۷۳؛ المقاصد الحسنة: ص ۳۶۲؛ کشف الخفاء: ج ۱/ص ۱۱۸۸)

☆☆☆☆☆

مصادر ومراجع

قرآن مجید

احادیث القصاص — ابن تیمیة

اسنیٰ المطالب — محمد الحوت

الاجوبةالفاضلة — مولانا عبد الحی لکھنوی

الاسرار — ملاعلی قاریؒ

البحرالرائق شرح کنز الدقائق — ابن نجیم مصری

الرسالة — امام شافعی

الرفع والتکمیل فی الجرح وا لتعدیل — مولانا عبد الحی لکھنوی

امداد الباری — مولانا عبد الجبار الأعظمی

انتقاد المغنی عن الحفظ و الکتاب — حسام الدین القدسی

آثار الحدیث — ڈاکٹر علامہ خالد محمود

التذکرةفی الاحادیث المشتهرة — امام زرکشی

التوضیح

تاریخ اصبهان

تاریخ بغداد للخطیب — خطیب بغدادی

تاریخ نیشاپور

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق

تحفةالاحوذی — مبارکپوریؒ

تخریج احیاء — حافظ عراقیؒ

تدریب الراوی — علامہ سیوطیؒ

التذکرة فی أحادیث المشتهرة — الزرکشی

کتاب	مصنف
تذکرة الموضوعات	محمد بن طاهر پٹنی
تذکرة الموضوعات	شیخ مقدسی
تفسیر ابن کثیر	عماد الدین ابن کثیر الدمشقی
تفسیر قرطبی	امام قرطبیؒ
تفسیر کشاف	علامه زمخشریؒ
تکمیل الارشاد	
تلخیص الحبیر	علامه ابن حجر عسقلانیؒ
تنزیه الشریعة	ابن عراقؒ
التنکیت و الافادة	ابن همات دمشقی
توضیح الافکار	امام صغانیؒ
الجامع الصغیر	علامه سیوطیؒ
الجد الحثیث	شیخ الغزی
جامع الترمذی	امام ابو عیسی ترمذیؒ
جمهرة الامثال	ابو هلال عسکریؒ
حدیث کا درایتی معیار	شیخ محمد تقی امینی
حصن حصین	امام جزریؒ
حلیة الاولیاء	ابو نعیم اصبهانی
حاشیه مسلم	علام نوویؒ
حاشیة المصنوع	الشیخ ابو غده
الحاوی	علامه سیوطیؒ
خیرا لاصول	
الخلاصة فی معرفة الحدیث	امام طیبی
الخیرات الحسان فی مناقب ابی حنیفة النعمانؒ	

الدر المختار	علامہ حصکفی
الدر الملتقط	الصغانی
الدرایة	علامہ زیلعیؒ
الدرالمنتشرة	امام سیوطیؒ
دراسات فی الجرح والتعدیل	
ذیل الموضوعات	علامہ سیوطیؒ
رد المحتار	ابن عابدین شامیؒ
الرسالة	حضرت امام شافعیؒ
زاد المعاد	ابن القیمؒ
سلسلة الضعیفة	شیخ البانی
السنة ومکانتها فی التشریع الاسلامی	الدکتور مصطفی السباعی
سنن ابن ماجه	امام بن ماجه
سنن ابی داؤد	امام ابو داؤد السجستانیؒ
سنن دارقطنی	امام دارقطنیؒ
سنن دارمی	امام دارمی
سنن النسائی	امام نسائیؒ
شرح مسلم	امام نوویؒ
شرح المنازل	
شرح المهذب	امام نوویؒ
شعب الایمان	امام بیهقیؒ
الصحیح للبخاری	امام بخاریؒ
صحیح ابن حبّان	امام ابن حبان
صحیح مسلم	امام مسلم

کتاب	مصنف
صحیح وضعیف الجامع للصغیر	شیخ البانی
الضعفاء	عقیلی
الطبقات	ابن سعد
العلل المتناهیة	ابن جوزیؒ
عجالة النافعة	شاه عبد العزیزؒ
علوم الحدیث	شیخ عبد الله الاسعدی
علوم الحدیث	شیخ صبحیؒ
عمدة الرعایة	علامه عبد الحی لکهنویؒ
عمدةالقاری	علامه عینیؒ
غذاء الالباب شرح منظومة الادب	سفارینیؒ
غنیة الطالبین	عبد القادر جیلانی
الفوائد المجموعة للشوکانی	محمد بن علی الشوکانی
فتح الباری	امام بن حجر عسقلانیؒ
فتح المغیث	امام سخاوی
فتح الملهم	علامه شبیر احمد عثمانیؒ
فن اسماء الرجال	مولانا اسیر ادروی
فن اسماء الرجال	الشیخ تقی الدین ندوی
فیض الباری	علامه انور شاه کشمیریؒ
فیض القدیر	الشیخ المناوی
کتاب الکفایة فی علم الروایة	شیخ خطیب بغدادی
الکامل	ابن عدی
کشف الخفاء	الشیخ عجلونی
کنز العمال	علی متقی

اللآلی	امام سیوطیؒ
اللؤ لؤ المرصوع	ابن خلیل طرابلسی
لسان المیزان	ابن حجر عسقلانیؒ
المجروحین	ابن حبان
مجمع الامثال	المیدانی
مجمع الزوائد	الهیثمی
المحدث الفاصل	رامهرمزی
مختصر المقاصد	محمد بن عبدالباقی الزرقانی
المدخل	لابن الحاج
المستدرک	حاکم ابو عبد الله نیشاپوری
مسند احمد	امام احمد بن حنبلؒ
مسند الفردوس	علامه دیلمی
مسند دارمی	امام دارمی
مشکوٰة المصابیح	خطیب بغدادی
المصنوع	ملاعلی قاریؒ
مصنف ابی شیبه	ابوبکر بن ابی شیبه
معجم طبرانی	امام طبرانیؒ
معجم کبیر	طبرانی
معرفة علوم الحدیث	حاکم نیشاپوری
المغنی	ابن قدامه
مفتاح الجنة	امام سیوطی
المقاصد الحسنة	امام سخاویؒ

کتاب	مصنف
المقنع	شیخ ابن الملقنؒ
المنار المنیف	علامہ ابن القیمؒ
مقدمہ مسلم	امام مسلم
مقدمہ ابن الصلاح	ابن الصلاح
مقدمہ درس ترمذی	مفتی تقی عثمانی
مقدمة المصنوع	شیخ ابو غدةَ
مکارم الاخلاق	ابن ابی الدنیا
مکارم الاخلاق	الخرائطی
مکارم الاخلاق	الطبرانی
منتھی المدارک	شیخ فرغانی
الموضوعات	علامہ ابن الجوزیؒ
موضوعات کبیر	ملاعلی قاری
موضوعات الصغانی	امام صغانی
میزان الا عتدال	امام ذھبی
النخبة البهيّة	شیخ محمد امیر الکبیر المالکیؒ
نصب الراية فی تخريج احاديث الهداية	علامہ زیلعی
نوادرا لحدیث	شیخ محمد یونس جونپوری
نہایة	ابن الاثیر الجزری
ھدایة	مرغینانی

مصنف کی دوسری مطبوعات

(۱) اللؤلؤ والمرجان فی لطائف القرآن

(قرآن کے تعبیری جواہر پارے)

☆ ترجمۂ قرآن، جلالین، بیضاوی کے طلبہ واساتذہ کی علمی مشکلات کا حل
☆ قرآن کے مخصوص اسلوب وتعبیر کے معنوی نکات واسرار ورموز
☆ خلاف ظاہر آیات کی وجوہ وعلل
☆ مترادفات کے معنوی فروق

(۲) التحفة المرضية في تحقيق أيام الأضحية

(قربانی کے دن تین نہ کہ چار)

☆ مسئلہ مذکورہ سے متعلق مدلل، مفصل، محقق، تشفی بخش لاجواب کتاب

(۳) الإکسیر فی قواعد التفسیر

قرآن مجید کی صحیح تفسیر کے لیے ۱۷۰ قواعد کا حسین مجموعہ

اس میں شانِ نزول، طریقۂ تفسیر، مآخذ تفسیر، ضمائر ومبہمات، اظہار واضمار، تقدیم وتاخیر، تعریف وتنکیر، امر ونہی اور مطلق ومقید جیسے اہم عناوین سے متعلق ایسے قواعد وضوابط مذکور ہیں جن سے ہر نوع کی مشکل بآسانی حل کی جا سکتی ہے۔